خطباتِ سلف

علمائے کرام سے خطاب

تصحیح ونظرثانی

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

ترتیب وانتخاب

حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پالن پوری

شیخ الحدیث ادارہ دینیات، ممبئی

۲

- شاہ وصی اللہ الہ آبادی
- خواجہ معصوم نقشبندی
- شاہ محب اللہ الہ آبادی
- حضرت مفتی شفیع عثمانی
- مولانا یوسف لدھیانوی
- حاجی امداد اللہ مہاجر مکی
- مولانا محمد قاسم نانوتوی
- مولانا رشید احمد گنگوہی
- مولانا یعقوب نانوتوی
- حضرت شیخ الہند
- حضرت جی مولانا الیاس
- مولانا محمد عمر پالن پوری
- علامہ انور شاہ کشمیری
- قاری محمد طیب صاحب
- مولانا اسعد مدنی
- مولانا محمد رضا اجمیری

خطبات سلف

علمائے کرام سے خطاب

جلد دوم

انتخاب وترتیب

حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پالن پوری

ناشر

مکتبہ ابن عباس ممبئی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : خطبات سلف جلد دوم

تالیف : حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پالن پوری
خادم مکاتبِ قرآنیہ ممبئی

طباعت :

کمپوزنگ : سہیل اختر دیوبند 9412323894

ناشر : مکتبہ ابن عباس ممبئی

مطبوعہ :

ملنے کے پتے

(ادارۂ اسلامیات 36 / محمد علی روڈ ممبئی-3) (ادارۂ الصدیق ڈابھیل گجرات)

ادارۂ علم وادب دیوبند، مکتبہ اتحاد دیوبند، دار الکتاب دیوبند، الامین تابستان دیوبند

فہرست مضامین

● تقریظ: حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاہودروی ۲۳
● تقریظ: نمونہ اسلاف حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خان پوری ۲۵

(۱۷) علماء کی زندگی

● قرآن نے انسان کو خود اس کی معرفت کرائی ہے ۲۹
● حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ۳۰
● علم پر بصیرت تامہ ہو ۳۰
● کبر و عار مانع کمالات ہے ۳۰
● تواضع ام الکمالات ہے ۳۱
● حسن نظم کے لیے حسن خلق کی ضرورت ۳۱
● اخلاص کے ساتھ اخلاق کی ضرورت ۳۱
● آپس کا اختلاف خرابی کی جڑ ہے ۳۲
● حضرت کی دو نصیحتیں ۳۲
● دوسری نصیحت ۳۳
● فساد کا بنیادی سبب ۳۴
● فساد کی حقیقت ۳۴
● نفس کی اصلاح ابھی کرلو ۳۵

● انسان کا سب سے بڑا دشمن ۳۵
● نفاق سکۂ رائج الوقت ہے ۳۵
● دینی کاموں میں ریا کاری ۳۶
● باہمی نزاعات کی وجہ ۳۶
● علم وحال میں بھی طغیان ہے ۳۷
● الاستقامۃ فوق الکرامۃ ۳۷
● بشریت کی راہ سے ترقی ۳۸
● مال سے بھی عقل بڑھتی ہے ۳۹
● اخلاص بڑی دولت ہے ۳۹
● سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ارشاد ۳۹

(۱۸) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث

(حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی سرہندی رحمہ اللہ)

● انسان کی پیدائش بے مقصد نہیں ۴۳
● دنیا آخرت کی کھیتی ہے ۴۳
● طریقہ صوفیاء بھی ضروری ہے ۴۳
● اتباعِ شریعت اصل ہے ۴۴
● آداب سے تہاون سلب معرفت کا ذریعہ ہے ۴۴
● کرامت اصل نہیں اتباع اصل ہے ۴۴
● نبی کے وارث ایسے ہوتے ہیں ۴۵
● اتباع سنت کا اہتمام کرو ۴۵

● ہماری عزت کا مدار ۴۶
● مقام صدیقیت ۴۶
● کسب معاش منع نہیں ۴۷
● اولیاء کی پہچان ۴۷
● مخلوق سے خوشامد کا انجام ذلت ہے ۴۷

(۱۹) نفس کے امراض

(شیخ کبیر حضرت مولانا شاہ محبّ اللہ الہ آبادی قدس سرہٗ

● امراض تین طرح کے ہیں ۵۱
● امراض نفس بھی تین طرح کے ہیں ۵۱
● بعض امراض قولی ۵۲
● دوسروں کے عیوب کی نحوست ۵۲
● اپنی زبان کو ہمیشہ قابو میں رکھو ۵۳
● لایعنی اور بے جا سوالات ۵۳
● احسانِ جتلانے کا مرض ۵۴
● مرض امتنان کا علاج ۵۴
● کسی کے ذاتی معاملہ میں دخل اندازی کرنا ۵۴
● موقع شناسی، محل شناسی ۵۵
● بعض امراض فعلی ۵۵

● ریا کے خوف سے عمل ترک کرنا ریا ہے ۵۶
● عمل لوجہ اللہ نہ کرنے کا مرض ۵۶
● بعض امراض حالی ۵۷
● حال کا صدق و کذب ۵۷
● ولایت کا درجہ علم حقیقی پر ملتا ہے ۵۸

(۲۰) علماء کرام سے خصوصی خطاب

(مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

● خطبہ کے مضامین کی تشریح ٦١
● مدارس اور خانقاہوں کی حالت زار ٦٢
● ہمارا ماضی کتنا تابناک تھا ٦٢
● دمشق کی کانفرنس میں شرکت اور دیوبند کا خاص رنگ ٦٣
● تاریخ کا پہلا المناک موقع ٦٣
● غفلت کی حد نہیں ٦٤
● حضرت تھانویؒ پر امت کا غم اور بے چینی ٦٤
● استغناء کا خاتمہ اور مولویوں کا نیلام ٦٥
● تعلیم و تدریس کا اصل مقصد فوت ہو گیا ٦٥
● ہم بڑے خسارے میں ہیں ٦٦

● موجودہ حالات میں ہماری ذمہ داریاں ۶۶
● مدارس کا اصل مقصد ۶۷
● فتنوں کی سرکوبی کے لیے ہمارے ذمہ دو کام ۶۷
● مکی زندگی میں افراد سازی ہوئی اور مدنی زندگی میں جماعتی طرز پر کام شروع ہوا ۶۸

(۲۱) انگلینڈ کے علماء سے خطاب

(شہید اسلام حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ)

● علماء کی دو طرح کی ذمہ داریاں ہیں ۷۱
● پہلی ذمہ داری ۷۱
● دوسری ذمہ داری ۷۲
● حضور ﷺ کی قربانیاں ۷۲
● ہم حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں ۷۳
● ذاتی اصلاح کی ضرورت ۷۳
● شتر بے مہار نہیں رہنا چاہیے ۷۴
● پچھلے انبیاء کے ذمہ مخصوص علاقے تھے ۷۴
● علماء عالمی نبی کے نائب ہیں ۷۵
● علماء کے اختلافات ۷۵

● تنظیم کی ضرورت ۷۶

● حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر اعتراض ۷۷

● حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر لشکرِ اسامہ کے بارے میں صحابہؓ کرام کی رائے ۷۷

● حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جوش ایمانی ۷۸

● ہمارے بگاڑ پر امت میں بگاڑ ہے ۷۹

● تم اسلامی تہذیب کے نمائندے ہو ۷۹

● اپنے کسی بڑے کے ماتحت چلنے میں عافیت ہے ۸۰

● ہمارے اکابر کا معمول ۸۱

(۲۲) جواہر الحکم

(شیخ العرب والعجم سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی)

● جن وانس کا مقصد تخلیق ۸۵

● تخصیص جن وانس کی لطیف توجیہ ۸۵

● جن وانس کی شان غلام کی سی ہے ۸۶

● ظاہری سہارے کو نہ چھوڑو ۸۷

● عاشق کی تین قسمیں ۸۷

● بعض بندے عاشق ذاتی وصفاتی ہیں ۸۸

● مخلوق کو دیکھ کر عمل نہ کرنا ریاکاری ہے ۸۸

● عارف کا مقصود رضاء الٰہی ہے ۸۹
● اتفاق کی جڑ تواضع ہے ۸۹
● اپنے نفس سے ہمیشہ سوءظن رکھے ۹۰
● ذکر میں گریہ عارضی حالت ہے ۹۰

(۲۳) مقالاتِ حکمت

(حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ)

● اصول ہشت گانہ ۹۵
● اصل دوم ۹۵
● اصل سوم ۹۶
● اصل چہارم ۹۷
● اصل پنجم ۹۷
● اصل ششم ۹۸
● اصل ہفتم ۹۸
● اصل ہشتم ۹۹
● بعض افادات حضرت نانوتویؒ بروایت حضرت تھانویؒ اہل اللہ کو دنیا عزت سے ملتی ہے ۹۹
● شان استغنا ۹۹

● حضرت نانوتویؒ کی تواضع اور زہد ۱۰۰
● بزرگوں کے رنگ جداگانہ ہیں ۱۰۱
● ناموری کی قیمت پھوٹی کوڑی بھی نہیں ۱۰۱
● اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا ۱۰۲
● قبول عام کی دوصورتیں ۱۰۲
● شہباز عرش ۱۰۳
● امراء کے معاملہ میں غیور ۱۰۳
● اہل بدعت کے ساتھ حضرت کا برتاؤ ۱۰۴
● حضرت نانوتوی کا تقویٰ ۱۰۴
● کسی کو برا کہنے میں احتیاط ۱۰۴
● تین البیلی کتابیں ۱۰۵
● حضرت حاجی صاحب سے محبت ۱۰۵

(۲۴) معارف وحکم

(قطب عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ)

● کسی سے توقع نہ رکھو ۱۰۸
● تحمل سے زیادہ اپنے ذمہ کا نہ لو ۱۰۸
● دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھنا ۱۰۸

- روپیہ واپس فرما دیا ۱۰۹
- قضا اور خطابت میں میراث نہیں ۱۰۹
- تعلق مع اللہ بڑی دولت ہے ۱۱۰
- دین کا عجیب فہم ۱۱۰
- حب جاہ مقبولیت سے مانع ہے ۱۱۱
- پائیدار دوستی کی علامت ۱۱۲
- رضائے حق مقصود ہے ۱۱۲
- بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل بڑا علم ملا ۱۱۳
- مساکین سے محبت ۱۱۴
- کچی دیواروں سے مدرسہ بنالو ۱۱۴
- حضرت گنگوہیؒ کی شان استغناء ۱۱۵
- حضرت گنگوہیؒ کی شانِ تواضع ۱۱۵
- ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں ۱۱۶
- اہل اللہ زیبائش کا اہتمام نہیں کرتے ۱۱۶

(۲۵) علمی جواہر

(عارف باللہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ)

- شغف حدیث کی عجیب برکت ۱۲۰
- حضرت کی تواضع اور کسر نفسی ۱۲۰

● سلطنت میں قوم کا ہر فرد صاحب حکومت سمجھا جاتا ہے ۱۲۱
● انسان بندہ بننے کے لیے ہے ۱۲۱
● انگریزوں کی دو برائیاں ۱۲۱
● تکبر حماقت سے ہوتا ہے ۱۲۱
● اہل اللہ کو مال کے زیادہ ہونے سے بار ہوتا ہے ۱۲۲
● بزرگوں کے رنگ جداگانہ ہیں ۱۲۲
● شرائط زیادہ اور تنخواہ کم ۱۲۳
● اپنے کو کتے سے بدتر سمجھو ۱۲۳
● ایک معنی خیز حکایت ۱۲۴
● دین کا ہر کام کرنے والا ہمارا معاون ہے ۱۲۸
● شیطان کا اصل جرم ۱۲۸

(۲۶) مالٹا کی زندگی میں دو سبق

(شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا قدس سرہٗ)

● علما کے بڑے مجمع سے خطاب ۱۳۱
● دو اہم سبق ۱۳۱
● ذلت وخواری کے دو سبب ۱۳۲
● استاذ العلماء کا عزم ۱۳۲
● نباض امت کی تشخیص ۱۳۳

● دیگر افادات حضرت شیخ الہندؒ بروایت حضرت تھانویؒ اہل مدارس کے لیے چندہ جمع کرنے کا طریقہ ۱۳۴
● جیل میں رونے کا سبب ۱۳۴
● مقبول و مستقیم راستہ ۱۳۶
● مذہبی احکام میں ذراسی ترمیم ہرگز گوارہ نہیں ۱۳۶
● جان کر عمل نہ کرنا زیادہ سخت ہے ۱۳۷
● جےئ وغیرہ نعرہ شعار کفر ہے ۱۳۷

(۲۷) مسلمانوں کی موجودہ پستی کا اصل سبب

(بانی تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس کاندھلوی نوراللہ مرقدہ)

● علماء حجاز سے ایک سوال ۱۴۱
● کیا ذلت وخواری کا سبب مال کی کمی ہے؟ ۱۴۳
● کیا ذلت خواری کا سبب تنظیم کا فقدان ہے؟ ۱۴۴
● مسلمانوں کے پستی میں پڑنے کی اصل وجہ ۱۴۴
● علمائے حجاز پر رقت طاری ہوگئی ۱۴۵
● ایمانی طاقت پر آسانی سے سمندر پار کرلیا ۱۴۶
● علمائے حجاز سے سوال ۱۴۷

(۲۸) دعوت کے چار مرحلے

(داعی کبیر حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ)

● علوم الٰہیہ اور علوم انسانیہ ۱۵۱

● بدر میں علوم الٰہیہ والوں پر اللہ کی مدد ۱۵۲
● علوم الٰہیہ کا اثر کب ظاہر ہوتا ہے ۱۵۲
● صحابہ کرام کے اندر کا وجدان ۱۵۳
● آپ ﷺ نے کلمہ کی دعوت سے کام شروع کیا ۱۵۳
● نہ اترانا ہے نہ گھبرانا ہے ۱۵۴
● اکرام سے اجتماعیت پیدا ہوگی ۱۵۵
● اللہ کے خزانوں سے لینے کا راستہ ۱۵۵
● نماز میں وہ طاقت نہیں رہی ۱۵۶
● نماز میں طاقت پانچ باتوں سے آئے گی ۱۵۷
● لوگوں کے ساتھ اخلاقی برتاؤ ۱۵۷
● علوم انسانیہ کا غلبہ علوم الٰہیہ پر ۱۵۸
● علوم الٰہیہ والے مطمئن ہوتے ہیں ۱۵۹
● صلح حدیبیہ کی حکمت عملی ۱۶۰
● صلح حدیبیہ کے زبردست اثرات ۱۶۱
● شیطان آپس میں بھڑکائے گا ۱۶۱
● ہدایت کا بیج ہر انسان کے دل میں ڈالا گیا ہے ۱۶۳
● دین کے درخت کی حفاظت ضروری ہے ۱۶۳
● اپنے بارے میں بدظنی اور دوسروں کے ساتھ حسن ظن ۱۶۴

● آج کے دور میں مدارس علیٰ قدر الکفایہ نہیں ہے ۱۶۵
● حضور ﷺ کے زمانے میں طریقۂ تعلیم ۱۶۶
● دعوت کے چار مرحلے ہیں ۱۶۶
● اہل باطل کی تیسری قسم ۱۶۷
● غیبی مدد کب آئیگی؟ ۱۶۸
● اعمال ایمانیہ دو قسم کے ہیں ۱۶۸
● دعوت صفات ایمانیہ پیدا ہوں گی ۱۶۹
● عبرت آموز نمونہ ۱۷۰
● غیبی مدد لانے والی تین باتیں ۱۷۱
● مکڑی جالا تنتی ہے ویران گھر میں ۱۷۲
● ایک جھاڑو سے سارے جالے صاف ۱۷۳
● اللہ کی طاقت کے سامنے اونٹ اور راکٹ برابر ہیں ۱۷۳
● تیسرا مرحلہ اظہارِ نصرت ۱۷۵
● آگ اور پانی کی مثال ۱۷۵
● ہر زمانہ میں باطل کوڑے کباڑے کی طرح صاف ہوا ۱۷۶
● انفرادی طور پر اللہ کی مدد آج بھی ہے ۱۷۷
● دجال اور یاجوج ماجوج بھی کوڑے کباڑے کی طرح صاف ہوں گے ۱۷۷
● اگلی سنادی پچھلی سنادی ۱۷۸

(۲۹) علماء دیوبند کا مسلک ومشرب
(امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ)

● آج کی تقریب کا پس منظر ۱۸۲
● اکابر دیوبند کا نقطۂ نظر ۱۸۳
● سوانحی خدوخال ۱۸۴
● باکمال استاذ کا تاریخی مقولہ ۱۸۵
● ہندوستان کی زبوں حالی اور نکبت وذلت کے تہ بہ تہ بادل ۱۸۵
● تجدیدی کوششوں کا آغاز اور اس کے دوائر ۱۸۶
● وجوب کفارہ کے اصل سبب میں ائمہ کا اختلاف ۱۸۹
● تنقیح مناط کی دوسری مثال ۱۹۰
● آمدم برسر مطلب ۱۹۱
● مجتہد فیہ مسائل سے مراد ۱۹۱
● اولاد واحفاد اور ولی اللہی شاہ کار کی حفاظت وصیانت ۱۹۲
● دیوبند کا مکتبِ فکر ۱۹۳
● حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کی خدمات ۱۹۳
● دارالعلوم کی خدمات کا دائرۂ کار ۱۹۴
● طریق تعلیم اور اغراض ومقاصد ۱۹۵
● ائمہ اربعہ کے چار مشہور اصول ۱۹۶

- ائمۂ حدیث اور اُن کے نقاط نظر ۱۹۷
- اکابر دار العلوم کی وسیع المشربی ۱۹۸
- مقصد کی بعض مثالوں سے وضاحت ۱۹۸
- مزید وضاحت کے لیے دوسری مثال ۱۹۹
- اس مختلف فیہ بحث میں اکابر دار العلوم کی توجیہ ۲۰۱
- لوگوں نے رفع یدین اور آمین بالجہر میں کتنا تشدد کھڑا کیا ہے ۲۰۲
- علماء دیوبند کا طریق کار تشدد وافراط وتفریط سے محفوظ ہے ۲۰۳
- حضرت شیخ الہندؒ کا منصب جلیل ۲۰۳

(۳۰) فلسفۂ علم

(حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ)

- اظہار تشکر ۲۰۸
- طلب علم طبعی جذبہ ہے ۲۰۸
- انسان میں طلب علم کی آلات جن کو نمایاں تر رکھا گیا ہے ۲۱۰
- قوت لامسہ بلید قوت ہے ۲۱۱
- اعضائے علم کی اعضائے عمل پر فضیلت ۲۱۲
- چہرہ علماء کی بستی ہے ۲۱۳
- علم کی عزت استغناء میں ہے ۲۱۳
- اس زمانے کے رئیس بھی غیرت دار تھے ۲۱۶

- دنیا استغناء اور توکل سے ملتی ہے ۲۱۷
- دار العلوم کا قیام کس شان سے ہوا؟ ۲۱۸
- مال عزت سے بھی ملتا ہے ذلت سے بھی ۲۱۹
- رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے بندہ پر نہیں ۲۲۰
- خانقاہ گنگوہ کی اینٹ اینٹ سے اللہ اللہ کی آواز ۲۲۰
- خدا مخالف کے دل میں بھی محبت ڈال دے گا ۲۲۱
- علم کی ناقدری کرنے والے سے اسلام کا شرف بھی چھن سکتا ہے ۲۲۲
- دنیا استعمال کی چیز محبت کی چیز نہیں ۲۲۳
- اعضائے عمل اعضائے دولت سے افضل اور نمایاں ہیں ۲۲۴
- اعضائے دولت کی حقیقت اور ان کو مخفی رکھنے کی حکمت ۲۲۴
- جسم میں تین قسم کے اعضاء ۲۲۵
- ''علم'' اللہ کی اور ''مال'' معدے کی صفت ہے ۲۲۶
- عقل کا کھوٹ اور ناشکرہ پن ۲۲۶
- دو چیزوں نے ایک چھاتی سے دودھ پیا ہے ۲۲۷
- طالب علم آلاتِ خداوندی ہیں ۲۲۸
- اشاعتِ قرآن بغیر وسائل زیادہ ہوتی ہے ۲۲۹
- احسان ہمارا نہیں بل کہ اللہ کا ہم پر ہے ۲۳۰
- قلب: علم حسیہ اور غیبیہ دونوں کا مدرک ہے ۲۳۱

● اصل عالم اعضاء نہیں قلب ہے ۲۳۲
● قلب ''صفتِ کن'' کا بھی حامل ہے ۲۳۳
● فساد کے سد باب کے لیے ضروری ہے کہ علمائے محسوسات تابع ہوں علمائے مغیبات کے ۲۳۴
● علوم محسوسات کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا علم دین کو بٹا لگانا ہے ۲۳۴
● اہل علم کی اصلاح کے بغیر عوام الناس کی اصلاح ممکن نہیں ۲۳۵
● آپ گر گئے تو تو ساری قوم گر جائے گی ۲۳۶
● توکل علی اللہ سے ہر چیز ملتی ہے ۲۳۷
● علم مع العبدیت کا خاصہ ارتقاء ہے ۲۳۸
● علم بلا عبدیت اور عبدیت بلا علم کا نتیجہ ۲۳۹
● یہود علمی فتنے میں مبتلا ہوئے ۲۴۰
● نصاریٰ گویا بدعتی امت ہے ۲۴۱
● امت محمدیہ یہود کے نقش قدم پر ۲۴۲
● امت محمدیہ نصاریٰ کے نقش قدم پر ۲۴۲
● اہل حق کی پہچان ۲۴۳
● تھوڑا علم ''عبدیت'' کے ساتھ دوگنا اور مقبول ہو جاتا ہے ۲۴۴
● مقربین کی لغزش بھی ہزاروں برکات کا پیش خیمہ ہوتی ہے ۲۴۵
● اسبابِ مقبولیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے ۲۴۵

● ہم خاکی النسل ہیں تو خاک بن کر رہیں ۲۴۶
● اہل علم اوران کی ذمہ داریاں ۲۴۷
● خدارا آپ اپنے مقام کو پہچانیں ۲۴۸
● اس مقام کا حق یہ ہے کہ علم کی عظمت اور یقین پیدا ہو ۲۴۹
● حضرت حکیم الاسلام اوران کے شیخ علامہ کشمیری کی غایت درجہ تواضع اور کسر نفسی ۲۵۰
● علامہ کشمیری کا مقولہ ۲۵۰

(۳۱) آزادئ ہند اور علماء دیو بند

(فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ)

● شاہ ولی اللہ کی خدمات اور ان کا صلہ ۲۵۴
● آزادئ ہند کا سنگ بنیاد ۲۵۵
● پہلا جہادِ آزادی ۲۵۵
● دوسرا جہادِ آزادی ۲۵۵
● قیام دارالعلوم کا پس منظر ۲۵۶
● چرچ تحریک اوراس کی ناکامی ۲۵۶
● پنڈت راتوں رات بھاگ گیا ۲۵۸
● ردعیسائیت میں بے مثال کتاب ۲۵۸
● جہادِ آزادئ ہند کا تیسرا مرحلہ ۲۵۹
● حضرت شیخ الہند کا سفر حجاز ۲۵۹

- حضرت شیخ الہند کی گرفتاری ۲۶۰
- حضرت مدنی کی اپنے شیخ پر فدائیت ۲۶۰
- شیخ الاسلام حضرت مدنی کی گرفتاری ۲۶۱
- مالٹا کی نظر بندی ۲۶۱
- ہندوستان رونگی اور انگریز کا دامِ فریب ۲۶۲
- بھاولپور کے وزیر کی ہمدردی اور شیخ الہند کا جواب ۲۶۳
- خلافت ہاؤس میں آئندہ لائحہ عمل کے لیے مشورہ ۲۶۴
- آزادی ہند کے لیے مسلمانوں کے فنڈ کا خرچ ۲۶۵
- کانگریس پر قبضہ اور اس کی تطہیر ۲۶۶
- جمعیت علما کی حیثیت ۲۶۶
- آج کے ہندوستان میں مسلمان کی پوزیشن ۲۶۷
- آزادی مسلمان کی مرہونِ منت ہے ۲۶۸
- تحفظ اسلام کے سلسلہ میں جمعیت علماء کا کردار ۲۶۹
- سرکاری زکوٰۃ مدارس کے لیے آگ کا کھیل ۲۷۰
- وزیر تعلیم سے معاونت قبول کرنے سے معذرت ۲۷۱
- صدر ہند سے مالی معاونت قبول کرنے سے معذرت ۲۷۱
- فیملی پلاننگ پر اندرا سے اختلاف ۲۷۳
- ہمارا نقطہ نظر ۲۷۴

● مجاہدانہ زندگی اختیار کرنے کی ضروت.......... ۲۷۵
● تعیش وتنعم نے یہ دن دکھائے ہیں.......... ۲۷۵

(۳۲) منصب نبوت کی ذمہ داریاں

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب نور اللہ مرقدہٗ

● اہل اللہ کے قدموں کے اثرات.......... ۲۷۹
● نوے لاکھ افراد مشرف باسلام.......... ۲۷۹
● اہل اللہ کی آمد خیر وبرکت کا سبب بنے گی.......... ۲۸۰
● سرکار ﷺ کی زندگی کا اجمالی نقشہ.......... ۲۸۱
● اپنے چراغ کو روشن کرلو.......... ۲۸۱
● ملک چین میں ایمان کی روشنی.......... ۲۸۲
● ہر ایک کی ذمہ داری.......... ۲۸۲
● ایک واقعہ.......... ۲۸۲
● یہ بھی تو ایک تبلیغ ہے.......... ۲۸۳
● نبی کریم ﷺ کے خلق عظیم.......... ۲۸۳
● منصب نبوت کی چار ذمہ داریاں.......... ۲۸۴
● اہل جوگواڑ کو مبارکبادی.......... ۲۸۵
● علم کا درجہ مقدم ہے.......... ۲۸۵

❊❊❊　❊❊❊

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاہودری دامت برکاتہم
رئیس الجامعہ دارالعلوم، ترکیسر، گجرات

قال اللہ تبارک وتعالی " وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ " اللہ تعالی فرماتے ہیں، یاددہانی کرتے رہے، یاددہانی کرنا مؤمنین کو نفع دیتا ہے، اس لیے ہر دور میں علمائے امت نے تذکیر کا فریضہ ادا کیا ہے، کوئی وعظ وارشاد کے ذریعہ اس فریضہ کو ادا کرتا ہے تو کوئی تحریر کو وسیلہ بناتا ہے۔

دور نبوت سے جتنا بعد ہورہا ہے امت میں اعمال میں کوتاہیاں بڑھ رہی ہیں مگر اس دور آخر میں بھی علماء ربانیین برابر اصلاح کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک مجددین اور مصلحین کا سلسلہ جاری رہے گا۔

مولانا حفظ الرحمن صاحب پالن پوری قاسمی مدظلہ کو اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے امت کے ہر طبقہ کے لیے بہت مفید مضامین ہمارے اکابرین اور علمائے راسخین کی کتابوں سے جمع کر کے شائع کرنے کا ارادہ کرلیا ہے،

بندہ نے اس کے عنوانات پر نظر ڈالی تو اس کو بہت مفید پایا، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور امت کے ہر فرد کو اس سے استفادہ کرنے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

انسان کو اپنی اصلاح کے لیے یا تو بزرگوں کی صحبت سے فائدہ ہوتا ہے یا ان کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔ مولانا موصوف کی یہ کتابیں ’’خطبات سلف‘‘ اصلاح امت کے لیے بہت مفید ہوں گی، اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت فرمائے۔

فقط والسلام
احقر عبداللہ غفرلہ
۱۴/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ

تقریظ

نمونہ اسلاف حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تبارک تعالی نے انسان کو جن مختلف کمالات سے نوازا ہے، ان میں سے ایک بیان اخطاب کی صلاحیت بھی ہے کہ وہ عمدہ اور دل نشیں پیرایہ میں اپنے مافی الضمیر کو مخاطبین کے پیش کرنا ہے، اللہ تبارک تعالی نبی کریم ﷺ کو جن خصوصیات اور امتیازات سے نوازا تھا ان میں سے ایک جوامع الکلم بھی ہے یعنی الفاظ کم ہوں اور اس معانی اور مدلولات زیادہ ہوں، حضور اکرم ﷺ کی اس خصوصیت اور امتیاز کا کچھ حصہ آپ ﷺ کے صدقہ اور طفیل میں آپ کے علوم کے وارثین حضرات علماء کو بھی دیا گیا ہے جس کے ذریعہ علماء کا یہ طبقہ ہر زمانہ میں امت کی اصلاح وتربیت کا فریضہ انجام دیتا رہا ہے، ہم جس دور سے گذر رہے ہیں اس میں علماء سابقین کی مختلف علمی واصلاحی خدمات کو منقح اور مرتب کرنے کا ایک مستقل سلسلہ جاری ہے، چنانچہ علمائے سابقین کے اس علمی ذخیرہ کو دور حاضر کے علماء مختلف عنوانات کے ماتحت ترتیب دے کر امت کے سامنے پیش کررہے ہیں، جس کا مقصد ایک ہی موضوع پر مختلف اکابر علماء ومشائخ کے افادات یکجا طور پر قارئین کی خدمت میں پیش کرنا

ہے۔اسی نوع کا ایک سلسلہ حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پالن پوری زید مجدہم نے شروع کیا ہے جس میں ’’خطبات سلف‘‘ کے عنوان سے مختلف موضوعات پر اکابر واسلاف امت کے خطابات کو پیش کیا جارہا ہے، چنانچہ اس وقت ہمارے سامنے اس زیر ترتیب کتاب کی چار جلدیں ہیں، جن میں سے دوجلدوں میں علماء کرام کو مخاطب بناکر دئے گئے خطبات کو جمع کیا گیا ہے اور دوسری دوجلدوں میں طلبائے کرام کو مخاطب بناکر دئے گئے خطبات کو جمع کیا گیا ہے، بہرحال اپنے موضوع پر ایک اچھوتے انداز میں کی گئی یہ علمی کاوش قابل مبارک باد ہے اور حضرات علماء وطلباء کے لیے خاصہ کی چیز ہے، دعا کرتا ہوں اللہ تعالی مولانا موصوف کی اس سعی جمیل کو حسن قبول عطافرمائے اور پڑھنے والوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔فقط

أملاہ: احمد خانپوری

۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان.....(۱۷)

دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات	تھی سراپا دین ودنیاں کا سبق تیری حیات

علماء کی زندگی

(افادات)

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی قدس سرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

جس طرح مال سے طغیان آتا ہے، اسی طرح علم سے بھی آتا ہے بل کہ عبادت اور حال سے بھی آدمی طغیان میں مبتلا ہوتا ہے اور یہ بہت ہی خطرناک ہے۔

میرے نزدیک بڑا طغیان یہ ہے کہ ان نعمتوں کو خواہ مال ہو یا علم وحال اپنے ذاتی کسب کا ذریعہ سمجھے، اور اس کو اللہ تعالی کے فضل وکرم سے عطیۂ خداوندی نہ سمجھے۔

اس مال وعلم کے طغیان کو ختم کرنے کے لیے تقوی اور اللہ کا خوف لازم وضروری ہے، اگر یہ نہیں تو پھر اعتدال پر رہ نہیں سکتا۔

پیراگراف ازافادات

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

قرآن نے انسان کو خود اس کی معرفت کرائی ہے

حضرت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے قرآن پاک میں اپنی معرفت کرائی ہے ایسے ہی انسان کو اس کی ذات کی معرفت کرائی ہے، اس کی ابتدا اور آفرینش اور اس کے انجام کو بار بار یاد فرمایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (سورۂ یسین: ۷۷ تا ۷۸)

ترجمہ: کیا آدمی کو معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو ایک حقیر نطفہ سے پیدا کیا سو علانیہ اعتراض کرنے لگا۔

کبھی کبھی اکبر حسین الٰہ آبادی کے یہ اشعار سناتے تھے:

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

قرآن پاک کی بہت سی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ انسان اپنی حقیقت کو سمجھے اور مستحضر رکھے، اسی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوگی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

چنانچہ جو شخص جس قدر اپنے نفس وذات کے سراپا عجز ونقص اور جہالت وضلالت کے مجسمہ ہونے کو پہچان لے گا وہی اللہ تعالی کی صفات عالیہ وکمالیہ مثلاً قدرت،عزت،اور علم وحکمت کی معرفت بقدر امکان واستعداد حاصل کرسکتا ہے۔

علم پر بصیرت تامہ ہو

فرمایا فیض القدیر شرح جامع الصغیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ عالم کا اعتماد علوم میں اپنی خداداد بصیرت اور ذاتی فہم نیز اپنے صفائے قلب پر ہونا چاہیے نہ کہ صحف وکتب پر یا دوسروں سے سنے ہوئے مضامین یا غیروں سے نقل کی ہوئی باتوں پر، کیوں کہ اگر اس کے اندر خود فہم وبصیرت اور صفائے قلب وغیرہ امور تو نہ ہوئے اور اس نے محض دوسروں کی کہی اور صرف دوسروں سے سنی ہوئی باتوں کو حفظ کرنے پر اکتفا کرلیا تو اسے علم کا ایک برتن تو کہا جاسکتا ہے، عالم نہیں۔(فیض القدیر ا۔۳)

اس لیے عالم کے لیے ضروری ہے کہ جہاں حق تعالی سے فہم وبصیرت طلب کرے وہیں اپنے اندر صفائی قلب وباطن بھی پیدا کرنے کا اہتمام رکھے۔

کبر وعار مانع کمالات ہے

فرمایا کہ اب اتنے دنوں کے بعد اس بڑھاپے میں جب کہ کسی چیز کی تحصیل کا وقت باقی نہ رہا یہ بات سمجھ میں آئی کہ انسان کو کمال کی تحصیل سے جو چیز مانع ہوتی ہے وہ اس کا تکبر وعار ہے: ہر کجا پستی ست آب آنجا رود۔

پس حضرات اہل علم کو خصوصاً اس جانب متوجہ کرتا ہوں کہ آج جو کمال حاصل

نہیں ہورہا ہے تو اس کی وجہ یہی عار وتکبر ہے، چنانچہ جن حضرات کو کمال حاصل ہوا ہے، اپنے کو مٹانے اور کسی کامل کے سامنے اپنے کو جھکانے ہی سے حاصل ہوا ہے۔

تواضع ام الکمالات ہے

فرماتے تھے کہا خلاق میں سب سے بڑا خلق تواضع ہے اور خلق خدا کے ساتھ رفق ولین کا معاملہ ہے۔اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کو منجملہ اسباب تیسیر علی الامۃ کے فرمایا ہے چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں باب تیسیر کے شروع میں اس آیت کو نقل فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظّاً غَلِيظَ الْقَلْبِ لاَنفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ ترجمہ: یہ کچھ اللہ کی رحمت ہی تھی جو آپ ان کے لیے نرم ہوئے، اگر آپ تند خو اور سخت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کام کرنے والوں کو امت کے ساتھ رفق ولین ہی کا معاملہ کرنا چاہیے۔تا کہ ان کے قریب لوگ جمع ہوں اور منتفع ہوں۔

حسن نظم کے لیے حسن خلق کی ضرورت

فرماتے تھے کہ حسن نظم کتنی عمدہ چیز ہے مگر اس کا وجود بھی حسن خلق ہی سے ہوگا اگر خالی ضابطہ کا معاملہ ہوگا رابطہ کا نہیں تو کام بہت جلد خراب ہوجائے گا، اس لیے کہ کوئی ایسے شخص سے مطمئن نہ ہوگا، اور نہ صحیح معنوں میں ہمدرد وخیر خواہ ہوگا، تو ایسی صورت میں کام کیسے چل سکتا ہے؟

اخلاص کے ساتھ اخلاق کی ضرورت

فرماتے تھے کہ کام میں اخلاص کی ضرورت تو مسلم ہے اس لیے کہ کتاب

وسنت سے ثابت ہے مگر اس کے ساتھ اخلاق کی بھی ضرورت ہے، محض اخلاص کافی نہیں ہے اس لیے کہ اخلاق ہی سے باہم اتفاق پیدا ہوتا ہے، ورنہ تو اختلاف پیدا ہوجاتا ہے جس سے کام بگڑ جاتا ہے۔

آپس کا اختلاف خرابی کی جڑ ہے

فرماتے تھے کہ آج کل مسلمانوں کا کام اس لیے خراب ہے کہ مل جل کر کام نہیں کرتے، کوئی کام شروع کرتا ہے تو اس کی اعانت نہیں کرتے بل کہ خلوص کے نہ ہونے کی وجہ سے رکاوٹ ڈالتے ہیں، اور حسد کی ودجہ سے کام کرنے والوں کے درپئے آزار ہوجاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کام چاہے رک جائے مگر ہمارے غیر کا نام نہ ہونے پائے، کام چاہتے ہیں مگر اپنے ذریعہ سے، اگر دوسرے سے وہی کام ہونے لگے تو ناگوار ہوتا ہے، پس یہ تو اخلاص کے منافی ہے۔

حضرت کی دو نصیحتیں

تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آج کل لڑائیاں سب اقتدار ومناصب کے تحصیل کی ہیں اور اس کے لیے اہل ونا اہل کی بھی تمیز باقی نہیں رہ گئی ہے، یہ ظاہر ہے کہ کس قدر برا ہے۔

ویسے بھی اقتدار ومنصب کی تحصیل قابل مذمت امر، خاص کر اس وقت کہ ای/ اہلیت ونا اہلیت کا سوال بھی باقی نہ رہ جائے۔ اس لیے میں اپنے تمام متعلقین سے نصیحت کے طور پر کہتا ہوں کہ اس میں کبھی نہ پڑیں، اس کو دین اور دنیا کے لیے سخت مضر سمجھیں اور اس باب میں کسی سے نزاع نہ کریں، دینی جگھوں میں اس قسم کے تذکرے بھی نہ ہونے چاہئیں کہ سدّ باب فتنہ ہے۔

اگر عام مسلمان بھی میرے اس مشورہ کو پسند کریں تو وہ بھی اس پر عمل کریں:

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است	بادو ستاں تلطف با دشمناں مداوا

دوسری نصیحت

ایک اور بات نصیحت کے طور پر عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ امام عبدالرحمن علی جوزیؒ اپنی کتاب الاذکیاء میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے جو چیزیں انسان کو بخشی ہیں ان میں سب سے بڑی چیز عقل ہے کیوں کہ اللہ تعالی کی معرفت کی تحصیل میں یہی آلہ ہے اسی سے دین و دنیا کی مصالح کا انضباط ہوتا ہے، اور اسی سے آدمی انجام کار پر نظر رکھتا ہے، اور غامض چیزوں کا ادراک اسی سے کیا جاتا ہے اور فضائل کا قصد اور اس کا اجتماع اسی سے کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ اہل اللہ صاحب جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بھائی ہیں اپنے رسالہ چہار باب میں فرماتے ہیں:

نصیحت: عقل وکیاست وفہم وفراست ہر چند امر جبلی است ما بکثرت تجربہ وصحبت عقلاء وکسب علوم عقلیہ واستماع قصص ونصائح می افزاید پس باید کہ چناں کوشند کہ ہر روز قوی عقلیہ خود را قوی باید گردد وخود را بہ تکلف وفکر از عقلاء باید گردانید ودر زمرۂ سفہاء نہ گذارند (چہار باب)

ترجمہ: عقل اور ہوشمندی، سمجھ اور دور اندیشی اگر چہ فطری اور پیدائشی چیزیں ہیں تاہم زیادتی تجربہ اور عقلمندوں کے ساتھ رہنے اور علوم عقلیہ کے حاصل کرنے اور قصوں اور نصیحتوں کے سننے سے ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

لہذا ایسی کوشش کرنی چاہیے کہ روز بروز اپنی قوت عقلیہ قوی ہوتی رہے بل کہ اپنے آپ کو کوشش اور فکر کر کے عقلمندوں میں داخل کرنا چاہیے اور بے وقوفوں کے

زمرہ میں نہ رہنے دینا چاہیے۔

جب عقل اتنی بڑی چیز ہے تو اس سے کام لینا چاہیے، اس کو مہمل نہ رکھنا چاہیے، میں کہتا ہوں کہ اس سے کام نہیں لیا جاتا، اس لیے دین و دنیا دونوں برباد ہیں، ہماری قوت فکریہ بالکل معطل ہے، خاص کر نیک لوگوں کو اس سے غافل پاتا ہوں۔

فساد کا بنیادی سبب

فرماتے تھے کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ آج ہمارے دینی مراکز میں فساد کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ متبرک مقامات اور اصلاحی جگہوں میں ایسے لوگ داخل ہو گئے ہیں جنہوں نے اپنے نفس کی ذرا اصلاح نہیں کی ہے اور نہ اس کی فکر ہے بل کہ اس کی ضرورت بھی تسلیم نہیں ہے۔

بڑے سے بڑے علماء اپنی اصلاح کی غرض سے اہل اللہ کے پاس جاتے تھے اور مدت تک ان کی خدمت میں رہتے تھے تب کہیں جا کر نفس کی اصلاح ہوتی تھی، پھر یہ لوگ دین کا کام کرتے تھے تو کام ہوتا تھا، اب یہ بات نہ رہی ..... بزرگوں سے تعلق بھی اگر ہے تو محض رسماً اس سے بھلا کیسے اصلاح ہوگی؟!

اسی لیے دیکھ رہا ہوں کہ اہل مدارس بھی اپنی اصلاح نہیں کرتے بل ہر وقت اپنے نفس کے گھوڑے پر سوار ہیں تو پھر وہاں کیا خیر و برکت ہوگی؟ کیا اصلاح و تربیت ہوگی؟ اسی لیے ایسی جگہوں میں بھی فساد ہی فساد نظر آ رہا ہے، العیاذ باللہ۔

فساد کی حقیقت

فرماتے تھے کہ جو جگہ جس کام کے لیے موضوع ہے اس جگہ اگر وہ کام نہ ہو رہا ہو تو وہ جگہ فاسد سمجھی جائے گی۔ مدارس میں دین کی صحیح تعلیم نہ ہو تو مدارس فاسد، اور خانقاہوں

میں اصلاح وتربیت کا کام نہ ہو تو خانقاہیں فاسد، غرض دینی مراکز سے علم وعمل، دین ودیانت، تقوی وطہارت کا اہتمام ختم ہو جائے تو یہی ان جگہوں کا فساد ہے۔

نفس کی اصلاح ابھی کرلو

کبھی فرماتے تھے کہ سنتے جاؤ، اپنے نفس کی اصلاح کرلو تو عزت سے رہو گے ورنہ تو ہر جگہ ذلیل وخوار رہو گے۔ اگر اس وقت اصلاح نہ ہوگی تو بعد میں جب نفس کا مقابلہ ہوگا تو وہ تم پر غالب آجائے گا، اور تمہارا سب علم دھرا رہ جائے گا، کچھ بھی کام نہ آئے گا، اگر نفس کا تحفہ لے کر خدا کے یہاں جاؤ گے تو قبول نہ ہوگا۔

انسان کا سب سے بڑا دشمن

فرماتے تھے کہ حدیث پاک میں ہے: اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ: یعنی تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلو میں ہے۔

مگر ہم لوگ اسی سے مطمئن ہیں، حالاں کہ اسی سے سب فتنہ ہے، جب یہ بگڑتا ہے تو سارے عالم میں فتنہ پھیل جاتا ہے، اس لیے سب فتنوں کی اصل یہی فتنہ نفس ہے۔ مگر ہمارا یہ حال ہے کہ اسی سے ہماری دوستی ہے، اس کی وجہ سے دنیا میں خواہ کتنی ہی تباہی اور ذلت ورسوائی ہو..... اور آخرت میں کتنا ہی عذاب ہو مگر اس کی دوستی کو ہم چھوڑنا نہیں چاہتے ۔ اور زبان حال سے کہتے ہیں کہ ہم تم کو نہیں چھوڑیں گے خواہ اللہ ورسول چھوٹ جائیں۔

نفاق سکۂ رائج الوقت ہے

فرماتے تھے کہ اس زمانے میں نفاق سکۂ رائج الوقت ہے، دل میں بداعتقادی اور زبان پر اعتقاد یہ عام بات ہوگئی ہے۔

منہ پر ہنس ہنس کر دیکھنا اور دل میں بغض و کینہ رکھنا اہل زمانہ کا شعار ہو گیا ہے اس کو ہوشیاری اور ہنر مندی سمجھا جاتا ہے، بل کہ اس زمانے کی یہی سیاست ہے اور اس کو کمال عقلمندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مگر سن لیجیے اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے، یہ تو کفار و منافقین کا شیوہ و شعار ہے جس سے مسلمانوں کو بچنا لازم وضروری ہے۔

دینی کاموں میں ریا کاری

فرماتے تھے کہ دین کا کام بھی لوگوں کی رضا کے لیے جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں حالاں کہ اگر انہیں لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہماری خوشنودی کے لیے یہ کام کر رہے ہیں تو بدعقیدہ ہو جائیں، پس نہ ادھر کے رہیں نہ ادھر کے:

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم	نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

تو پھر کیوں نہ اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لیے کام کریں، اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا تو یقیناً نصیب ہوگی اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو بھی راضی کر دیں گے۔

باہمی نزاعات کی وجہ

فرماتے تھے کہ آج کل باہم نزاعات ہیں اس کی بڑی وجہ ایک دوسرے سے توقعات اور امیدوں کی وابستگی ہے، اس لیے کہ جب مخلوق سے کوئی امید اور توقع نہ رکھے تو پھر جھگڑا کیسا؟

مگر آج کل معاملہ یہ ہے کہ بھائی بھائی کے مال پر، دوست دوست کے مال پر پڑوسی پڑوسی کے مال پر نظر رکھتا ہے، اور امید وابستہ کر لیتا ہے۔ پس جب وہ امید پوری نہیں ہوتی تو اس کے دل میں اس کی طرف سے کبیدگی اور رنجش پیدا ہو جاتی ہے پھر اس کا اظہار زبان سے بھی ہونے لگتا ہے اور نزاع بڑھ جاتا ہے۔

علم وحال میں بھی طغیان ہے

فرماتے تھے کہ جس طرح مال سے طغیان آتا ہے اسی طرح علم سے بھی آتا ہے، بل کہ عبادت اور حال سے بھی آدمی طغیان میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور یہ بہت ہی خطرناک ہے۔

اور میرے نزدیک بڑا طغیان یہ ہے کہ ان نعمتوں کو خواہ مال ہو یا علم وحال ہو اپنے ذاتی کسب کا ذریعہ سمجھے، اوراس کو اللہ تعالی کے فضل وکرم سے عطیۂ خداوندی نہ سمجھے۔

اس مال وعلم کے طغیان کو ختم کرنے کے لیے تقوی اور اللہ کا خوف لازم وضروری ہے، اگر یہ نہیں تو پھر اعتدال پر رہ نہیں سکتا۔

الاستقامۃ فوق الکرامۃ

فرماتے تھے کہ کرامت فعل ہے اللہ تعالی کا بندوں کے ہاتھ پر، اور استقامت فعل وصفت ہے بندے کی، پس استقامت تو بندے کا عمل اور کمال ہے اور کرامت اللہ تعالی کا فعل اور فضل واحسان ہے۔

مگر بزرگوں نے یہ خوب فرمایا ہے کہ ’’ اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ ‘‘ یعنی استقامت علی الاعمال کرامت سے بڑھ کر ہے، اس لیے کہ استقامت تو اللہ تعالی کی مراد ومطلوب ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلاَ تَطْغَوْاْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (سورۂ ہود: ۱۱۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جیسا امر ہوا اس کے مطابق استقامت اختیار کیجیے اور کرامت کا طالب ہمارا نفس ہے جو مخلوق ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کی مراد اعلی وارفع ہوگی ہمارے مطلوب ومقصود سے، خوب سمجھ لو۔

بشریت کی راہ سے ترقی

فرماتے تھے کہ ہم بشر ہیں اور جملہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بشر تھے اور خود نبی کریم ﷺ بشر تھے۔ لہذا ہماری ایمانی ترقیات اور عند اللہ قرب وقبول کا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام اسی بشریت میں رہتے ہوئے حاصل ہوگا۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بشری وطبعی مقتضیات کے وقت جو جو تعلیمات دی ہیں ان پر عمل پیرا ہوں، مثلاً کھانے، پینے، سونے، جاگنے وغیرہ ہر وقت کی سنت کا لحاظ کریں تو یہ اعمال عادیہ بہ منزلہ ذکر کے ہوجائیں گے اور اس سے ہم ہر آن ترقی کرتے چلے جائیں گے اور اللہ تعالی سے قریب ہوتے جائیں گے۔

جو لوگ بھی مقرب عند اللہ ہوئے ہیں بل کہ فرشتوں سے بڑھ گئے ہیں انہی سنتوں کی پیروی و پابندی کا ثمرہ ہے، اگر آج بھی ان پر عمل کیا جائے تو اب بھی ترقی ہو اور بلا سخت مجاہدہ وریاضت کے واصل ہوجائیں، مگر اس کے لیے سنتوں کو یاد کرنا ہوگا اور وقت پر اس کو مستحضر رکھنا ہوگا تب تو عمل ہو سکے گا، اتنی محنت تو ضرور کرنی ہوگی۔

اخلاقی گراوٹ کی انتہا

فرماتے تھے کہ آج کل لوگوں کا حال یہ ہے کہ عبادات کے اعتبار سے تو جنید وشبلی معلوم ہوتے ہیں، مگر اخلاق ومعاملات پر نظر کیجیے تو فرعون سے کم نہیں ہیں، یعنی تکبر وانانیت میں مبتلا ہیں، بھلا ایسے لوگ آگے کیسے ترقی کر سکتے ہیں؟ اور کمال تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ اس لیے کہ کمال تک پہنچنے کے لیے تو اپنے نقص کا علم ومعرفت ضروری ہے، اور جب کامل ہونے سے پہلے ہی اپنے کو کامل سمجھ لیا تو پھر تو وہ گر گیا کمال تک کیا خاک پہنچے گا، اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں:

ہر کہ نقص خویش را دید وشناخت	سوئے استکماخود دودو تاخت

ترجمہ: جس کسی نے اپنی خامی اور کمزوری کو جانا اور پہچانا تو وہ اپنی تکمیل کی طرف بہت تیزی سے دوڑا۔

زاں نمی پرد سوئے ذوالجلال کو گمانے می برد خود را کمال

ترجمہ: اور جو شخص اللہ ذوالجلال کی طرف اڑ نہیں رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے متعلق کمال کا گمان رکھتا ہے۔

مال سے بھی عقل بڑھتی ہے

فرماتے تھے کہ مولانا روم نے لکھا ہے کہ مال سے عقل بڑھ جاتی ہے اور واقعی یہ بات صحیح ہے اس لیے کہ ہماری برادری کے لوگ جب سے بمبئی گئے اور روپے پیسے کی کچھ وسعت ہوئی تو عقل کی باتیں کرنے لگے ہیں بل کہ کچھ اخلاق بھی درست ہو گئے ہیں، اور میں تو اس زمانے کا عام حال دیکھ رہا ہوں کہ جو مال دار ہیں، کھانے پینے سے آسودہ ہیں ان کے اندر کچھ ادب، لحاظ، شرافت زیادہ ہے، بہ نسبت دوسروں کے۔

اخلاص بڑی دولت ہے

فرماتے تھے کہ اخلاص بڑی دولت ہے۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ تمام عمر میں ایک لمحہ بھی اخلاص سے گذر جائے تو آدمی کی نجات ہو جائے، اس لیے کہ اخلاص بہت ہی نادر شئی ہے، بڑی مشکل سے اخلاص پیدا ہوتا ہے۔

دینی کاموں میں بھی کہیں نہ کہیں ریا، نمود اور دنیوی غرض کی آمیزش ہو ہی جاتی ہے جس سے عمل کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ارشاد

سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ ہم ریا کی گھاٹی

کو پار کر کے اخلاص تک پہنچے ہیں۔

اس پر حضرت فرماتے تھے کہ دوسرا آدمی یہ کہہ نہیں سکتا کہ ہم ریا میں رہ چکے ہیں، مگر چوں کہ شیخ اخلاص کے اعلی مقام پر فائز تھے اس لیے صاف صاف فرما دیا کہ ہم پہلے ریا کی گھاٹی میں رہ چکے ہیں۔ یہ ان کا انتہائی کمال ہے اور غایت اخلاص ہے۔

اخلاص ونفاق کی علامت

منافق کو اپنے نفاق سے خوف نہیں ہوتا۔ امام غزالیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ نفاق سے بعید وہ شخص ہے جس کو اپنے متعلق نفاق کا ڈر لگا ہوا ہو اور اس سے قریب تر وہ شخص ہے جو اپنے تئیں یہ سمجھ رہا ہو کہ میں اس سے بری ہوں۔

وَقَالَ رَجُلٌ لِحُذَيْفَةَ رضي الله عنه اَخَافُ اللهَ اَنْ اَكُوْ نَ مُنَافِقاً فَقَالَ لَوْ كُنْتَ مُنَافِقاً مَا خِفْتَ النِّفَاقَ، اِنَّ الْمُنَافِقَ قَدْاَمِنَ مِنْ نِفَاقٍ مَاخَافَهُ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَمَا اَمِنَهُ اِلَّا مُنَافِقٌ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں اس بارے میں کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہوں، انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم منافق ہوتے تو تمہیں نفاق کا ڈر نہ ہوتا، اس لیے کہ منافق کو اپنے نفاق سے امن ہوتا ہے، نفاق سے مومن ہی خوفزدہ ہوتا ہے، اور نفاق سے منافق ہی نڈر رہتا ہے۔

اللہ تعالی ہم تمام کو علم کے مقتضیات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی رضا وقرب نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰه رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان.........(۱۸)

دنیا ہے روایات کے پھندو میں گرفتار	کیا مدرسہ کیا مدرسہ والوں کی تگ ودو

نبی کریم ﷺ کے وارث

(افادات)

حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ کے مکتوبات ''مکتوبات معصومیہ'' کے گرانقدر اقتباسات ہیں:
جو اہل علم کے لیے نہایت بصیرت افروز ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کا یہ قول بھی ہے کہ مقربین صادقین کا راستہ درحقیقت کتاب وسنت کے ساتھ وابستہ ہے.....اور وہ علماء جو شریعت وطریقت پر عامل ہیں اور وارث النبی کہلانے کے مستحق ہیں وہ اقوال، اخلاق اور افعال میں آنحضرت ﷺ کے متبع ہوتے ہیں۔

مکرر لکھتا ہوں کہ آداب نبوی کا خیال نہ رکھنے والے اور سنن مصطفوی کے چھوڑنے والے کو ہرگز عارف خیال نہ کرنا۔

اس کے ظاہری تبتل وانقطاع، خوارق عادات، زہد وتوکل اور زبانی معارف توحیدی پر فریفتہ، شیفتہ نہ ہوجانا۔

پیراگراف

ازافادات حضرت مولانا خواجہ محمد معصوم نقشبندی سرہندیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

انسان کی پیدائش بے مقصد نہیں

مخدوما! اللہ تعالی نے انسان کو مہمل پیدا نہیں کیا اور اس کو اس کی مرضی پر نہیں چھوڑ دیا ہے کہ جو دل میں آئے کرے اور خواہش نفس کے مطابق زندگی گذارے .....بل کہ اللہ تعالی نے اوامر ونواہی کا مکلف کیا ہے اور گونا گوں احکام کا اس کو مخاطب بنایا ہے، لہذا اس کے بغیر چارۂ کار نہیں، اگر ایسا نہ کرے گا تو مولائے حقیقی کے غضب وقہر اور عذاب وعقوبت کا مستحق ہوگا۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے

وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جو تعمیل حکم مولا میں کمر ہمت باندھے ہوئے ہیں اور پوری توجہ کے ساتھ اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

دنیا زراعت کی جگہ ہے، اور زراعت کے وقت عیش وآرام میں مشغول ہونا اور فانی لذتوں میں مبتلا ہونا اپنے آپ کو سرمدی آرام سے جدا رکھنا ہے، عقل دور اندیش لذتِ باقیہ مرضیہ کو چھوڑ کر لذات فانیہ مبغوضہ پر ہرگز فریفتہ نہیں ہوسکتی۔

طریقہ صوفیاء بھی ضروری ہے

سلوک: طریقہ صوفیاء بھی ضروری ہے تاکہ معرفت حق حاصل ہوجائے، اور خواہشاتِ نفسانی کی آویزش سے نجات ملے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو بندہ اپنے مولی کی معرفت سے خالی ہے وہ کیسے

اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور کس طرح دوسری چیزوں سے مانوس ہے، حالاں کہ اس کا حال یہ ہونا چاہئے تھا:

بچہ مشغول کنم دیدۂ ودل را کہ مدام	دل ترا می طلبد دیدہ ترا می خواہد

کہ اپنی آنکھ اور دل کو کسی دوسری چیز کے ساتھ کیسے مشغول کروں؟ جب کہ دل آپ ہی کو ڈھونڈتا ہے اور آنکھ بھی آپ کے ہی دیدار کی طلب گار رہتی ہے (مکتوبات معصومیہ)

اتباعِ شریعت اصل ہے

مدار کار اتباعِ شریعت پر ہے اور معاملۂ نجات پیرویٔ نقشِ قدمِ رسول اللہ ﷺ سے مربوط ہے، محق و مبطل میں امتیاز پیدا کرنے والی چیز اتباع پیغمبر ہی ہے۔

زہد وتوکل اور تبتل بغیر اتباع رسول کے نا معتبر ہیں، اذکار وافکار اور اشواق واذواق بے توسل سرکار دو عالم ﷺ غیر مفید ہیں۔

خوارقِ عادات کا دارومدار بھوک اور ریاضت پر ہے، اس کو معرفت سے کیا تعلق؟!!

آداب سے تہاون سلب معرفت کا ذریعہ ہے

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا: جس نے آداب سے سستی برتی وہ سنن سے محروم ہوگیا اور جس نے سنن سے غفلت برتی (سنن کو ہلکا اور معمولی سمجھ کر چھوڑ دیا) وہ فرائض سے محروم ہوا، اور جس نے فرائض سے غفلت اختیار کی وہ معرفت سے محروم ہوگیا۔

کرامت اصل نہیں اتباع اصل ہے

شیخ ابوسعید الخیر سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔

انہوں نے فرمایاہاں! گھاس کا تنکا بھی پانی پر چلتا ہے، یہ کوئی کمال کی بات نہیں۔

پھر کہا گیا کہ فلاں آدمی ہوامیں اڑتا ہے۔

فرمایا ٹھیک ہے چیل اور مکھی بھی ہوامیں اڑتے ہیں۔

پھر کہا گیا فلاں آدمی ایک لمحہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر چلا جاتا ہے۔

فرمایا اس میں کیا رکھا ہے، شیطان تو ایک دم مشرق سے مغرب تک چلا جاتا ہے ان باتوں کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

مرد حق دراصل وہ ہے جو مخلوق کے درمیان نشست و برخاست رکھے، بیوی بچے رکھتا ہو اور پھر ایک لمحہ خدائے عزوجل سے غافل نہ رہے۔

نبی کے وارث ایسے ہوتے ہیں

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ کامیابی کے تمام راستے بند ہیں سوائے اس شخص کے راستے کہ جو انحضرت ﷺ کے نشان قدم کی پیروی کرے۔

سید الطائفہ ہی کا یہ قول بھی ہے کہ مقربین صادقین کا راستہ درحقیقت کتاب وسنت کے ساتھ وابستہ ہے ...... اور وہ علماء جو شریعت وطریقت پر عامل ہیں، اور وارث النبی کہلانے کے مستحق ہیں، وہ اقوال، اخلاق اور افعال میں آنحضرت ﷺ کے متبع ہوتے ہیں۔

مکرر لکھتا ہوں کہ آداب نبوی کا خیال نہ رکھنے والے اور سنن مصطفوی کے چھوڑنے والے کو ہرگز ہرگز عارف خیال نہ کرنا، اس کے ظاہری تبتل وانقطاع، خوارق عادات، زہد وتوکل اور زبانی معارف توحیدی پر فریفتہ شیفتہ نہ ہوجانا۔

اتباع سنت کا اہتمام کرو

اتباع سنت میں کوشش کرو، بدعت اور اہل بدعت سے دور رہو۔

صحبت صلحاء وفقراء پابندِ شرع کی طرف راغب رہو، جس جگہ خلاف شرع دیکھو وہاں سے گریزاں اور یکسو ہو جاؤ۔

عاشق صادق وہ ہے جو متابعت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام پر راسخ ہے۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۱):

سے اسی حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے۔ (مکتوبات معصومیہ)

ہماری عزت کا مدار

یاد رکھو! ہماری عزت ایمان و معرفت کے ساتھ وابستہ ہے، مال و جاہ کے ساتھ نہیں، تکمیل ایمان میں کوشش کرو اور مراتب معرفت حاصل کرنے میں جد و جہد کرو، جتنا بھی اس مقصد اعلی میں مشقت جھیلو گے اتنا ہی زیبا و مستحسن ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے تمام غموں کو ایک غم یعنی غمِ آخرت بنادے گا اللہ تعالی اس کے تما غموں کو دور کر دے گا۔

مقام صدیقیت

شیخ علی بن ابی بکر قدس سرہ نے معارج البدایہ میں فرمایا ہے کہ ہر انسان کا حسن وکمال تمام امور میں ظاہراً، باطناً، اصولاً وفروعاً، عقلاً وعادتاً وعبادتاً کامل اتباع رسول میں مضمر ہے۔

انسان کو چاہئے کہ ورع وتقوی کو اپنا شعار بنائے اور منہیات میں قدم نہ رکھے، کیوں کہ اس راہِ سلوک میں نواہی سے باز رہنا (درحقیقت) اوامر کے امتثال سے زیادہ ترقی بخش اور سودمند ہے۔

ایک درویش نے کہا ہے کہ اچھے اعمال تو نیک وفاجر دونوں کر لیتے ہیں.....

لیکن معاصی سے بچنے کا اہتمام صدیق کا کام ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی، جو چیز تجھے شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دے۔

کسب معاش منع نہیں

اگر اپنے اہل وعیال کے لیے تجارت یا اس کے مانند کوئی حلال کسب کرے تو وہ مضر نہیں بل کہ مستحسن ہے، کیوں کہ سلف نے اس کو اختیار کیا ہے، اور احادیث میں فضل کسب پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

اگر کوئی توکل اختیار کرے تو یہ بھی بہتر ہے..... لیکن اس شرط کے ساتھ کہ پھر کسی سے طمع نہ رکھے۔

کھانا کھانے میں اعتدال کا خیال رکھے۔

حضرت خواجہ نقشبندی کا ارشاد ہے کہ لقمۂ تر کھاؤ..... لیکن (دینی) کام خوب کرو۔

اولیاء کی پہچان

حضرت محمد بن سالمؒ سے لوگوں نے دریافت کیا، اولیاء کی پہچان کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا: اولیاء کی علامات یہ ہیں:

(۱) لطف لسان (۲) حسن اخلاق (۳) بشاشت چہرہ (۴) سخاوت نفس (۵) قلتِ اعتراض (۶) عذر خواہ کے عذر کو قبول کرنا (۷) تمام مخلوقِ خدا پر شفقت کرنا خواہ نیکوکار ہوں یا بدکار

مخلوق سے خوشامد کا انجام ذلت ہے

ایک مکتوب میں ہے ایک طالب کو تحریر فرما رہے ہیں کہ:

مخدوم من ! بندۂ عاجز جب اپنے جیسے عاجز بندے سے چاپلوسی ، التجا اور لجاجت کرے تو اس کا یہی حشر ہونا چاہیے کہ ذلت وخواری میں مبتلا ہو، کیوں نہیں درگاہِ غنی مطلق میں تضرع وزاری کرتا۔

درحقیقت وہی ذات عالی اس لائق ہے کہ اس کے سامنے التجا کی جائے اسی کے کرم سے مشکلات حل ہوتی ہیں (اس کے علاوہ کوئی اس قابل نہیں)

اللہ تعالی حضرت شیخ کے ارشادات پر ہم سب کو عمل پیرا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰه رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان........ ۱۹

دنیا ہے روایات کے پھندوں میں گرفتار	کیا مدرسہ کیا مدرسہ والوں کی تگ ودو

نفس کے امراض

(افادات)

شیخ کبیر حضرت مولانا شاہ محبّ اللہ الہ آبادی قدس سرہ

یہ حضرت شیخ کے رسالہ ''ہفت احکام'' کا مفید اصلاحی مضمون ہے، جس کا اس وقت عام ابتلا ہے، اقوال سلف سے اخذ کیا گیا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

امراض قولی میں سے ایک مرض یہ بھی ہے کہ تم یوں کہنے لگو کہ حق بات کہہ کر رہوں گا، حالاں کہ حق بات کہنے کے بھی مواقع ہیں، لہذا اگر بے موقع بات کہی، یا سننے والے نے اس کو رد کر دیا تو اس کے کہنے سے کیا فائدہ ہوا؟

لہذا اس کا علاج یہ ہے کہ حق بات کہنے کے لیے پہلے اس کے مواقع کا علم حاصل کرو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ اس لیے کہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

دو چیز طیرۂ عقل است دم فروبستن
بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

یعنی دو چیز کم عقلی کی دلیل ہے، ایک تو بولنے کے موقع پر خاموش رہنا اور دوسرے خاموش رہنے کے موقع پر بولنا۔

پیراگراف از افادات

شیخ کبیر حضرت مولانا محب اللہ الہ آبادیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

امراض تین طرح کے ہیں

جان لو کہ امراض کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: بدن کے امراض کی ہے جس کو سب لوگ جانتے ہیں، کے علاج کا تعلق علم طب سے ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے۔

دوسری قسم: عقل کے امراض کی ہے، جس کے نتیجے میں فاسد عقیدے رونما ہوتے ہیں اس کا علاج (ذکر و فکر کے ساتھ) خلوت و تنہائی کا التزام و اہتمام ہے، اور عقائد کے باب میں اپنے غور و فکر کو بالکل ترک کر دینا ہے۔

فائدہ: شیخ نے غور و فکر ترک کرنے کو اس لیے فرمایا کہ عقائد کا تعلق زیادہ تر سمع و نقل سے ہے نہ کہ عقل و دانش سے..... مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسلامی عقائد عقل کے خلاف ہیں بل کہ مطلب یہ ہے کہ بعض حقائق کی کنہ تک پہنچنا عقل کی حد سے خارج ہے، ان کے سمجھنے کے لیے نور وحی کی شمولیت بھی ضروری ہوا کرتی ہے، جیسا کہ خارجی اشیاء کے دیکھنے کے لیے صرف آنکھ کی روشنی کافی نہیں ہوا کرتی بل کہ اس کے ساتھ خارجی روشنی کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ (از حضرت مولانا قمر الزماں صاحب زید مجدہ)

تیسری قسم: کے امراض کی ہے۔

امراض نفس بھی تین طرح کے ہیں

پھر اس کی بھی تین قسمیں ہیں، ایک وہ ہے جو اقوال سے متعلق ہے، دوسری قسم

افعال سے تعلق رکھتی ہے، اور تیسری قسم احوال سے۔

یوں ان میں سے ہر ایک کا علاج علیحدہ علیحدہ ہے مگر شیخ کامل کی صحبت امراضِ عقل و نفس دونوں کے لیے علاج ہے۔

اب ہم امراض قولی کی کسی قدر تفصیل پیش کرتے ہیں، اس لیے کہ اس میں عام ابتلا ہے مگر طرہ یہ کہ اس کے علاج سے عام طور پر غفلت ہے۔

بعض امراض قولی

چنانچہ امراض قولی میں سے ایک مرض یہ ہے کہ ہر وہ بات جس حق سمجھے وہ کہہ ہی دے، خواہ موقع ہو یا نہ ہو مثلاً غیبت یا زن وش کی باتیں جو خلوت کی ہیں مجمع میں بیان کرنا حرام ہے۔

نیز امراض قولی میں سے ایک مرض یہ ہے کہ دوسروں کا عیب ظاہر کرتا ہے پھرے اس لیے کہ یہ کام کمینے، جاہل اور بے حیا و بے غیرت شخص کا ہے، اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ خود دوسرے بہت سے عیوب میں مبتلا ہو، پس اگر وہ اپنے ہی عیوب کو دیکھنے میں مشغول ہو جاتا تو دوسروں کے عیوب کو دیکھنے کی فرصت ہی نہ پاتا۔

دوسروں کے عیوب کی نحوست

کسی عارف نے کیا خوب فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی خوبیوں کو دیکھے گا وہ دوسروں کے عیوب کو دیکھنے میں مبتلا کر دیا جائے گا، اور جو شخص اپنے عیوب کو دیکھنے میں مشغول رہے گا وہ لوگوں کے عیوب کو دیکھنے سے محفوظ رہے گا۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے

اوروں پہ معترض تھے لیکن جب آنکھ کھولی	اپنے ہی دل کو ہم نے گنج عیوب پایا

نیز دوسروں کے عیوب کے دیکھنے کی یہ نحوست ہوگی کہ ایسا شخص اپنے ساتھیوں اور بھائیوں کے عیوب کو جمع کرتا رہے گا جب کہ اس کے بھائی اور اس کے ساتھی اس کے اس مکروفریب سے غافل ہوں گے اور دوست سمجھ کر اپنے ہر راز سے اسے آگاہ کرتے رہیں گے، پھر جب کبھی اس کو اپنے ساتھ کی کوئی بات ناگوار خاطر ہوگی تو اس کے عیوب کا ذخیرہ اٹھا کر سامنے رکھ دے گا۔ اور اس کے ایک ایک عیب کو آشکارا کرے گا جو فساد عظیم اور زبردست عداوت کا باعث ہوگا۔

اپنی زبان کو ہمیشہ قابو میں رکھو

اور یہ بیماری عموماً ساتھیوں اور دوستوں میں ہوا کرتی ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ اِ حْذِرْ عَدُوَّكَ مَرَّةً وَاحِدَةً وَصَدِيْقَكَ اَلْفَ مَرَّةٍ فَرُبَمَا هَجَرَ الصَّدِيْقُ فَكَانَ اَعْلَمَ بِالْمَضَرَّةِ اپنے دشمنسے ایک مرتبہ احتیاط رکھو، مگر دوست سے ہزار مرتبہ اس لیے کہ دوست سے کبھی جدائی بھی ہوجاتی ہے تو وہ تمہاری ضرررساں چیزوں سے زیادہ واقف ہوگا۔ (اس لیے زیادہ ضرر پہنچائے گا)

یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ اس کا ضرور نقصان خود کہنے والے پر لوٹتا ہے اس لیے اپنی زبان کو ہمیشہ قابو میں رکھنا چاہیے۔

لایعنی اور بے جا سوالات

امراض قولی میں سے ایک مرض یہ ہے کہ ہمہ وقت لوگوں کے حالات واعمال کو دریافت کرتا رہے، مثلاً یہ کہ زید کیوں آیا؟ خالد کیوں گیا؟ اور میرے اہل وعیال میری عدم موجودگی میں کیا کرتے ہیں؟ اور کن امور میں مشغول رہتے ہیں؟

کیوں کہ یہ لایعنی سوالات ہیں، جن سے سکوت وگریز ہی کرنا چاہیے کیوں کہ

اس سے سوائے بے کیفی وکلفت کے کچھ حاصل نہیں ہے۔

احسانِ جتلانے کا مرض

نیز امراض قولی میں سے ایک مرض یہ بھی ہے کہ اپنے بھائی کے ساتھ نیکی کرکے اس کے سامنے یا پس پشت اپنے انعام واحسان کو جتلائے ، اس لیے کہ تمہاری یہ بات اس کو ناگوار ہوگی ، بل کہ موجب کلفت واذیت ہوگی اور تمہارے احسان کا اثر زائل کردے گی۔ کیوں کہ اہل دانش کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ احسان؛ امتنان (احسان جتلانا) کے ساتھ جمع رہ سکتا۔

نیز احسان جتلانے کا ضرر یہ ہوگا کہ اس کا اجر وثواب باطل ہوجائے گا، جیسا کہ اللہ علام الغیوب کا ارشاد پاک ہے: لاَ تُبْطِلُواْ صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالأذَى (البقرة: ۲۶۴) یعنی اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور اذیت پہنچا کر ضائع نہ کرو۔

مرض امتنان کا علاج

اس بلاءِ عظیم کا علاج یہ ہے کہ تمہارے ذریعہ جو نعمت تمہارے دوست کو پہنچی ، اس کے متعلق سمجھو کہ یہ دوست ہی کا حق تھا جو تمہارے ہاتھ میں بطور امانت وودیعت موجود تھی مگر اس سے پہلے تم کو معلوم نہ تھا کہ اسے کس کے حوالہ کروں، اب اللہ تعالی کا صد شکر ادا کرو کہ بارِ امانت سے سبکدوش ہو گئے اور حق حقدار کو پہنچا دیا۔

کسی کے ذاتی معاملہ میں دخل اندازی کرنا

اسی طرح امراض قولی میں سے ایک مرض یہ ہے کہ کسی کے ذاتی اور خانگی معاملہ میں بلا وجہ دخل دے، مثلاً کسی نے اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی وقت مصلحت کی بنا پر کچھ زیادہ انعام واکرام کیا۔ تو تم کہنے لگو کے دوسرے لڑکوں کے

حق میں ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس لیے کہ یہ کلام لایعنی اور لغو ہے اور ایسا کلام جاہل اور غبی شخص ہی کر سکتا ہے کیوں کہ اس سے دوسرے لڑکوں کو باپ سے بدظنی اور عداوت ہو جائے گی۔

اس کا علاج یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی: "مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْئِ تَرْکُهُ مَالَا یَعْنِیْهِ" کو مستحضر کرے یعنی آدمی کے حسن اسلام سے یہ بات ہے کہ لایعنی اور بے فائدہ بات کو ترک کر دے۔

موقع شناسی، محل شناسی

نیز امراض قولی میں سے ایک مرض یہ بھی ہے کہ تم یوں کہنے لگو کہ حق بات کہہ کر رہوں گا، حالاں کہ حق بات کہنے کے بھی مواقع ہیں، لہذا اگر بے موقع بات کہی، یا سننے والے نے اس کو رد کر دیا تو اس کے کہنے سے کیا فائدہ ہوا؟ لہذا اس کا علاج یہ ہے کہ حق بات کہنے کے لیے پہلے اس کے مواقع کا علم حاصل کرو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ اس لیے کہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔

دو چیز طیرۂ عقل است دم فروبستن	بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

یعنی دو چیز کم عقلی کی دلیل ہے، ایک تو بولنے کے موقع پر خاموش رہنا اور دوسرے خاموش رہنے کے موقع پر بولنا۔

بعض امراض فعلی

امراض فعلی میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے تعدیل ارکان اور خوب اطمینان سے نمازیں ادا کرے، تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں، مگر اسی نماز کو جب خلوت وتنہائی میں پڑھے تو اس کی بالکل رعایت نہ کرے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالی کے ان ارشادات کو مستحضر رکھے اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی (سورۂ علق ۱۴) کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہے ہیں۔

یعنی اللہ تعالی زیادہ مستحق ہیں کہ ان سے تم ڈرو۔

ریا کے خوف سے عمل ترک کرنا ریا ہے

نیز امراض فعلی میں سے ایک مرض یہ ہے کہ ریا وسمعہ کی طرف منسوب کیے جانے کے خوف سے اعمال خیر کو ترک کردے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ مخلوق کی مدح وذم کی طرف نگاہ نہ کرے، بل کہ اللہ تعالی کے ارشاد " وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ (سورۂ صف:۹۶) کو پیش نظر رکھے۔ یعنی اللہ تعالی ہی نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی..... پھر مخلوق سے کیا ڈرنا اسی کو فضیل بن عیاض نے فرمایا: تَرَکُ الْعَمَلِ لِاَجْلِ النَّاسِ رِیَاءٌ وَالْعَمَلُ لِاَجَلِ النَّاس شِرْكٌ: یعنی عمل خیر کو لوگوں کے خوف سے ترک کرنا ریا ہے، اور لوگوں سے نفع کی امید پر عمل کرنا شرک ہے۔

عمل لوجہ اللہ نہ کرنے کا مرض

نیز امراض فعلی میں سے ایک مرض یہ ہے کہ عمل خیر کو اللہ کی رضا کے لیے نہ کرے ،اس کا علاج یہ ہے کہ اولاً عمل خیر کو اللہ کی رضا ہی کے لیے کرے، ورنہ ترک کردے۔

اس لیے کہ ایسا عمل جو رضاء الہی کے لیے نہ ہو وہ عبث ہے، نیز اس کے علاج کے لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالی کے اس ارشاد کو مستحضر رکھے: وَہُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے اس لیے کہ جب اس کا استحضار ہوگا تو ضرور اس کی رضا کے لیے ہی عمل ہوگا۔ (ہفت احکام)

بعض امراض حالی

من جملہ امراض حالی کے یہ ہے کہ صلحاء و عرفاء کی صحبت میں محض اس لیے بیٹھے تا کہ ان میں کا ایک فرد شمار کیا جائے، حالاں کہ ابھی اس کی عصمت کا دامن شہوات کی قید سے خلاصی نہیں پائے ہوتا، بل کہ وہ کسی عورت یا امرد (بے ریش) کے عشق میں مبتلا رہتا ہے، مگر عام لوگ اس سے باخبر نہیں ہوتے لہذا کبھی اس پر وجد و حال اسی عشق مجازی کی وجہ سے طاری ہوتا ہے اور چیختا چلاتا ہے، اور ''اللہ اللہ'' اور ''ہو ہو'' کہتا ہے، مگر یہ سب محض زبانی ہوتا ہے، دل سے نہیں۔

اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالی کے ارشاد'' وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا '' کو مستحضر رکھے یعنی خائب و خاسر ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو خاک میں ملا دیا۔

حال کا صدق و کذب

من جملہ امراض حالی کے یہ ہے کہ اس کا حال اس کے لباس کے مطابق نہ ہو، چنانچہ حرم محترم کے ایک صاحب حال بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک گانے والی عورت پر عاشق ہو گئے، جس کی وجہ سے ان کا وجد و حال اسی عورت کے عشق و محبت کے تحت ہونے لگا تو ان کو خیال ہوا کہ لوگ میرے متعلق حسب سابق نیک گمان رکھتے ہیں، جو بالکل خلاف واقعہ ہے۔

اس لیے حرم کے صوفیا کے پاس گئے اور اپنا خرقہ اتار کر ان کے سامنے رکھ دیا، اور صاف صاف واقعۂ عشق بیان کر کے کہہ دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ اپنے حال میں کاذب رہوں

چنانچہ اسی گانے والی عورت کا چنگ (ستار کی قسم کا ایک باجہ) اپنی گردن میں

ڈال کر اسی کے ساتھ رہنے لگے تو لوگوں نے اس عورت کو آگاہ کیا کہ وہ تمہارا عاشق اہل اللہ میں سے ہے..... مگر اللہ نے (کسی حکمت ومصلحت سے) تیرے عشق ومحبت میں مبتلا کر دیا ہے۔

پس اللہ رب العزت نے اس عورت پر حیا وندامت کا حال طاری فرما دیا اور وہ تائب ہوگئی اور شیخ کی خدمت میں رہنے لگی۔

ادھر شیخ کے دل سے اللہ تعالی نے اس عورت کے عشق ومحبت کو زائل فرما دیا تو پھر صوفیائے حرم کی خدمت میں آئے اور خرقہ پہن لیا۔

اس کے بعد حضرت شیخ الہ آبادی بطور نتیجہ وفائدہ یوں ارقام فرما رہے ہیں:

''پس آں صادق الحال تجویز نہ نمود کہ درحال خود کاذب باشد''

یعنی شیخ صادق الحال نے گوارہ نہ فرمایا کہ اپنے حال میں کاذب رہیں۔ (ہفت احکام)

ولایت کا درجہ علم حقیقی پر ملتا ہے

اخیر میں امراض حالی وغیرہ بیان کرنے کے بعد شیخ فرما رہے ہیں کہ ان کا اور ان کے علاج کا علم ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے کہ ''خدا پرست نبود ونخواہد بود ہر کسے کہ عالم نباشد بحکم حق''

یعنی خدا پرست نہ ہوا ہے اور نہ کبھی ہوسکتا ہے، جب تک ان معاملات میں حکم حق کی معرفت نہ ہو، فَاِنَّ اللّٰہ مَا اتَّخَذَ وَلِیًّا جَاہِلًا۔

سرانجام جاہل جہنم بود	کہ جاہل نکو عاقبت کم بود

اللہ تعالی حضرت شیخ کی ان مفید اصلاحی باتوں پر ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان........(۲۰)

اے لالہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں	گفتارِ دلبرانہ کردار قاہرانہ

علماء کرام سے خصوصی خطاب

(خطاب)

مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ محمودیہ امانت گنج ضلع بریسال مشرقی پاکستان میں علماء کرام سے کیا گیا خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس

غرض بے دینی ہر طرف مختلف صورتوں میں تیزی سے پھیل رہی ہے، مگر آج کے مولوی کو اس کی فکر نہیں، وہ کبھی ان حالات پر غور نہیں کرتا، آنحضرت ﷺ نے ہرقل قیصر روم کو لکھا تھا کہ

وَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ عَلَیْكَ اِثْمَ الْاَرِیْسِیِّیْنَ

''اگر تو نے دین سے روگردانی کی تو تجھ پر تیری رعایا کا بھی گناہ ہوگا''

آپ حضرات عام مسلمانوں کے پیشوا اور مقتدا ہیں، لہذا آپ حضرات پر ان حالات میں سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اگر ہمارے دل میں دین کا درد ہوتا تو ممکن نہیں تھا کہ دین سے یہ بغاوت ہوتی رہے اور ہم خاموش و غافل بیٹھے رہیں

پیرا گراف از بیان مفسر قرآن

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰه نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ اَمَّا بَعْدُ !

خطبہ کے مضامین کی تشریح

عربی کا مسنون خطبہ جو میں نے ابھی پڑھا۔ تقریروں، مواعظ اور خطبات کے شروع میں پڑھا جاتا ہے لیکن اس خطبہ کے مضامین کی طرف عام طور سے توجہ نہیں کی جاتی۔ آج کی مجلس میں اسی کے بعض اجزاء کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰه نَحْمَدُهُ کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد اس بات پر کرتے ہیں کہ اُس نے ہمیں اس نیک کام کے ارادہ کی توفیق دی۔ وَنَسْتَعِيْنُهُ، ارادے بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے پورے نہیں ہوسکتے۔ اس لیے مدد طلب کرتے ہیں۔

وَنَسْتَغْفِرُهُ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ استغفار کس چیز سے کیا جارہا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہمارے گناہ جو ہم سے ہر وقت ہوتے رہتے ہیں وہ ہمارے نیک کاموں میں رکاوٹ اور سدِّ باب ہیں۔ اس لیے ان کی مغفرت طلب کی گئی۔

" وَنَسْتَعِيْنُهُ اور وَنَسْتَغْفِرُهُ " میں یہ جوڑ ہے کہ اول طلب اعانت کے لیے ہے اور ثانی رفعِ موانع (یعنی رکاوٹوں اور مشکلات کو دور کرنے) کے لیے۔

وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا نفس کے شرور (گناہ) ہمارے تمام نیک کاموں کو بے رُوح کردیتے ہیں۔ مثلاً تکبر، ریا عُجب وغیرہ۔ اس لیے ان سے پناہ مانگی گئی۔

مدارس اور خانقاہوں کی حالت زار

وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ سَيِّئَاتِ کی اضافت اعمال کی جانب صفت کی اضافت موصوف کی جانب کے قبیل سے میرے نزدیک نہیں۔ بل کہ یہ اضافت بیانیہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری سیئات (گناہ) یہی اعمال ہوتے ہیں جن کو ہم نیکی سمجھ کر کرتے ہیں۔ آج کی مجلس میں ہمیں اسی چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ باتیں بہت ہیں اس لیے کوئی ترتیب قائم کرنا بھی مشکل ہے، بس ایک دردِ دل ہے وہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ دے	پھر التفات دلِ دوستاں رہے کہ نہ رہے

ہمارے مدرسے اور خانقاہیں تیس چالیس سال سے بانجھ ہیں۔ ان مدرسوں سے اب آدمی (تربیت یافتہ) یا مسلمان (اللہ والے) پیدا نہیں ہوتے بل کہ ''مولانا'' پیدا ہوتے ہیں۔ یا تو یہ حالت تھی کہ میرے والد صاحب کا ارشاد ہے کہ:

ہمارا ماضی کتنا تابناک تھا

میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور دیکھا ہے جب مہتمم اور صدر مدرس سے لے کر چپراسی اور دربان تک ہر ایک صاحب نسبت ولی اللہ تھا، دربان چوکیداری کر رہا ہوتا تھا اور ساتھ ہی اس کے لطائف ستہ جاری رہتے تھے، دن کو وہ مدرسہ تھا اور رات کو خانقاہ، رات کو ہر کمرہ سے گریہ وزاری اور ذکر اللہ کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔''

''درمدرسہ خانقاہ دیدم''

چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ ان الفاظ میں نکالی تھی کہ: ''درمدرسہ خانقاہ دیدم''

اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندو پاکستان اور باہر کے ممالک میں بھی جہاں کہیں دین نظر آتا ہے اُس میں دیو بند کا بہت بڑا حصہ ہے۔

دمشق کی کانفرنس میں شرکت اور دیو بند کا خاص رنگ

دنیا میں محققین کی کوئی کمی نہیں۔ مگر دیو بند کا جو خاص رنگ ہے وہ کہیں اور نظر نہیں آتا۔ چند سال قبل میں دمشق کی ایک کانفرنس میں شریک ہوا۔ وہاں دُنیا بھر کے علماء موجود تھے، وہاں بھی اس کا مشاہدہ ہوا۔ دیو بند کی خصوصیت یہ تھی کہ وہاں لفظ کے ساتھ معانی، ظاہر کے ساتھ باطن اور علم کے ساتھ عمل موجود تھا۔

آج نئے نئے فتنے تیزی سے اُٹھ رہے ہیں۔ مغربی تہذیب کے اثرات کراچی میں سب سے زیادہ نمایاں ہیں اور وہاں لادینی تیزی سے پھیل رہی ہے مگر ایک لادینی میں مشرقی پاکستان عرصہ سے آگے بڑھا ہوا ہے وہ ہے ہندو مسلم کا اشتراک (دوستی)

تاریخ کا پہلا المناک موقع

آپ کو یاد ہوگا کہ مسلمانوں کو کس طرح تباہ کیا گیا اور کس طرح ان کا قتل عام ہوا؟ مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی ۵۰ ہزار عورتیں ہندوؤں اور سکھوں کے قبضے میں چلی گئیں۔

علامہ بغدادی نے لکھا ہے کہ سقوطِ بغداد کے وقت کئی مسلمان قتل ہوئے۔ مگر عورتوں کی عصمت کی قربانی مسلمان نے کبھی نہیں دی تھی۔ یہ مصیبت سب سے پہلے ہم پر نازل ہوئی۔ اس کے باوجود ہندوؤں کو ہم نے بھائی بنا رکھا ہے۔ حالاں کہ قرآن نے ان کو ہمارا دشمن قرار دیا ہے۔ قرآن کریم نے اسلام اور ایمان کو اخوت اور برادری کی بنیاد فرما دیا تھا، اور ہم وطنی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اپنا بھائی

بنا کر دوسرے صوبے کے مسلمانوں کو اپنا دشمن بنا دیتے ہیں۔تو ایک لادینی تو یہ ہے جو مشرقی پاکستان میں سب سے زیادہ پھیلی ہوئی ہے اور عیاشیوں اور بے حیائیوں میں کراچی اور مغربی پاکستان سب کا امام بنا ہوا ہے۔

غفلت کی حد نہیں

غرض بے دینی ہر طرف مختلف صورتوں میں تیزی سے پھیل رہی ہے۔مگر آج کے مولوی کو اس کی فکر نہیں۔وہ کبھی ان حالات پر غور نہیں کرتا۔آنحضرت ﷺ نے ہرقل قیصر روم کو لکھا تھا کہ:وَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ رِيْسِيِّيْنَ .

''اگر تو نے دین سے روگردانی کی تو تجھ پر تیری رعایا کا بھی گناہ ہوگا۔''

آپ حضرات عام مسلمانوں کے پیشوا اور مقتدا ہیں۔لہذا آپ حضرات پر ان حالات میں سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔اگر ہمارے دل میں دین کا درد ہوتا تو ممکن نہیں تھا کہ دین سے یہ بغاوت ہوتی رہے اور ہم خاموش و غافل بیٹھے رہیں۔

حضرت تھانویؒ پر امت کا غم اور بے چینی

ایک مرتبہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کچھ زمانۂ غیبوبت کے بعد میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ بہت کمزور ہو رہے ہیں۔جیسے کئی مہینہ سے بیمار ہوں۔پوچھنے پر فرمایا کہ بھائی مسلمان تباہ ہوگیا،اسے نہ ہندو پوچھتا ہے نہ انگریز۔یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب کانگریس نے اپنی وزارت بنائی مگر مسلمانوں کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔

اسی طرح حضرتؒ کو اُسی وقت احقر نے دیکھا جب عنایت اللہ مشرقی کا فتنہ

ملک میں پھیل رہا تھا۔ حالاں کہ حضرتؒ کے مشاغل سیاسی نہیں تھے مگر چوں کہ دین کا درد تھا اس لیے بے چین تھے مگر ہم نہایت اطمینان سے بے دینی کے اس سیلاب کو برداشت کر رہے ہیں، اگر ہمارے ایک پیسہ کا نقصان ہونے لگے تو بوکھلا جاتے ہیں۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ ہم تدریس تبلیغ وغیرہ جو کچھ کرتے ہیں وہ دین کے لیے نہیں بل کہ دنیا کے لیے ہے۔

استغناء کا خاتمہ اور مولویوں کا نیلام

دوسری خرابی یہ ہے کہ آج کل مولویوں کا نیلام ہوتا ہے۔ مولوی جہاں پانچ روپے زیادہ مل جائیں، چلے جاتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں جب میری تنخواہ ۳۵/ روپے تھی، اس وقت کلکتہ میں مجھے سات سو روپے کی پیشکش کی گئی جو میں نے قبول نہیں کی۔ ہمارے بزرگوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔ لیکن اب یہ بات ہمارے طبقہ میں ختم ہوتی جا رہی ہے۔

تعلیم وتدریس کا اصل مقصد فوت ہوگیا

تیسری خرابی یہ ہے کہ ہم اپنے پڑھنے پڑھانے کا مقصد گم کر چکے ہیں۔ تدریس ایک پیشہ بن چکا ہے، پیش نظر یہ نہیں رہتا کہ ہمیں مخلص خادمانِ دین، محقق علماء پیدا کرنے ہیں، بل کہ اتنا رہ گیا ہے کہ طالب علم کو کتاب اور اُس کا حاشیہ پڑھا دیا جائے۔ اسے خود کیوں پڑھا تھا؟ اور کیوں پڑھاتے ہیں؟ یہ آج کا مولوی کبھی نہیں سوچتا۔ اس پڑھنے پڑھانے اور دینی تعلیم کا مقصد صرف یہ تھا کہ صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں خود رنگ جانا اور دوسروں کو رنگنا۔ اگر یہ مقصد پیش نظر نہیں تو تدریس کے بجائے پھاؤڑا لے کر مزدوری کر لینا بدرجہا بہتر ہے۔

ہم بڑے خسارے میں ہیں

اگر یہ مقصد نہیں تو ہمارے برابر کوئی خسارہ میں نہیں۔قرآن پاک کاارشاد ہے:

الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعاً (الکہف: ۱۰۴) ہم اس کے مصداق ہوکر رہ گئے ہیں۔

تدریس میں ہماری تمام کاوشیں ان مباحث میں منحصر ہوکر رہ گئی ہیں کہ امام شافعیؒ نے کیا کہا؟ ان کی کیا دلیل ہے؟ اور ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے۔

خوب یاد رکھئے کہ قبر میں اور محشر میں ہم سے یہ سوال نہیں ہوگا ہم سے سوال یہ ہوگا کہ او مدرس او خطیب، او مفتی! بتا جب میرے دین پر فتنوں کی بارش ہورہی تھی تو نے میرے دین کے واسطے کیا کیا؟ کتنے کافروں کو مسلمان اور کتنے بدکاروں کو دین کے رنگ میں رنگا تھا۔

دین کی، عربی تعلیم آج روز بروز گھٹتی جاتی ہے۔ مولوی صاحب کنوئیں کے مینڈک کی طرح یہ دیکھ کر مطمئن ہیں کہ اُن کے مدرسہ میں اُن کے ہاتھ چومنے والے چند لوگ اُن کو مل جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ علماء وطلباء کی تعداد بہت کافی ہے، حالاں کہ ہر سال اس دین کے طالب علم گھٹ رہے ہیں۔ ہمیں صرف وہ طلباء ملتے ہیں جن کی دنیا کے کسی شعبہ میں کھپت نہ ہو۔

جو کسی بھی درجہ میں آسودہ حال ہوں یا دُنیا کے کسی دوسرے شعبہ میں کھپ سکتے ہوں وہ ہمارے مدرسے کا رُخ نہیں کرتے۔

موجودہ حالات میں ہماری ذمہ داریاں

بہرحال فتنوں اور بے دینی کا سیلاب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم کو کرنا کیا چاہیے؟

توسب سے پہلے تو ہم کو چاہیے کہ ہم اس دعوے سے دستبردار ہوجائیں کہ ہم

خادمِ دین ہیں۔ کیوں کہ حالات اس دعوے کی تکذیب کرتے ہیں اور اس قسم کے دعوے داروں کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے: وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُواْ عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو دین کے دعویدار ہوں مگر دیندار نہ ہوں۔

مدارس کا اصل مقصد

دوسری بات یہ ہے کہ یہ ذہن نشین کریں کہ ان مدرسوں کا مقصد شرح جامی کے حواشی رٹوانا نہیں بل کہ دین کے رنگ میں رنگنا ہے۔ قرآن وحدیث کا صحیح فہم پیدا کر کے ان کے رنگ کو طلبا میں کرنا ہے۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ اکابر کی تقاریر درس رَٹ رکھی ہیں۔ ان سے طلباء کے سامنے اپنے محقق ہونے کا رعب بٹھاتے ہیں۔ کبھی یہ فکر نہیں ہوتی کہ طالب علم کو کچھ دین بھی آیا یا نہیں؟

آج کل طلبا تو طلبا بعض مدرسین کی حالت یہ ہے کہ اگر اُن سے برجستہ کسی آیت کا ترجمہ پوچھ لیں تو نہیں بتا سکیں گے۔ اس کے باوجود لمبی لمبی تحقیقات رٹ کر علمیت کا رُعب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

ان مدرسوں کو سنبھالنے کے لیے یہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہمارا مقصد مسلمان پیدا کرنا، پھر مولوی بنانا اور پھر محقق بنانا ہے۔

فتنوں کی سرکوبی کے لیے ہمارے ذمہ دو کام

ایک اور گذارش یہ ہے کہ موجودہ فتنوں کا مقابلہ صرف ان مدرسوں سے تو ہو نہیں سکتا۔ کیوں کہ ان کے فوائد صرف ایک مخصوص حلقہ تک محدود ہیں۔ عوام میں جو بے دینی اور فساد پھیل رہا ہے اس کے انسداد کے لیے مدرسے کافی نہیں ہیں۔

اور یہ کام کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے اور ہم عند اللہ مسئول ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ

ہمارے ذمے دو کام ہیں، ایک افراد سازی اور دوسرا جماعت سازی مگر جماعت سازی اس طریقہ سے نہیں جو آج کل چل پڑا ہے۔ بل کہ اس طرح کہ

ہم تو تنہا ہی چلے تھے جانب منزل مگر ہم سفر ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللّٰهِ (آل عمران: ۵۲): کہ کام کو تنہا ہی شروع کر دیا۔ جب کفر سے مقابلہ پیش آیا تو "من انصاری الی اللہ" فرمایا

مکی زندگی میں افراد سازی ہوئی اور مدنی زندگی میں جماعتی طرز پر کام شروع ہوا

آج ہم جماعت سازی کی فکر میں تو پڑ گئے ہیں، افراد سازی کا کام چھوڑ دیا ہے حالاں کہ جماعت سازی اُس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ فرد سازی نہ ہو۔ مکی زندگی میں آپ ﷺ نے افراد کو تیار کیا۔ جب افراد بن گئے تو مدنی زندگی میں جماعتی طرز کا کام شروع کیا۔

اس لیے میری تجویز ہے کہ تمام مدرسے اپنے اندر تو افراد تیار کریں، اور باہر کے لیے ہر مدرسہ میں ایک تنخواہ دار مبلغ رکھا جائے اور بکثرت مدارس مل کر اس کا کوئی منظم طریقہ باہمی مشورہ سے اختیار کریں۔ اس میں اجمالی طور پر عرض یہ ہے کہ ابتداء صرف مجمع علیہ مسائل (جن پر فقہا کرام کا اتفاق ہے) کی تبلیغ کی جائے۔ جس مسئلہ کی فوری ضرورت سمجھی جائے پورے ملک کے مبلغین اس کی تبلیغ بیک وقت کریں۔

اگر یہ دونوں کام کر لیے گئے تو اُمید ہے کہ ان شاء اللہ ہم اپنی اہم ذمہ داریوں سے کسی حد تک بری ہوسکیں گے۔

اللہ تعالی ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق کامل عطا فرمائے۔ آمین!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰه رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (ماخوذ از البلاغ کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان........۱۲

نشان منزل عرفان جنوں سے ہاتھ آتا ہے	یہاں عقل وخرد کی رہبری پیچیدہ ہوتی ہے

انگلینڈ کے علماء سے خطاب

(افادات)

شہید اسلام حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

ہمارا ایک طریقہ تھا یعنی کسی کے ساتھ جڑ کر رہنا، خود بڑا نہ بننا بل کہ کسی بڑے کے ماتحت ہو کر رہنا اور اپنے آپ کو اللہ کی مخلوق میں کمزور تر سمجھنا، یہ چیز ہمارے اسلاف میں تھی مگر ہم سے یہ چیز نکل گئی اور اس کے نکلنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم میں فتنہ وفساد آیا ہے، اللہ سبحانہ وتعالی ہمارے حال پر رحم فرمائے ، ہمارے بگاڑ کی وجہ سے امت بگڑ رہی ہے (جن لوگوں کی ہمیں اصلاح کرنی تھی) جب ہماری خود ہی اصلاح نہیں ہوئی تو امت کی اصلاح کیسے کریں گے، کوئی ڈاڑھی منڈواتا ہے اور نہ معلوم کیا کیا خرافات کرتا ہے، اور ہم پھر بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔

پیراگراف از بیان

شہید اسلام حضرت مولانا یوسف صاحب

لدھیانوی ؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ...اَمَّا بَعْدُ!

علماء کی دوطرح کی ذمہ داریاں ہیں

آپ حضرات کواس لیے زحمت دی گئی ہے کہ آپ سے ملاقات ہوجائے، اور آپ کی زیارت ہوجائے، دوسرا کوئی خاص موضوع (اس وقت ذہن میں) نہیں ہے۔

آپ حضرات ماشاءاللہ اس ملک (انگلینڈ) میں رہتے ہیں، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی ہمارے ذریعے سے اصلاح ہوسکتی ہے۔ الحمدللہ آپ حضرات ان میں مشغول ہیں، دینی تعلیم کا بھی اہتمام فرماتے ہیں، اور بعض چیزیں ایسی ہیں، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے: ''مِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَۃُ وَفِیْھِمْ تَعُوْدُ'' (مشکوٰۃ ص:۳۸) (انہی کے اندر سے فتنہ نکلے گا اور انہیں میں لوٹے گا) ہمیں اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ خدانخواستہ ہم لوگ ان میں شامل نہ ہوں کہ جن سے فتنہ نکلتا ہے، اور ان ہی میں لوٹتا ہے۔

علماء امت کی ذمہ داریاں جیسا کہ آپ حضرات کو مجھ سے بہتر معلوم ہے، عام لوگوں سے زیادہ ہیں، اور میں ان ذمہ داریوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں:

پہلی ذمہ داری

ایک حصہ تو ہے اپنی ذاتی اور انفرادی اصلاح کا، جس میں اپنے اہل وعیال بھی شامل ہوجاتے ہیں، اپنے گھر والے بھی اور دوسرے متعلقین بھی، اس کا خاص طور پر اہتمام ہونا چاہیے۔

دوسری ذمہ داری

اور دوسری ذمہ داری امت کی اصلاح کی ہے، یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ امت کا اس وقت کیا حال ہو رہا ہے؟ کوئی کسی کی بات سننے اور ماننے کے لیے تیار نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود جہاں تک آپ حضرات کی رسائی ہو سکتی ہے اور جہاں تک آپ کی آواز پہنچ سکتی ہے، نہایت حکمت کے ساتھ، پورے تدبر کے ساتھ، امت کی فکر کرنی چاہیے۔

اپنے علاقے میں جہاں جہاں ہم رہتے ہیں، وہاں وہاں تک اور جہاں تک ہم اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں، وہاں تک آواز پہنچانی چاہیے۔ یہ دو حصے ہوئے ایک حصہ انفرادی اصلاح کا اور دوسرا حصہ امت کی اصلاح کا۔

حضور ﷺ کی قربانیاں

آپ حضرات کو مجھ سے زیادہ معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کو چالیس سال کے بعد نبوت ملی اور اس کے بعد آپ ﷺ دنیا میں صرف ۲۳ سال رہے، اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی راحت، آسائش اور اپنے آرام کی پرواہ نہیں کی، کیوں کہ آنحضرت ﷺ کے ذمے امت کی رہنمائی تھی، آپ ﷺ کے پاس تو پیغمبرانہ قوت و عزیمت تھی، ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی آنحضرت ﷺ کی ریس نہیں کر سکتا۔

عقل حیران ہوتی ہے کہ تیرہ سال تو مکہ مکرمہ میں تکلیفیں اٹھاتے رہے، بعد میں مدینہ طیبہ آ گئے، دس سال کے پورے عرصے میں عرب جیسی اجڈ قوم، جو کسی کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھی، آپ ﷺ نے ان کو بھی رام کر لیا اور دوسری طرف آپ ﷺ نے اسلامی سرحدوں پر کسریٰ سے اور ان کی فوجوں سے مقابلہ کر دیا۔ یہ آپ کی اسی محنت کا نتیجہ اور ثمرہ تھا کہ جب آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو سارا ملک عرب آپ ﷺ کے زیر نگیں تھا۔

ہم حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں

بعد میں پھر فتنے بھی پیدا ہوئے اور بہت سے ایسے لوگ مرتد ہوئے جن کی مکمل اصلاح نہیں ہوئی تھی، آپ ﷺ کے خلفاء کے ذریعے اللہ تعالی نے اصلاح فرمائی، خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ان کی اصلاح فرمائی۔

تو میں عرض کرر ہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی تو کوئی ریس نہیں کرسکتا، کیوں کہ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں آنحضرت ﷺ نے امت کی رہنمائی نہ فرمائی ہو، عقل حیران رہ جاتی ہے کہ تھوڑے سے عرصہ میں آنحضرت ﷺ نے پوری قوم کو اور قوم کے بعد آنے والی نسل انسانی کو راہ راست دکھائی اور ان کو اللہ تعالی کی طرف متوجہ فرمایا۔

ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے نام لیوا ہیں لیکن ہم میں بہت کمزوریاں پائی جاتی ہیں، سب سے پہلے میں نے کہا تھا کہ اپنی انفرادی اصلاح ضروری ہے، مگر افسوس کہ ہم اس کی طرف متوجہ نہیں۔

ذاتی اصلاح کی ضرورت

آپ نے احادیث میں پڑھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر موقع کی دعائیں فرماتے تھے، اور امت کو سکھاتے تھے، ہم سے تقریباً یہ بھی چھوٹ چکی ہیں، بہت کم آدمی ایسے ہوں گے جو اس میں مشغول ہوں گے۔

یہاں (انگلینڈ) کے رہنے والے مولویوں کا تو حال یہ ہے کہ سونا، کھانا اور بس! خوب سوتے ہیں اور خوب کھاتے ہیں، اور کچھ اللہ کے بندے تو ایسے بھی ہیں جو موٹے بھی بہت ہوجاتے ہیں۔ تو میں اس سلسلے میں یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اپنی ذاتی اصلاح سے کبھی آدمی کو فارغ نہیں ہونا چاہیے۔

ہمارے اکابرؒ ہمیشہ صاحب نسبت ہوتے تھے، اہل اللہ سے تعلق ہوتا تھا اور تقویٰ وطہارت کی زندگی ان کا شعار ہوتا تھا، مگر ہم تقریباً ان چیزوں کو بالکل بھول گئے ہیں، ادھر ادھر کی چیزوں میں تو مشغول ہیں، لیکن خاص ہمارے جو کرنے کا کام ہے اس میں کوتاہی ہوگئی ہے۔

شتر بے مہار نہیں رہنا چاہیے

میں آپ حضرات کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات اپنی اصلاح کی طرف اور ذکر الٰہی کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوں، کسی شیخ سے تعلق ہو تو ان کے بتاءے ہوئے معمولات کے مطابق عمل کریں، اگر شیخ سے تعلق نہ ہو تو کسی شیخ سے تعلق قائم کریں، بہرحال ہمارے علماء کرام کو شتر بے مہار نہیں ہونا چاہیے بل کہ ان کی نکیل کسی کے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔

علماء کرام میں ایک کمزوری یہ پائی جاتی ہے کہ کسی کی بات مانتے نہیں ہیں، اپنے گھر میں چودھری ہوتے ہیں، نہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے کوئی اجتماعی کام ہو تو اس میں بھی مشورے کے ساتھ اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

پچھلے انبیاء کے ذمہ مخصوص علاقے تھے

ایک بات تو مجھے یہ عرض کرنی تھی، اور یہ سب سے اہم ترین بات ہے، دوسری بات جو میں نے کہی کہ امت کی اصلاح بھی آپ کے ذمہ ہے، پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کسی خاص علاقے اور کسی بستی کے لیے مبعوث کئے جاتے تھے، ان حضرات کے ذمہ صرف اپنے ماحول کی اصلاح ہوتی تھی، دوسری بستی یا دوسرے علاقے کے لیے اللہ تعالی دوسرے رسول کو بھیج دیتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے: ”كَانَتْ بَنُو اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ

خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَاَنَّهُ لَانَبِيَّ بَعْدِيْ وَسَيَكُوْنُ خُلَفَائَ "(بخاری ج:۱ص:۱۹۱)

ترجمہ: ''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں ہوتی تھی، کسی نبی کا وصال ہوجاتا تو اس کی جگہ دوسرا مقرر کردیا جاتا۔''

وہ خاص خاص علاقوں کے لیے ہوتے تھے، اوران کی ذمہ داری اپنے علاقے تک محدود رہتی تھی۔

علماء عالمی نبی کے نائب ہیں

مگر ہمارے نبی کریم ﷺ پورے عالم کے لیے تشریف لائے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے امتی اور امت میں سے علماء کرام ماشاء اللہ یہ حضور ﷺ کے نائب ہیں۔آپ حضرات جس علاقے میں رہتے ہیں، جہاں تک ممکن ہوسکے اس علاقے کی اصلاح آپ کے ذمہ فرض ہے، مسلمانوں کی بھی اورغیر مسلموں کی بھی، جہاں تک ہوسکے آپ حضرات ایسے اخلاق اپنائیں، ایسے طور طریقے اپنائیں کہ دوسرے لوگوں کوآپ کودیکھ کرنفرت نہ ہو، بل کہ فرمایا گیا ہے: عِبَادُ اللّٰهِ اِذَا رُؤُوْا ذُكِرَاللّٰهُ: اللہ کے بندے وہ ہیں کہ جب ان کے چہرے پر نظر پڑے تو اللہ کی یاد آجائے کے مصداق بنیں، آپ ایسے طریقے پر رہیں کہ آپ کے ذریعہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ یاد آجائے۔

علماء کے اختلافات

علماء کرام میں اختلافات بھی ہوجاتے ہیں، یہ کوئی بری بات نہیں ہے، بل کہ علماء کرام میں اختلاف کا پیدا ہوجانا اچھی چیز ہے، لیکن اس اختلاف کو فساد تک نہیں پہنچنا چاہیے کہ بات عوام میں آجائے، اس سے آپ حضرات کی سبکی ہوگی، اور لوگ کہیں گے کہ علماء کرام آپس میں لڑتے ہیں، حالاں کہ لڑتے تو وہ بھی ہیں، بل کہ وہ

ہم سے زیادہ لڑتے ہیں، مگر علماء کے اختلاف سے عوام میں ان کی بے وقعتی ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ حضرات اگر اختلاف ختم نہیں کر سکتے تو کم سے کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ کسی کو اپنا بڑا بنالیں، اور بغیر دلیل کے ان کی بات مان لیں۔

تنظیم کی ضرورت

میں کل تذکرہ کر رہا تھا حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا، کہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا بل کہ چھوٹے درجے میں مدرس تھا اور ماشاء اللہ مفتی صاحب سیاست کے میدان میں تھے، تو میں نے ان کو ایک لمبا چوڑا خط لکھا، بہت سی باتیں لکھی تھیں۔

ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ یہ زمانہ تنظیم کا ہے حتی کہ ہمارے یہاں چوہڑوں، چماروں اور بھنگیوں کی بھی تنظیم ہے، اگر کوئی بھنگی ناراض ہوجائے تو سارے بھنگی ہڑتال کردیتے ہیں، کلرکوں کی تنظیم ہے وکیلوں کی تنظیم ہے وغیرہ وغیرہ۔ امت کے جتنے طبقات ہیں ان کی تنظیم ہے اور اگر کوئی تنظیم نہیں تو علماء کرام کی نہیں ہے، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک آدمی بڑا ہے، لائق احترام ہے کوئی کسی کو کچھ کہہ بھی نہیں سکتا، اور میں نے یہ لکھا تھا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے: '' اَلسَّمْعَ وَالطَّاعَةَ وَلَوْ اُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدَّعٌ '' (سمع وطاعت بجالاؤ، خواہ تمہارا امیر بنادیا جائے کسی حبشی نکٹے غلام کو) اس کو اپنا بڑا بنالو، بڑا بنا کر اس کی سمع وطاعت بجالاؤ۔ میں نے کہا کہ دوسری امتوں کو تو اللہ تعالی نے یہ ہدایت نہیں دی، یہ سب سے زیادہ مسلمانوں کے لیے تھی اور بالخصوص علماء کرام کے لیے، لیکن اس کو سب سے زیادہ پس پشت بھی ہم نے ڈالا ہے، جب ہماری صورت حال یہ ہو تو کوئی کسی کو کیا کہہ سکتا ہے؟

اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر آجائیں اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر عمل کرنے والے ہوجائیں تو پھر ہمارا سارا معاملہ ٹھیک ہوجائے گا۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر اعتراض

اپنے وصال شریف کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر ملکِ شام کی سرحد پر بھیجنا چاہا تھا، سترہ سال یا اٹھارہ سال آپ کی عمر تھی۔

لوگوں نے کہا کہ یہ بچہ (لونڈا) ہے، اس کو آپ ہم پر امیر بنا رہے ہیں؟ ان سے تو ہمارے پوتے بھی بڑے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”اس سے پہلے تم نے اس کے باپ پر اعتراض کیا تھا (حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر) اور اب تم نے ان پر اعتراض کیا ہے، بہر حال آنحضرت ﷺ نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ ابھی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر جمع ہونے لگا تھا کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی۔

حضور ﷺ کی وفات پر لشکرِ اسامہ کے بارے میں صحابۂ کرام کی رائے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تیاری تھی، اب چوں کہ آنحضرت ﷺ دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے، اس لیے لوگوں کو یہ بات کہنا آسان ہوگئی تھی، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لوگ جھجکتے تھے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے نمائندہ بنا کر لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا (یہ واقعہ حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ نے حیاۃ الصحابہ میں نقل کیا ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ: اول تو اس لشکر کے بھیجنے میں توقف کریں، کیوں کہ ایک تو پہلے ہی حالات بہت مخدوش ہیں، اگر بھیجنا ہی ضروری ہے تو کسی اور آدمی کو امیر مقرر

کردیں۔ یہ چھوٹا بچہ ہے اس کو ہم پر امیر مقرر کررہے ہیں، چوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں شامل تھے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر المومنین بن چکے تھے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس رکھ لیا کہ ان کو میرے پاس رہنے دیں۔ یعنی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے ان کو اپنے پاس رکھنے کی درخواست کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جوش ایمانی

بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ پیغام لے کر حضرت ابوبکر کے پاس گئے روایت کے الفاظ یہ ہیں: " فَوَثَبَ اَبُوْبَكْرٍ وَاَخَذَبِلِحْيَتِهِ " (اچھل کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی پکڑ لی) اور فرمایا: اَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُرِيْدُ اَنْ اَنْزِعَهُ" (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ) کو امیر بنایا ہے اور تو یہ چاہتا ہے کہ میں اس کو اتار دوں؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو امیر بنایا! (اس موقع پر میں نے کسی جگہ لکھا تھا کہ) بظاہر یہ ایک سیاسی بات ہے کہ فلاں آدمی کو امیر بنایا جائے یا نہ بنایا جائے، فوج کا سپہ سالار بنایا جائے یا نہیں بنایا جائے؟ بظاہر یہ خلیفۂ وقت کا کام ہے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو برداشت نہیں کیا، اور آخر میں اتنی بات فرمائی: میں یہ چاہوں گا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو میرے پاس رہنے دیں۔ اب لشکر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا چلا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ لشکر چلا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ سارے مہاجرین وانصار جمع کر دیئے ہیں، تو پیچھے مدینہ خالی ہوجائے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کتے عورتوں کے پاؤں گھسیٹ کر لے جائیں تب بھی میں اس لشکر کو نہیں روک سکتا، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا ہے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، جو نوجوان تھے، ان کو امیر بنانا، ظاہری بات ہے کہ میری اور آپ کی عقل میں کیسے آ سکتا ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عقل میں نہیں آ رہا تھا، حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عقل میں نہیں آ رہا تھا، صرف ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے اس بات کو سمجھا تھا۔

تو جب مسلمانوں نے ایک شخص کو امیر مقرر کر لیا، اپنا بڑا بنایا، اس کے حکم کے مطابق چلے، تو جس طرف گئے مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی کہ ان کے پاس پتہ نہیں کتنا لشکر ہے کہ اتنا لشکر تو یہ باہر بھیج رہے ہیں، باقی لشکر پتہ نہیں ان کے پاس کتنا ہوگا؟ اور راستے میں جہاں جہاں لوگ مرتدین تھے ان کو ہدایت دیتے گئے۔

ہمارے بگاڑ پر امت میں بگاڑ ہے

تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا ایک طریقہ تھا یعنی کسی کے ساتھ جڑ کر رہنا، خود بڑا نہ بننا بلکہ کسی بڑے کے ماتحت ہو کر رہنا اور اپنے آپ کو اللہ کی مخلوق میں کمزور تر سمجھنا، یہ چیز ہمارے اسلاف میں تھی مگر ہم سے یہ چیز نکل گئی ہے۔ اور اس کے نکلنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم میں فتنہ وفساد آیا ہے، اللہ سبحانہ وتعالی ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

ہمارے بگاڑ کی وجہ سے امت بگڑ رہی ہے، (جن لوگوں کی اصلاح ہمیں کرنی تھی) جب ہماری خود ہی اصلاح نہیں ہوئی، تو امت کی اصلاح کیسے کریں گے؟ کوئی ڈاڑھی منڈواتا ہے، اور نہ معلوم کیا کیا خرافات کرتا ہے، اور ہم پھر بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔

تم اسلامی تہذیب کے نمائندے ہو

ہمارے بزرگ فرماتے تھے کہ تم اس ملک میں اسلامی تہذیب کے نمائندے بن کر آئے ہو، اگر تم بھی غیروں کے طریقوں پر چلنے لگے تو تمہاری نمائندگی کیا رہی؟

تو بھائی دو چیزیں میں نے عرض کی ہیں، ایک اپنی انفرادی اصلاح، اور ایک اپنی قومی اصلاح، دونوں چیزوں کا آپ حضرات کو اہتمام کرنا ہے۔

ادھر رمضان مبارک آ رہا ہے، آپ کے یہاں تو رمضان المبارک بھی بہت سستا ہے، آج کل چھوٹے چھوٹے دن ہیں، ادھر روٹی کھائی ادھر ہضم نہیں ہوئی کہ روزہ کھل گیا، ۴ بجے روزہ کھل جاتا ہے۔

بہر حال اللہ تعالی نے دن کو بھی بنایا ہے، رات کو بھی بنایا ہے، کبھی راتیں لمبی ہوتی ہیں دن چھوٹے ہوتے ہیں، کبھی دن لمبے ہوتے ہیں راتیں چھوٹی ہوتی ہیں، اور تمہارے ہاں اگر اور اوپر کی طرف چلے جائیں تو پھر اور بھی مسئلہ مشکل ہو جاتا ہے۔

آپ حضرات کو ایک تو اپنی انفرادی اصلاح کرنی چاہیے اس کا اہتمام کرنا چاہیے اور بے فکر نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ آپ کو اللہ تعالی نے علم عطا فرمایا ہے اور آپ رسول اللہ ﷺ کے وارث ہیں، اور دوسرے امت کی اصلاح کرنی چاہیے جہاں تک ہو سکے۔

اپنے کسی بڑے کے ماتحت چلنے میں عافیت ہے

ایک خاص بات جو آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرنے کی ہے وہ یہ کہ ہم میں سے ہر ایک کا منہ اپنی اپنی طرف ہے، کسی کا کسی طرف ہے، کسی کا کسی طرف ہے، بڑوں کے ساتھ جڑ کر رہو اور وہ جو مشورہ دیں اس کے مطابق عمل کرو، ہمارے تمام مسائل جو الجھے ہوئے ہیں اس کا آسان حل یہی ہے۔

میں جانتا ہوں کہ انگلینڈ میں بہت سے مسائل ہیں تمہارے مسائل حل کرتے ہوئے مفتی محمود صاحبؒ بھی بے چارے چلے گئے، اللہ تعالی ان کو غریق رحمت فرمائے، (آمین) لیکن یہ مانتے ہی نہیں ہیں، ہار کر بے چارے چھوڑ کر چلے گئے، تو

میں تو تمہارے مسائل میں دخل نہیں دینا چاہتا، میں تو بہت کمزور آدمی ہوں، بہت چھوٹا آدمی ہوں، تمہارے مسائل اور معاملات میں دخل دینا نہیں چاہتا، البتہ یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ اپنے معاملات کو اپنے بڑوں کی رائے کے مطابق حل کرو، اس کے ساتھ ذکر الٰہی کی پابندی کرو۔

ہمارے اکابر کا معمول

میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارے اکابرؒ کا معمول یہ تھا کہ وہ فارغ ہونے کے بعد کسی شیخ سے بیعت ہوتے تھے اور ان کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے تھے، مارے مارے پھرتے تھے جب تک کہ یہ چیز حاصل نہیں ہوجاتی تھی اس وقت تک کسی کام میں لگتے نہیں تھے، اور ہم نے یہ طریقہ اپنا لیا ہے کہ ادھر فارغ ہوئے اُدھر کسی مسجد کی تلاش کی فکر میں گم ہوگئے، کہ کوئی نہ کوئی مسجد ملے۔

ارے بھائی! روٹی کی فکر نہ کرو، روٹی ان شاء اللہ تعالیٰ دے گا، اور تمہیں تو اچھی روٹی ملتی ہے۔ ذکر کی پابندی کرو۔ مولانا (سلیم) دہرات صاحب سے عرض کیا ہے کہ یہ بھی اپنے حلقے میں ذکر شروع کریں، انہوں نے اپنے طور پر اہتمام کیا ہے لیکن اپنے ساتھیوں کے ساتھ اہتمام نہیں کیا، میں کہا آپ کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی طرف سے بیعت کی اجازت دی گئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ آپ اہتمام کریں، آپ خود ہی اس کی طرف نہیں متوجہ ہوئے۔

ذکر و تلاوت کا اہتمام کرو

ایک تو ذکر کا اہتمام کرو، دوسرے رمضان المبارک آرہا ہے، قرآن مجید کی تلاوت کا اہتمام کرو، جو حضرات قرآن مجید کے حافظ ہیں وہ سنانے کا کوئی اہتمام

کریں اور جو حافظ نہیں ہیں وہ بھی تلاوت کا اہتمام کریں۔ راتیں ماشاء اللہ بڑی ہیں کم سے کم رمضان المبارک میں پانچ پارے سے دس پارے تو منزل ہونی چاہیے۔

آپس میں جوڑ پیدا کرو

اور تیسری بات یہ ہے کہ آپس میں جوڑ رکھو، جتنی ہو سکے ایک دوسرے کی بات کو کاٹا نہ کرو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔

لَاتَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانَا

ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔

بس یہی میں عرض کرنا چاہتا تھا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَ بِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیان........(۲۲)

اے لاالہ کے وارث! باقی نہیں ہے تجھ میں	گفتار دلبرانہ کردار قاہرانہ

جواہر الحکم

(افادات)

شیخ العرب والعجم سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ

حضرت سید الطائفہ کے جواہر پارے بروایت حضرت اقدس تھانویؒ
کتاب ''معارف الاکابر'' سے ماخوذ ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس

فرمایا: ہمارے مرشد حضرت حاجی صاحب نے ایک مرتبہ ایسی عجیب اور گہری بات فرمائی جو آج تک کسی رفارمر کی زبان پر نہیں آئی۔

فرمایا: لوگ اتفاق اتفاق پکارتے ہیں اور اتفاق کی جڑ اُن میں نہیں محض باتوں سے اتفاق کرنا چاہتے ہیں، اتفاق کی جڑ ہے تواضع، جو لوگ متواضع ہوں گے ان میں نزاع ہو ہی نہیں سکتا، جب ہر شخص میں تواضع ہوگی تو ہر شخص اپنے اوپر دوسرے کے حقوق سمجھے گا اور اُن میں اپنے کو قاصر پائے گا تو سب کے سب ایک دوسرے کے سامنے بچھیں گے اور اتفاق ہے۔

پیراگراف

ازافادات حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى... اَمَّا بَعْدُ!

جن وانس کا مقصد تخلیق

فرمایا: حضرت حاجی صاحب کے سامنے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات:۵۶) یعنی میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا کہ میری عبادت کریں۔

کہ اس میں جن وانس کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟..... اللہ تعالیٰ کی عبادت تو ساری مخلوق ہی کرتی ہے، کچھ جن وانس کی تخصیص نہیں، جیسا کہ دوسری آیات سے فرشتوں کے متعلق معلوم ہوتا ہے..... يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ (الأنبياء:۲۰) یعنی وہ پاکی بیان کرتے ہیں رات اور دن اور اس سے تھکتے نہیں وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلاَّ يُسَبِّحُ بِحَمْدَهِ وَلَكِن لاَّ تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (الإسراء : ۴۴) یعنی کوئی بھی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتعریف نہ کرتی ہو، لیکن ان کی تسبیح کو تم لوگ نہیں سمجھ سکتے۔

تخصیص جن وانس کی لطیف توجیہ

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک تو عبادت ہے اور ایک طاعت ہے، اول ایک مثال سے ان دونوں میں فرق سمجھ لو۔

وہ یہ کہ ایک تو نوکر ہے اور ایک غلام ہے، نوکر کا کام تو معین ہوتا ہے خواہ ایک یا متعدد، مثلاً باورچی ہے کہ اس کے لیے کھانا پکانے کی خدمت معین ہے یا سپاہی ہے

مکان پر، بازار اور گھر کام کرنے کے لیے کوئی نوکر ہے، تو جس خدمت کے واسطے یہ لوگ نوکر ہیں ان سے وہی خدمت لی جاسکتی ہے خود آقا بھی اس کا لحاظ رکھتے ہیں حتی کہ اگر آقا باورچی سے کہے کہ یہ خط لے کر گنگوہ جاؤ، تو نوکر ضابطہ میں انکار کرسکتا ہے .....اور غلام کی کوئی خدمت معین نہیں ہے بل کہ تمام خدمات اس کے ذمہ ہیں جس کا بھی حکم ہوجائے، چنانچہ ایک وقت اس کو آقا کا پاخانہ بھی اٹھانا پڑتا ہے اور ایک وقت میں آقا کی پوشاک پہن کر آقا کا قائم مقام اور نائب بن کر جلسہ یا دربار میں جانا پڑتا ہے غرض یہ کہ غلام کو کسی وقت بھی خدمت سے انکار نہ ہوگا۔

جن وانس کی شان غلام کی سی ہے

اسی طرح جن وانس کے سوا تمام مخلوق کی اطاعت معین ہے، ہر شئ مخلوقات میں سے ایک خاص کام پر معین ہے، کہ اس کے سوا دوسرا کام اس سے نہیں لیا جاتا .....مگر انسان کی کوئی خدمت معین نہیں، چنانچہ ایک وقت میں انسان کا سونا عبادت ہے، ایک وقت میں پاخانہ پھرنا بھی عبادت ہے مثلاً جماعت تیار ہو اور پیشاب پاخانہ کا زور ہو تو اس وقت پیشاب پاخانہ سے فراعت حاصل کرنا واجب ہے اور نماز پڑھنا اس وقت حرام ہے، اگر پیشاب پاخانہ سے فراغت حاصل نہ کی تو حرام فعل کا مرتکب ہوا اس وقت اس کا بیت الخلاء میں جانا عبادت ہے، ایک وقت انسان کی یہ حالت ہے اور ایک وقت انسان کی یہ شان ہے کہ مظہر حق بنا ہوا ہے اس وقت اس کی زبان سے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں۔

غرض جو شان غلام کی ہوتی ہے وہی انسان کی ہے، عبد شدن (بندہ ہونے) کے لیے انسان ہی ہے باقی تمام مخلوق ذاکر شاغل ہے، مگر عابد صرف انسان ہی ہے، یہ کسی خاص حالت اور خاص کام کو اپنے لیے تجویز نہیں کرسکتا بل کہ حضرت حق جس حالت میں رکھے اسی میں اس کو رہنا چاہیے۔

ظاہری سہارے کو نہ چھوڑو

فرمایا: ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے جب کوئی خادم عرض کرتا کہ حضرت! جی چاہتا ہے کہ ملازمت چھوڑ دوں تو فرماتے کہ بھائی ایسا نہ کیجیو، نوکری بھی کرو، اللہ کے یاد میں بھی لگے رہو، اور جانتے تھے کہ قلب میں قوتِ توطل ہے نہیں، ظاہری سہارے کو چھوڑ کر خدا جانے کن مصیبتوں میں پھنس جائے اور حالت کیا ہو جائے؟ اکثروں کو ایسے واقعات پیش آئے کہ انہوں نے معاش کی تنگی کی وجہ سے یہودیت یا نصرانیت کو اختیار کر لیا، بعض کے دل میں خدا کی شکایت پیدا ہوگئی، وہ یوں دین سے برباد ہو گئے تو اگر نوکری پر لگے رہے تو زیادہ سے زیادہ کسی مصیبت ہی میں مبتلا رہیں گے، کفر وشرک سے تو بچے رہیں گے۔

عاشق کی تین قسمیں

فرمایا: حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ عاشق احسانی ہیں، عاشق ذاتی یا صفاتی نہیں، کیوں کہ عاشق کی تین قسمیں ہیں، عاشق ذاتی، عاشق صفاتی، عاشق احسانی۔

عاشق ذاتی تو محض محبوب کی ذات کو ہی محبت کے قابل سمجھتا ہے چاہے اس میں کوئی کمال نہ ہو، اور عاشق صفاتی محبوب سے بوجہ اس کے کمالات کے محبت کرتا ہے۔

تو فرمایا کہ بھائی ہم لوگ عاشق احسانی ہیں جب تک راحت سے گذرتی ہے تو محبت قائم رہتی ہے اور اگر ذرا ادھر سے عطا میں کمی ہو جائے تو ہماری محبت کمزور ہو جاتی ہے، اسی لیے حضرت حاجی صاحبؒ ترک لذات کا امر نہ فرماتے تھے بل کہ فرمایا کرتے تھے کہ خوب کھاؤ پیو اور کام بھی خوب کرو، اس کا راز یہ ہے کہ پہلے زمانے میں لوگوں میں قوت تھی اس لیے راحت، تکلیف دونوں حالت میں ان کو حق

تعالی سے یکساں تعلق رہتا تھا اور اب ضعف ہے اگر مزید ارنعمتیں ملتی رہیں تو حق تعالی سے محبت رہتی ہے اور نہیں تو مشقت وتکلیف میں وہ حالت نہیں رہتی اور فرمایا: یہی راز ہے کہ شریعت میں حج کے واسطے زادراہ کی شرط لگائی کیوں کہ ہم لوگ عاشق احسانی ہیں جب راحت کے ساتھ حج کریں گے تو اللہ تعالی کے ساتھ محبت زیادہ ہوگی، اور اگر زادوراحلہ نہ ہوتو بجائے محبت کے دل میں اور رکاوٹ پیدا ہوگی۔

بعض بندے عاشق ذاتی وصفاتی ہیں

مگر زادوراحلہ کی قید ان ہی ضعفاء کے لیے ہے جو کہ عاشق احسانی ہیں ورنہ اقویاء کی بابت تو خود نص میں ذکر ہے: وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (الحج:۲۷)

حق تعالی شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کردو، لوگ آپ کے پاس پیدل اور دبلی اونٹنیوں پر سوار ہوکر آئیں گے، معلوم ہوا کہ بعض لوگ پیدل بھی آئیں گے جن کے پاس زادوراحلہ نہ ہوگا کیوں کہ حق تعالی اس مقام پر ان آنے والوں کی مدح فرمارہے ہیں تو معلوم ہوا کہ پیدل آنے والے بھی حق تعالی کے یہاں ممدوح ہوں گے تو یہ لوگ ضعفاء نہیں اقویاء ہیں جن کے واسطے زادوراحلہ کی کوئی قید نہیں، ان کو سفر کی کلفت سے پریشانی نہیں ہوتی۔

مخلوق کو دیکھ کر عمل نہ کرنا ریاکاری ہے

فرمایا: حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ جیسے مخلوق کو دکھانے کے لیے عمل کرنا ریا ہے اسی طرح ان کے دیکھنے کی وجہ سے عمل نہ کرنا بھی ریا ہے کیوں کہ یہ اس کی دلیل ہے کہ ہنوز تمہاری نظر مخلوق پر ہے اس سے نظر قطع نہیں ہوئی ورنہ

آدمیوں کو اور در و دیوار کو برابر سمجھتے پس عمل نہ مخلوق کے لیے کرو اور نہ؛ نہ کرو (یعنی نہ ان کی وجہ سے عمل ترک کرو)

عارف کا مقصود رضاء الٰہی ہے

فرمایا: ہمارے حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک بیمار شخص آیا اور اس نے عرض کیا کہ حضرت میں بیمار ہو گیا تھا اور افسوس ہے کہ مسجد حرام میں نماز نہ پڑھ سکا آپ نے اس کے واسطے دعائے صحت فرمائی اور رخصت کیا، اس کے چلے جانے کے بعد جب عرفاء کا مجمع رہ گیا تو فرمایا کہ یہ شخص عارف ہوتا تو ہرگز قلق نہ کرتا کیوں کہ جس طرح وصول کی یہ صورت ہے کہ حرم میں نماز پڑھو، یہ بھی ایک صورت ہے کہ عذر سے گھر میں نماز پڑھ کر حرم کو ترستے رہو، اس لیے عارف کی نظر میں دونوں حالتیں وصول کا سبب ہیں اور یکساں ہیں، عارف تو ایک بندۂ رضا جو ہے اس کا مقصد ادائے صلوۃ ہے، اگر مسجد حرام میں ہوسکتا تو وہاں ادا کرتا اور عذر یا بیماری کی وجہ سے وہاں ادا نہ کرسکتا تو اپنے گھر پر ادا کرتا اور حسب حدیث نماز کا وہی اجر ملتا جو تندرستی کی حالت میں حاضری حرم سے ملتا۔

اتفاق کی جڑ تواضع ہے

فرمایا: ہمارے مرشد حضرت حاجی صاحب نے ایک مرتبہ ایسی عجیب اور گہری بات فرمائی جو آج تک کسی رفارمر کی زبان پر نہیں آئی۔

فرمایا: لوگ اتفاق اتفاق پکارتے ہیں اور اتفاق کی جڑ ان میں نہیں محض باتوں سے اتفاق کرنا چاہتے ہیں، اتفاق کی جڑ ہے تواضع، جو لوگ متواضع ہوں گے ان میں نزاع ہو ہی نہیں سکتا، جب ہر شخص میں تواضع ہو گی تو ہر شخص اپنے اوپر دوسرے کے حقوق سمجھے گا اور ان میں اپنے کو قاصر پائے گا تو سب کے سب ایک دوسرے کے

سامنے بچھیں گے اور یہی اتفاق ہے۔

اپنے نفس سے ہمیشہ سوء ظن رکھے

فرمایا: اَلْحَزْمُ سُوْءُ الظَّن کی تفسیر میں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ ای بنفسہ یعنی دانائی اور احتیاط یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس سے سوء ظن ہی رکھے، کسی وقت مطمئن نہ ہو ہمیشہ کھٹکتا رہے، اگر چہ حکماء نے اس جملہ کے دوسرے معنی بھی لیے ہیں وہ یہ کہ انسان کو کسی پر اعتماد نہ کرنا چاہیے، ہر شخص سے بدگمان رہے، احتیاط رکھے، وہ یکساہی مخلص دوست ہو، معاملہ کے اعتبار سے یہ بھی صحیح ہے مگر عارفین یہ کہتے ہیں کہ دوسروں سے تو حسن ظن رکھے اور اپنے نفس سے سوء ظن رکھے۔

ذکر میں گریہ عارضی حالت ہے

فرمایا: ایک مرتبہ مولانا گنگوہی نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ مجھے رونا نہیں آتا حالاں کہ اور ذاکرین پر کثرت سے گریہ طاری ہوتا ہے، حضرت نے فرمایا جی ہاں! اختیاری بات نہیں کبھی آنے بھی لگتا ہے، پھر تو یہ حال ہوا کہ جب مولانا ذکر کرنے بیٹھتے تاب نہ ہوتی پسلیاں ٹوٹنے لگتیں، پھر حضرت سے عرض کیا کہ حضرت پسلیاں ٹوٹی جاتی ہیں، حضرت نے فرمایا ہاں یہ بھی ایک عارضی حالت ہے جاتی بھی رہتی ہے، پھر یہ گریہ یکدم موقوف ہو گیا پھر حضرت سے شکایت کی، حضرت نے فرمایا پسلیاں ٹوٹ جائیں گی، رو کر کیا کرو گے؟

دنیا کی مثال

فرمایا: ایک اور مثال حضرت فرماتے تھے کہ ایک طوطا پنجرے میں بند ہے، اور باغ کے ایک درخت میں بندھا ہوا ہے، درخت پر دوسرے طوطے دوڑ رہے ہیں، یہ

طوطا جو پنجرے میں بند ہے چاہے گا کہ قفس ٹوٹ جائے اور میں ان طوطوں میں مل جاؤں اور ایک اور طوطا پنجرے میں بند ہے اور اس کے ارد گرد بلبلوں کا ہجوم ہے وہ اس قید ہی کو غنیمت سمجھے گا، اسی طرح انسان کا بدن گویا ایک قفس ہے اس کے ٹوٹنے کی ہر شخص تمنا نہیں کر سکتا جو لوگ نیک ہیں وہ البتہ خواہش ظاہر کریں گے کہ جلد قفس عنصری ٹوٹ جائے اور روح نکل کر واصل بحق ہو، ایسے لوگ تمنائے موت کریں گے، اور جو لوگ سیئات میں مبتلا ہیں وہ ہرگز ایسی تمنا نہیں کر سکتے بل کہ موت سے گھبرائیں گے اور ڈریں گے یہی مطلب ہے اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْ مِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ: دنیا مومن کے لیے بہ منزلہ جیل کے ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔

وہ طوطا جس پر بلبلوں کا ہجوم ہے قفس کو جنت خیال کرتا ہے اور جو باغ میں لٹکا ہوا ہے وہ قفس کو جیل خانہ سمجھتا ہے اور وطن اصلی کو یاد کر کے اس کی آرزو کرتا ہے۔

ہر کسے کہ دور ماند ز اصل خویش	باز جوید روز گار وصل خویش

ہر شخص کا قاعدہ یہی ہے کہ جب وہ اپنی اصلیت سے دور ہو جاتا ہے تو پھر اپنے گزرے ہوئے زمانے کو یاد کرتا ہے۔

علامت قبولیت

فرمایا: حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اپنا نام لینے کی توفیق عطا فرمائی اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے:

یابم اورا یا نیابم آرزوئے می کنم	حاصل آید یا نیاید جستجوئے می کنم

”میں اس کو پاؤں یا نہ پاؤں، وہ ملے نہ ملے میں آرزو کرتا ہوں۔“

اور فرمایا کرتے: جس طاعت کے بعد پھر اس طاعت کی توفیق ہو یہ طاعت

سابقہ کے قبول کی علامت ہے، نیز حضرت نے فرمایا کہ تم کسی امیر کے گھر جاؤ جو تمہارے آنا پسند نہ کرے تو وہ کان پکڑ کر نکال دے گا، جب مسجد میں جاتے ہو اور وہاں سے نہیں نکالے جاتے تو سمجھو کہ حاضری مقبول ہے، چنانچہ غیر مقبولین کو حاضری کی توفیق بھی نہیں ہوتی۔

اللہ تعالی حضرت کے افادات پر عمل کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان........ ۲۳

دنیا ہے روایات کے پھندوں میں گرفتار	کیا مدرسہ کیا مدرسہ والوں کی تگ ودو

مقالاتِ حکمت

(افادات)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ

اس میں حضرت کے وہ اصول ہشت گانہ ہیں جن پر دار العلوم کی بنیاد رکھی گئی
نیز کچھ معارف وحکم بھی حضرت کے بروایت حضرت تھانوی تحریر کئے گئے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس

مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں تب تک یہ مدرسہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح ان شاء اللہ چلتا رہے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ، تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یہ خوف و رجا جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا، اور امداد غیبی موقوف ہوجائے گی، اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا۔

القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

پیراگراف

از بیان حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى... اَمَّا بَعْدُ!

اصول ہشت گانہ

حضرت نانوتوی قدس سرہ رقم طراز ہیں: وہ اصول جن پر یہ مدرسہ اور نیز اور مدارس چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں۔

اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنانِ مدرسہ کی ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں، اوروں سے کرائیں، خیر اندیشان مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

(ف) یہ اصل بڑی حکمت پر مبنی ہے اس لیے کہ اس سے ایک طرف تو مدرسہ کی ظاہری ترقی ہے اور دوسری طرح عوام کا مدرسہ سے تعلق اور جوڑ پیدا ہوگا، اہل علم سے ربط ہوگا جس سے ان کی دینی حالت درست ہوگی، آج باطل اس کوشش میں ہے کہ عوام کا اہل علم سے ربط ختم کر دیا جائے، جس میں کافی حد تک وہ کامیاب بھی ہیں، لہٰذا اہل مدرسہ کو چندہ کے ساتھ اس کی رعایت رکھنا بے انتہا ضروری، محض تکثیر چندہ ہی مقصود نہ بن جائے (از مرتب)

اصل دوم

ابقائے طعام طلبہ بل کہ افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشانِ مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

(الف) اس اصل میں طلبہ کی رعایت اور ان کے قیام وطعام کے حسن انتظام کی طرف توجہ دلائی ہے، ظاہر ہے کہ طلبہ کے ساتھ جتنی رعایت کا برتاؤ اور ان کے آسائش

وآرام کا خیا کیا جائے گا، ان کی سہولت کا انتظام کیا جائے گا اتنی ہی دلجمعی کے ساتھ وہ حصول علم میں مشغول رہیں گے، اوران شاء اللہ دین کے سچے پکے خادم ہوں گے۔

اہل مدارس کواس حسن انتظام کے ساتھ تعلیم وتربیت پر بھی پوری توجہ صرف کرنی چاہیے۔(از مرتب)

اصل سوم

مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو، اپنی بات کی پیچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفتِ رائے اوراوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہوتو پھراس مدرسہ کی بنا میں تزلزل آجائے گا۔

القصہ تہ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کے پس وپیش میں اسلوبیٔ مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو، اوراس لیے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہارِرائے میں کسی وجہ سے متأمل نہ ہوں، اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بدل وجان قبول کریں گے۔

نیز اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امورِمشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مشورہ رہتے ہوں یا کوئی وارد وصادر جو علم وعقل رکھتا ہواور مدرسوں کا خیر اندیش ہو۔

نیز اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہل مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئے اور بقدرضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتدبہ سے مشورہ کیا گیا ہوتو

پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر ہر ایک اہل مشورہ معترض ہوسکتا ہے۔

فائدہ: اس اصل میں اہل مدرسہ کو اس طرف توجہ دلائی کہ ہمیشہ مصالح مدرسہ پیش نظر رہے اپنی رائے پر اصرار اور ضد نہ ہو جس سے آپس میں انتشار و نزاع پیدا ہو کہ یہ سخت مضر ہے، اور اللہ کی مدد بھی اس صورت میں اٹھ جاتی ہے۔

اصل چہارم

یہ بات بہت بڑی ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علمائے روزگار خود بین اور دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

فائدہ: کیوں کہ جب پڑھانے والوں میں ہی باہمی اتحاد و اتفاق نہ ہوگا تو لامحالہ اس اثرات طلبہ پر پڑیں گے، طلبہ میں بھی اتحاد فکر پیدا نہیں ہوسکتا، انتشار و خلفشار کی ایک فضا بنے گی، جس سے خیر و برکت علم بھی اٹھ جاتی ہے۔ (از مرتب)

اصل پنجم

خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہوچکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری ہوجایا کرے، ورنہ تو یہ مدرسہ اول تو خود آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

فائدہ: یہ اصل بھی بہت اہم ہے اگر اس کا لحاظ نہ کیا گیا تو طلبہ میں علمی استعداد اور پختگی پیدا نہیں ہوسکتی جو مدرسہ کا اصل مقصود ہے، لہٰذا اہل مدارس کو اس کی رعایت بھی از حد ضروری ہے۔ (از مرتب)

اصل ششم

مدرسہ میں جب تک آمدنی کوئی سبیل یقینی نہیں تب تک یہ مدرسہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح ان شاء اللہ چلتا رہے گا، اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یہ خوف ورجا جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی بھی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا۔

القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

فائدہ: اس اصل پر اہل مدارس کو بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، آج بہت بڑا المیہ یہ ہوا ہے کہ اللہ کی ذات سے نگاہ ہٹ کر اشخاص وذوات پر ہو رہی ہے، اسی وجہ سے وہ خیر وبرکات ظاہر نہیں ہو رہی ہیں جو ماضی قریب میں ہو رہی تھی، نگاہ جب اللہ کی ذات پر ہوگی تو اللہ تعالی غیبی طریقے سے ضروریات کا تکفل فرمائیں گے۔

اصل ہفتم

سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

فائدہ: یہ مرض بھی مدارس میں وجود پذیر ہو رہا ہے، اور مطمئن ہیں کہ ماشاء اللہ مدرسہ خوب روبہ ترقی ہے...... مگر یہ بھول رہے ہیں کہ مدارس میں ظاہری طور پر خوب ترقی ہو رہی ہیں، خوب ریل پیل نظر آ رہی ہے، مگر باطنی اعتبار سے روح نکلتی جا رہی ہے۔ باطنی رونق ختم ہوتی جا رہی ہے، اور بقول مفتی شفیع صاحبؒ کے مدارس بانجھ ہوتے جا رہے ہیں۔(ازمرتب)

اصل ہشتم

تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندے سے امید ناموری نہ ہو، بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ: یہ اصل بھی بہت قابل لحاظ ہے، اہل مدارس محض تکثیر چندہ کو ہی مقصود نہ بنالیں انہیں لوگوں سے وصول کریں جو مخلص ہوں، ناموری کے طالب نہ ہوں، ظاہر حال سے اکثر پتہ لگ جاتا ہے مگر اس میں بھی آج بہت زیادہ کوتاہی ہورہی ہے (از مرتب)

اللہ تعالیٰ ان اصول ہشت گانہ کے مطابق مدارس کا نظام چلانے کی توفیق عطا فرمائے اور ان مدارس دینیہ کو مخلصین کے وجود اور صالح افراد سازی کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

بعض افادات حضرت نانوتویؒ بروایت حضرت تھانویؒ

اہل اللہ کو دنیا عزت سے ملتی ہے

فرمایا: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کا فرمانا یاد آ گیا کہ دنیا ہمیں بھی ملتی ہے اور امراء کو بھی مگر اتنا فرق ہے کہ ہم کو عزت کے ساتھ ملتی ہے اور ان کو ذلت کے ساتھ، مگر اس استغنا کا حاصل اپنی عزت کی حفاظت ہے نہ کہ امراء کی تحقیر کیوں کہ کسی کی تحقیر بہت بری بات ہے۔ (الافاضات الیومیہ)

شان استغنا

فرمایا: حضرت مولانا قاسم صاحب کا قصہ ہے کہ بریلی کے ایک رئیس نے

غالباً چھ ہزار روپیہ پیش کیا کہ کسی نیک کام میں لگا دیجیے فرمایا کہ لگانے کے بھی تم ہی اہل ہوتم ہی خرچ کردو۔

اس نے عرض کیا کہ میں کیا اہل ہوتا، فرمایا: میرے پاس اس کی دلیل ہے وہ یہ کہ اگر اللہ تعالی مجھ کو اہل سمجھتے تو مجھ کو ہی دیتے۔

تبسم فرماتے ہوئے حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اس کا جواب تو تھا کہ حضرت! اللہ میاں دے تو رہے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ)

حضرت نانوتویؒ کی تواضع اور زہد

فرمایا: حضرت مولانا قاسم صاحب کو ایک صاحب مطبع میں ملازم رکھنا چاہتے تھے، آپ نے فرمایا: علمی لیاقت تو مجھ میں ہے نہیں البتہ قرآن کی تصحیح کرلیا کروں گا، اس میں دس روپئے دے دیا کرو، اللہ اللہ! کیا تواضع اور زہد ہے۔

اسی زمانے میں ایک ریاست سے تین سو روپئے ماہوار کی نوکری آ گئی، مولانا جواب میں لکھتے ہیں:

آپ کی یاد آوری کا شکر گذار ہوں مگر مجھ کو یہاں دس روپئے ملتے ہیں جس میں پانچ روپئے تو میرے اہل وعیال کے لیے کافی ہوجاتے ہیں اور پانچ روپئے بچ جاتے ہیں، آپ کے یہاں سے جو تین سو روپیہ ملیں گے ان میں سے پانچ روپئے تو خرچ میں آ جائیں گے اور دوسو پچانوے روپئے جو بچیں گے میں ان کا کیا کروں گا مجھ کو ہر وقت یہی فکر رہے گا کہ ان کو کہاں خرچ کروں؟

غرض تشریف نہیں لے گئے۔

بزرگوں کے رنگ جداگانہ ہیں

اسی کے ساتھ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کو بھی لکھا تھا اور سو روپیہ تنخواہ لکھی تھی، مولانا نے دوسرا جواب دیا کہ میں آ سکتا ہوں مگر تین سو روپئے سے کم میں نہیں آ سکتا۔

حضرت مولانا قاسم صاحب نے فرمایا کہ مولانا! ذرا سنبھل کر جواب لکھیے، اگر تین سو روپیے کی منظوری پر طلبی آ گئی تو وعدہ پر جانا ہوگا تو مولانا یعقوب صاحب نے اس کے ساتھ یہ جملہ بھی بڑھا دیا کہ:

''مگر اس میں ایک شرط ہے، وہ یہ کہ جب چاہوں گا یہاں رہوں گا جب چاہوں گا وہاں رہوں گا۔''

وہ رئیس صاحب بھی سمجھ گئے کہ ان حضرات کو آنا ہی منظور نہیں، اور واقعی جانا تھوڑا منظور تھا، مولانا یعقوب صاحب نے یہ بات ظرافت کے طور پر لکھ دی تھی۔

اللہ اکبر! کس قدر استغنا تھا ان حضرات میں، واقعی اہل اللہ کو مال کی کثرت سے بھی بار ہوتا ہے، ان کو خیال ہوتا ہے کہ خدا جانے اس کے حقوق ہم سے ادا ہوں یا نہ ہوں۔ (خیر المال للرجال)

ناموری کی قیمت پھوٹی کوڑی بھی نہیں

فرمایا: مولانا محمد قاسم صاحب نے ایک شادی کے متعلق جس میں بہت زیادہ خرچ کیا گیا جس میں نیت محض ناموری کی تھی.... فرمایا کہ خرچ تو خوب کیا لیکن اتنی چیز سے ایسی چیز خریدی کہ جس کو اگر بیچنے لگیں تو پھوٹی کوڑی کو بھی کوئی نہ لے، وہ کیا چیز ہے؟ نام اکثر تو نام بھی حاصل نہیں ہوتا، لوگ کہتے ہیں اتنے بڑے رئیس نے اگر ایسا کیا

تو کیا کمال کیا:

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے	حاصل خواجہ بجز پندار نیست

اگر شریعت پر عمل کریں تو آخرت بھی سدھرتی ہے اور دنیا بھی برباد نہیں ہوتی۔

اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا

فرمایا: مولانا محمد قاسم صاحب کا جواب اس اعتراض کے متعلق یہ ہے کہ اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو یہ بتلاؤ کہ وہ شمشیر زن کہاں سے آئے تھے؟ کیوں کہ تلوار خود تو نہیں چل سکتی تو جن لوگوں نے سب سے پہلے تلوار چلائی ہے یقیناً وہ تو تلوار سے مسلمان نہیں ہوئے تھے کیوں کہ ان سے پہلے تلوار کا چلانے والا کوئی تھا ہی نہیں، تو ثابت ہوا کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ جہاد مدینہ میں آ کر شروع ہوا، اور اہل مدینہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، آخر ان کو کس تلوار نے مسلمان کیا تھا؟

اور مکہ میں جو کئی سو مسلمان ہوئے اور کفار کے ہاتھوں اذیتیں برداشت کرتے تھے آخران کو کس تلوار نے مسلمان کیا تھا۔ (محاسن الاسلام) کسی نے سچ کہا ہے:

کتنا عالمگیر تھا تبلیغ الفت کا فروغ	گوشہ گوشہ میں جہاں کے روشنی ہوتی گئی

قبول عام کی دو صورتیں

خاں صاحبؒ نے فرمایا کہ میں اس وقت مولانا نانوتویؒ کا ایک ملفوظ سناتا ہوں جو اس مقام کے مناسب ہے کہ قبول عام کی دو صورتیں ہیں:

ایک وہ قبول جو خواص سے لے کر عوام تک پہنچے، اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع

ہواور اس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے۔

پہلا قبول علامتِ قبولیت ہے نہ کہ دوسرا، کیوں کہ حدیث میں جو مضمون علامتِ مقبولیت آیا ہے، وہ یہ ہے کہ اول بندہ سے اللہ تعالی محبت کرتے ہیں، پھر وہ ملائے اعلی کو محبت کا حکم دیتے ہیں اور ملا اعلی اپنے نیچے والوں کو، یہاں تک کہ وہ حکم اہل دنیا تک آتا ہے اور جو ترتیب ملائے اعلی میں تھی اسی ترتیب سے اس کی محبت دنیا میں پھیلتی ہے کہ پہلے اس سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اس کے بعد دوسروں کو، پس جو مقبولیت اس کے برعکس ہوگی وہ دلیل مقبولیت نہ ہوگی۔ (ارواح ثلثہ ۱۶۴)

شہباز عرش

فرمایا: ایک جگہ مولانا محمد قاسم صاحب وعظ فرمارہے تھے، مولانا گنگوہی بھی شریک تھے ایک صاحب بولے کہ خیر وعظ کی مجلس میں بیٹھنے کا ثواب تو ہو گیا باقی سمجھ میں کچھ آیا نہیں، اگر مولانا عام فہم مضامین بیان فرمایا کریں تو کچھ نفع بھی ہو۔

مولانا گنگوہی سن رہے تھے فرمایا کہ افسوس ہے شہباز عرش سے درخواست کی جاتی ہے کہ زمین پر اُڑے۔

مولانا محمد قاسم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں وعظ میں جو کہیں کسی قدر رک جاتا ہوں تو سوچنے کی غرض سے نہیں بل کہ مضامین کا اس قدر ہجوم اور تواتر ہوتا ہے کہ پریشان ہو جاتا ہوں، سوچتا ہوں کہ کس کو مقدم کروں کس کو مؤخر کروں (احسن العزیز)

امراء کے معاملہ میں غیور

فرمایا: نواب کلب علی خاں کا زمانہ تھا، نواب صاحب نے کہلوا بھیجا کہ آپ کو تکلیف تو ہوگی لیکن مجھے زیارت کا بے حد اشتیاق ہے۔

مولانا نے اور تہذیب کا جواب کہلا بھیجا کہ میں ایک کاشت کار کا بیٹا ہوں، آداب دربار سے ناواقف ہوں کوئی بات آداب دربار کے خلاف ہوگی تو یہ نازیبا سا ہے۔

نواب صاحب نے کہلا بھیجا کہ حضرت آپ کے لیے سب آداب معاف ہیں۔

پھر مولانا نے کہلا بھیجا کہ وہ جواب تو تہذیب کا تھا اب ضابطہ کا جواب دینا پڑا، آپ فرماتے ہیں کہ مجھے ملاقات کا اشتیاق ہے سبحان اللہ!

پھر نواب صاحب کی ہمت نہ بلانے کی ہوئی نہ حاضر ہونے کی، واقعی مولانا بڑے تارک (الدنیا) تھے (حسن العزیز)

اہل بدعت کے ساتھ حضرت کا برتاؤ

فرمایا: مولانا محمد قاسم نانوتوی کے خاص بے تکلف مرید امیر شاہ خاں صاحب مرحوم نے ایک مرتبہ فضل رسول صاحب جو اس زمانے کے اہل بدعت میں سے تھے، ان کا نام بگاڑ کر فضل رسول کے بجائے فصل رسول صرف صاد کے ساتھ کہا

حضرت نے ناراض ہو کر سختی سے فرمایا کہ وہ جیسے بھی کچھ ہوں تم تو آیت قرآن ''وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ'' کے خلاف کر کے گناہ گار ہو ہی گئے۔ (مجالس حکیم الامت)

حضرت نانوتوی کا تقویٰ

فرمایا: مولانا محمد قاسم صاحب مدرسہ دیو بند کے دوات قلم سے کوئی خط لکھتے تھے تو روشنائی اور قلم کے استعمال کے عوض میں ایک پیسہ دے دیتے تھے (الکلام الحسن)

کسی کو برا کہنے میں احتیاط

فرمایا: ایک مشہور پیر صاحب بازاری عورتوں کو مرید کر لیتے تھے، حضرت مولانا

محمد قاسم صاحب کی مجلس میں کچھ لوگ ان کو برا کہنے لگے تو حضرت نے بہت خفا ہوکر فرمایا کہ تم نے ان کا عیب تو دیکھ لیا، یہ نہیں دیکھا کہ وہ راتوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے عبادت گذاری اور گریہ وزاری کرتے ہیں (یہ فرماکر) لوگوں کو خاموش کردیا، اور اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ کسی شخص کے اچھے عمل کو اچھا اور برے کو برا یا بھلا اس کے مجموعی اعمال کی بنا پر کہا جاسکتا ہے، جس کا عموماً لوگوں کو علم نہیں ہوتا اس لیے کسی شخص کی ذات کو برا کہنے میں بہت احتیاط چاہیے۔(مجالس حکیم الامت)

تین البیلی کتابیں

فرمایا: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب فرماتے تھے کہ کہ تین کتابیں البیلی ہیں، ایک کلام اللہ، ایک بخاری شریف، ایک مثنوی شریف کہ ان کا کسی سے احاطہ نہیں ہوسکا، بخاری شریف کے تراجم کی دلالت کہیں خفی، کہیں جلی، سچ یہ ہے کہ اس کا کسی سے احاطہ نہ ہوا، ایسے ہی قرآن شریف اور مثنوی شریف کا بھی۔(ارواح ثلاثہ)

حضرت حاجی صاحب سے محبت

فرمایا: ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی پڑھنا پڑھانا تو اور چیز ہے مگر بیعت تو ہوں گے حضرت امداد اللہؒ ہی سے، حضرت مولانا کو حضرتؒ کے ساتھ عشق کا درجہ تھا۔(الافاضات الیومیہ)

اللہ تعالیٰ حضرت کے افادات سے ہم سب کو مستفیض فرمائے۔آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان........۲۴

معارف وحکم

(افادات)

قطب عالم، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ

حضرت امام ربانی کے معارف وحکم بروایت حضرت اقدس تھانویؒ
کتاب معارف الاکابر سے اخذ کئے گئے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

حضرت گنگوہیؒ نے ایک شیخ اور مرید کی حکایت سنائی کہ مرید بہت عبادت وریاضت کرتا تھا مگر کچھ اثر نہ ہوتا تھا شیخ نے بہت وظائف تبدیل کئے اور تدبیریں اختیار کیں، لیکن اس کے باطنی حالات درست ہوتے نظر نہ آئے۔

پھر ایک تدبیر کی جو حبِ جاہ اور ظاہری عزت کے خلاف تھی، وہ مرید یہ کام نہ کرسکا...... اس وقت معلوم ہوا کہ یہ طالبِ جاہ تھا، یہی طلبِ جاہ اس کے راستہ کا سنگِ گراں بن گئی تھی۔

پیراگراف

ازافادات حضرت مولانا گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

کسی سے توقع نہ رکھو

فرمایا: ایک بار حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ کسی سے کسی قسم کی توقع مت رکھو، چنانچہ مجھ سے بھی مت رکھو، یہ بات دین ودنیا کا گُر (اصول، راز) ہے، جس شخص کی یہ حالت ہوگی وہ افکار وہموم سے نجات پائے گا۔

غیبت جیسا گناہ کبیرہ بھی توقع سے ہوتا ہے کیوں کہ (آدمی) اسی کی غیبت کرتا ہے جس سے توقع رکھی ہوئی تھی، مرزا غالب مرحوم نے سچ فرمایا ہے:

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب	کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

تحمل سے زیادہ اپنے ذمہ کام نہ لو

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہیؒ کا یہ قول مجھے بہت پسند ہے کیوں کہ میرے مذاق کے موافق ہے، وہ یہ کہ تحمل سے زیادہ کبھی اپنے ذمہ کام نہ لے، چنانچہ ایک صاحب نے مولانا (حکیم الامت) کے کسی مہمان سے بستر کے لیے پوچھا تو معلوم ہونے کے بعد فرمایا کہ اگر اس کے پاس نہ ہوتا تو تم کہاں سے دیتے اور اگر ایک دو بستر کہیں سے لا بھی دیئے تو اگر بہت سے مہمان آئے اور کسی کے پاس بھی بستر نہ ہو تو سب کے لیے کہاں سے لاؤ گے، خبردار! جو کسی سے بستر کے لیے پوچھا۔

دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھنا

فرمایا: ایک بار مولانا محمد قاسم صاحب مولانا گنگوہیؒ سے فرمانے لگے کہ ایک

بات پر بڑا رشک آتا ہے کہ آپ کی نظر فقہ پر بہت اچھی ہے، ہماری نظر ایسی نہیں، بولے جی ہاں! ہمیں کچھ جزئیات یاد ہوگئیں تو آپ کو رشک ہونے لگا اور آپ مجتہد بنے بیٹھے ہیں ہم نے کبھی آپ پر رشک نہیں کیا، ایسی ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں، وہ انہیں اپنے سے بڑا سمجھتے تھے اور یہ انہیں۔

روپیہ واپس فرمادیا

فرمایا: مولانا گنگوہیؒ کے یہاں ایک رئیس نے طلباء کے لیے روپیہ بھیجا تھا، درس ملتوی ہو چکا تھا، حضرت نے واپس فرمادیا اور فرمایا کہ جس کام کے لیے بھیجا ہو وہ یہاں ہے نہیں اس لیے واپس ورنہ ممکن تھا کہ اور کسی کام کے لیے مشورہ دیا جاتا تو وہ رئیس ضرور قبول فرمالیتے۔

قضا اور خطابت میں میراث نہیں

فرمایا: آج کل یہ مصیبت عام ہو رہی ہے کہ قضا اور خطابت میں بھی میراث چلنے لگی ہے کہ قاضی کی اولاد قاضی اور خطیب کی اولاد خطیب، چاہے علم اور دین سے کوری ہی ہو، گنگوہیؒ میں ایک جاہل قاضی تھے انہوں نے مولانا گنگوہی کی نقل اتارنا چاہا مولانا کی عادت تھی کہ عیدین کے خطبے میں کچھ مسائل صدقۂ فطر اور قربانی کے متعلق بیان فرمادیا کرتے تھے، قاضی صاحب نے سوچا ہم مولانا سے کسی بات میں کم کیوں رہیں۔

ہم بھی مسائل بیان کریں گے، تو آپ نے مسئلہ بیان کیا اور نہ معلوم کیا گڑبڑ کی کہ لوگ ہنس پڑے کہ جاہل کو مسائل تو معلوم نہیں اور مولانا کی ریس کرتا ہے مگر اس پر بھی وہ قاضی بنے ہوئے تھے کیوں کہ قاضی کی اولاد میں سے تھے حیرت ہے

کہ ان باتوں میں تو میراث چلتی ہے اور اس میں میراث نہیں چلتی کہ باپ لنگڑا ہو تو بیٹا بھی لنگڑا ہو اور اگر صحیح سالم ہو، تو لنگڑا بن جایا کرے، اور اگر باپ آنکھوں کے حافظ جی ہوں تو لڑکا بھی حافظ ہو یعنی اندھا ہو، کیوں کہ عرف میں ہر اندھیرے کو حافظ جی کہتے ہیں۔

پاؤں دبوانے میں راحت

فرمایا: ایک گاؤں والے نے جو دیندار تھا اور بے تکلف، حضرت مولانا گنگوہی کو پاؤں دبواتے ہوئے دیکھا، کہنے لگا مولوی جی! جی تو بڑا خوش ہوتا ہوگا کہ میں پاؤں دبوا رہا ہوں، فرمایا کہ ہاں خوش تو ہوتا ہے مگر نہ اس وجہ سے کہ میں بڑا ہوں بل کہ راحت کی وجہ سے، تو وہ کہتا ہے کہ بس تو تم کو پاؤں دبوانا جائز ہے...... کیا ٹھکانہ ہے اس فہم کا کہاں نظر پہنچی، آج کل تو مشائخ کی بھی ان دقائق پر نظر نہیں۔

تعلق مع اللہ بڑی دولت ہے

فرمایا: حضرت گنگوہیؒ نے حضرت مولانا قاسم صاحب کے انتقال پر فرمایا تھا (جس سے حضرت کا عشق معلوم ہوتا ہے) کہ اگر میرے پاس ایک چیز نہ ہوتی تو میں ہلاک ہو جاتا، دریافت کیا گیا: حضرت وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا وہی چیز جس کی وجہ سے تم مجھ کو بڑا سمجھتے ہو...... میں اس سے یہ سمجھا کہ اس سے مراد تعلق مع اللہ ہے۔

اکبر الہ آبادی مرحوم نے سچ فرمایا:

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے	سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا

دین کا عجیب فہم

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں ایک گاؤں کا رہنے والا مرید

ہونے کے لیے آیا حضرت نے کلماتِ بیعت کہلا دیئے، جب توبہ کر لی تو کہتا ہے مولوی جی! افیم سے تو توبہ کرائی نہیں، حضرت نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ تو افیم کھاتا ہے، اچھا یہ بتلا کتنی کھاتا ہے؟ جس قدر کھاتا ہے میرے ہاتھ پر رکھ دے، مگر اس نے جیب میں سے افیم کی ڈبیہ نکال کر دور پھینکی کہ مولوی جی! توبہ ہی جب کر لی تو اب کیا کھائیں گے، گھر گیا تو دست شروع ہو گئے، اس کی خبر حضرت گنگوہی کو پہنچی....... مرتے مرتے بچا مگر اچھا ہو گیا، تندرست ہو کر حضرت کی خدمت میں آیا، حضرت نے پوچھا کون؟

کہا میں ہوں افیم والا اور سارا قصہ بیان کیا، اس کے بعد دو روپئے پیش کئے۔

مولانا نے کسی قدر عذر کے بعد دلجوئی کے لیے قبول فرما لیے، تو آپ کہتے ہیں کہ اجی! مولوی جی! یہ تو تم نے پوچھا ہی نہیں، یہ کیسے روپئے ہیں؟

مولانا نے کہا بھائی! اب بتلا دے کیسے روپئے ہیں؟

اس نے کہا یہ روپئے افیم کے ہیں، حضرت نے پوچھا افیم کے کیسے؟

اس نے کہا: میں دو روپیہ کی افیم مہینہ میں کھاتا تھا، جب میں نے افیم سے توبہ کی نفس بڑا خوش ہوا کہ اب دو روپئے ماہوار بچیں گے، میں کہا یہ تو دین میں دنیا مل گئی، بس میں نے نفس سے کہا کہ یاد رکھ یہ روپیہ تیرے پاس نہ چھوڑوں گا، بس اسی وقت نیت کر لی تھی کہ جتنے کی افیم کھاتا تھا وہ پر کر دیا کروں گا، بس یہ دو روپیہ ماہوار آپ کو آیا کریں گے...... دیکھا آپ نے یہ گنوار کی حکایت ہے جس کو لکھنا پڑھنا کچھ نہ آتا تھا مگر دین کی سمجھ ایسی تھی کہ دین دنیا کی آمیزش کو فوراً سمجھ گیا۔

حب جاہ مقبولیت سے مانع ہے

فرمایا: حضرت گنگوہیؒ نے ایک شیخ اور مرید کی حکایت سنائی کہ مرید بہت

عبادت وریاضت کرتا تھا مگر کچھ اثر نہ ہوتا تھا، شیخ نے بہت وظائف تبدیل کئے اور تدبیریں اختیار کیں، لیکن اس کے باطنی حالات درست ہوتے نظر نہ آئے۔

پھر ایک تدبیر کی جو حب جاہ اور ظاہری عزت کے خلاف تھی، وہ یہ کام نہ کر سکا .... اس وقت معلوم ہوا کہ یہ طالبِ جاہ تھا، یہی طلب جاہ اس کے راستہ کا سنگ گراں بن گئی تھی۔

پائیدار دوستی کی علامت

فرمایا: آج کل دوستی کا نام ہی نام رہ گیا ہے ورنہ حقیقت تو قریب قریب مفقود ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی مجلس میں حافظ محمد احمد صاحب اور مولوی حبیب الرحمن صاحب حاضر تھے جن کی دوستی مشہور ومعروف تھی، حضرت نے ان سے دریافت فرمایا کہ کبھی تم میں اور ان میں بے لطفی یا لڑائی بھی ہوتی ہے، عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھی ہو جاتی ہے، فرمایا کہ یہ دوستی پائیدار ہے، درخت وہ مستحکم ہوتا ہے کہ جس پر آندھی آ چکی ہو پھر اپنی جڑوں کو نہ چھوڑا ہو، بس دوستی بھی وہی ہے کہ باہم لڑائی بھی ہو جائے اور پھر تعلقات باقی رہیں۔

رضائے حق مقصود ہے

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہیؒ جو اس قدر مضبوط اور قوی القلب تھے کہ بڑے سے بڑے فتنے اور فساد کے وقت بھی مستقل رہتے اور از جارفتہ نہ ہوتے تھے اس کا راز یہی تھا کہ وہ صرف ایک ذات کی رضا پر نظر رکھتے تھے، ثمرات پر نظر نہ رکھتے تھے۔

ایک زمانے میں مدرسہ دیوبند کے خلاف دیوبند میں بڑی شورش تھی اور اہل قصبہ کا مطالبہ وہی تھا جو آج کل ہو رہا ہے کہ ایک ممبر ہماری مرضی کے موافق ممبران

مدرسہ میں بڑھا دیا جائے، مولانا گنگوہی اس کو منظور نہ فرماتے تھے، یہ فتنہ اس قدر بڑھا کہ اس زمانہ میں جو میرا دیو بند جانا ہوا تو مجھے مدرسہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوا۔

میں نے حضرت کو ایک خط لکھا کہ اگر اس وقت شہر والوں کا مطالبہ مان لیا جائے تو مدرسہ کا کچھ نقصان نہ ہوگا، کیوں کہ مجلس شوریٰ میں کثرت آپ کے خدام کی ہے اور کثرت رائے سے ہی فیصلہ ہوا کرتا ہے ان کے ایک ممبر کی رائے سے فیصلہ پر کچھ اثر نہیں ہوسکتا اور مطالبہ نہ ماننے میں مجھے مدرسہ کے بند ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

تو حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ہم کو مدرسہ مقصود نہیں، رضائے حق مقصود ہے اور نا اہل کو ممبر بنانا معصیت ہے جو خلاف رضائے حق ہے اس لیے ہم اپنے اختیار سے ایسا نہیں کریں گے، کیوں کہ اس پر ہم سے مواخذہ ہوگا، اگر اہل شہر کے فتنہ سے مدرسہ بند ہوگیا تو اس کے جواب وہ وہ قیامت میں خود ہوں گے کیوں کہ ان کے ہی فعل کا یہ نتیجہ ہوگا، ہم سے اس کا مؤاخذہ نہ ہوگا۔

بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل بڑا علم ملا

الحمد للہ جو بات مجاہدوں سے برسوں میں بھی حاصل نہ ہوئی وہ بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل ایک ساعت میں حاصل ہوگئی۔

حضرت نے اس تحریر میں جس علم کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ بہت بڑا علم ہے ،جس کا عنوان یہ ہے کہ ثمرات مقصود نہیں، صرف رضائے حق مقصود ہے، نہ مدرسہ مقصود ہے نہ طلباء کی کثرت مقصود ہے، نہ عمارت مقصود ہے، صرف رضا مقصود ہے، اگر رضائے حق کے ساتھ یہ کام چلتے رہیں تو چلاؤ اور حسب ہمت وطاقت ان میں کام کرتے رہو اور جو کام طاقت سے زیادہ ہو اس کو الگ کرو، واللہ اس علم سے بہت سے پریشان حالوں کی پریشانیاں اور وساوس قطع ہوگئے ہیں، اس علم سے اعمال میں کام

لے کر دیکھو تو اس کی قدر ہوگی۔

مساکین سے محبت

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ بیمار ہوگئے، جب تندرست ہوئے تو آپ کے صاحبزادے نے شکریہ میں بہت لوگوں کی دعوت کی، مولانا نے اپنے ایک خاص خادم سے فرمایا کہ جب غریب لوگ کھانا کھا چکیں تو ان کے سامنے کا بچا ہوا کھانا جو سقوں کو دیا جاتا ہے، وہ سب میرے پاس لے آنا کہ وہ تبرک کھاؤں گا، اور یہ خیال نہ کرنا کہ ان کا بدن صاف نہیں ان کے کپڑے صاف نہیں...... اور اس کو تبرک اس لیے قرار دیا کہ وہ لوگ مومن ہیں، خدا کے محبوب ہیں، حدیث میں آیا ہے: **يَا عَائِشَةُ قَرِّبِي الْمِسْكِيْنَ**۔

چنانچہ وہ کھانا حضرت کے پاس لایا گیا اور حضرت نے اسے رغبت سے کھایا.... تو کیا کسی نے ایسی قدر غریبوں کی کر کے دکھائی ہے، اس سے حضرت گنگوہیؒ کی اتباع سنت اور تواضع ظاہر ہے۔

کچی دیواروں سے مدرسہ بنالو

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہیؒ کا قول یاد آتا ہے کہ اگر ان کے پاس کوئی فہرست مسجد کے چندہ وغیرہ کی لے کر آتا تو فرماتے کہ میاں کیوں لوگوں کے پیچھے پڑے ہو، مسجد یا مدرسہ بنانا ہی ہے تو کچی دیواریں اٹھا کر بنالو۔

اگر وہ کہتا کہ حضرت! کچی دیوریں گر جائیں گی تو فرماتے کہ میاں پکی بھی آخر گرے گی، تو جب گر جائے گی تو دوسرا بنا دے گا، تم قیامت تک کا بندوبست کرنے کی فکر میں کیوں پڑے ہو؟

حضرت گنگوہیؒ کی شان استغناء

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہیؒ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ہاں ایک بڑے عہدہ دار کوئی شخص مہمان آئے، جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرت نے اپنے ساتھ ان کو بٹھلایا کیوں کہ وہ بڑے آدمی سمجھے جاتے تھے، ان کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر دوسرے غریب طلبہ مہمان پیچھے ہٹے۔

حضرت مولانا نے فرمایا صاحبو! آپ لوگ کیوں ہٹ گئے کیا اس وجہ سے کہ کہ ایک عہدہ دار میرے ساتھ بیٹھا ہے، خوب سمجھ لیجیے کے آپ لوگ میرے عزیز ہیں، میں جس قدر آپ کو معزز سمجھتا ہوں اس کے سامنے ان کی کچھ بھی وقعت نہیں، چنانچہ سب غریب طلبہ کو بھی ساتھ بٹھلا کر ساتھ کھلایا،

شاید اس سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ مولانا نے اپنی شان جتلانے کو ایسا کہہ دیا ہوگا، خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہاں شان اور بڑائی کا نام بھی نہ تھا، جن صاحبوں نے مولانا کو دیکھا ہے وہ خوب جانتے ہیں مگر جن لوگوں نے نہیں دیکھا ہے ان کے لیے ایک قصہ بیان کرتا ہوں، اس سے اندازہ ہوگا کہ وہاں شان اور بڑائی کتنی تھی۔

حضرت گنگوہیؒ کی شانِ تواضع

ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ حدیث شریف کا درس دے رہے تھے، ابر ہو رہا تھا کہ اچانک بوندیں پڑنا شروع ہو گئیں، جس قدر طالب علم شریک درس تھے سب کتابوں کی حفاظت کے لیے کتابیں اٹھا کر بھاگے اور سہ دری میں پناہ لی، اور کتابیں رکھ کر جوتے اٹھانے چلے، صحن کی طرف جو رخ کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا سب کے جوتے سمیٹ کر جمع کر رہے ہیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ وہاں کس قدر شان کو جتلایا جاتا تھا، شان نہ تھی بل کہ محض محبت دینی تھی کہ غرباء کو امراء سے کچھ کم نہیں سمجھا، یہ وہی لوگ ہیں جن کی بدولت دنیا کا کارخانہ قائم اور نظام مسلسل ہے، جس دن یہ حضرات نہ رہیں گے قیامت قائم ہو جائے گی۔

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہیؒ اپنے ایک استاذ الاستاذ کا قول نقل فرماتے تھے کہ اگر کسی لڑکے کو دین کا بنانا ہو تو درویش کے سپرد کردو اور دنیا کا بنانا ہو تو طبیب کے سپرد کردو، اور اگر دونوں سے کھونا ہو تو شاعر کے سپرد کردو۔

میں نے عرض کیا کہ ایک صورت اور رہ گئی کہ اگر دونوں کا بنانا ہو، فرمایا یہ نہیں ہوسکتا، واقعی صحیح فرمایا:

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں	ایں خیال است ومحال است وجنوں

اہل اللہ زیبائش کا اہتمام نہیں کرتے

فرمایا: ایک رئیس حضرت مولانا گنگوہیؒ کے واسطے ایک نہایت قیمتی خوشنما بھڑک دار پوستین لائے تھے کہ حضرت اس کو پہنا کریں۔

مولانا نے ایک نواب صاحب کو دے دیا اور فرمایا کہ نواب صاحب اس کو آپ پہن لیجیے، آپ کے کپڑوں پر یہ اچھی لگے گی، کیوں کہ آپ کا اور لباس بھی اس کے موافق قیمتی ہوگا، اور میں لٹھے، گاڑھے، دھوتر کے اوپر اس کو پہن کر کیا اچھا لگوں گا، پھر اس کی حفاظت کپڑے سے کون کرے گا؟ مجھے اس کی فرصت نہیں، فضول اس

کو رکھ کر ضائع کروں۔

غرض اہل اللہ اپنے بدن کے واسطے یہ جھگڑے پسند نہیں کرتے ، اللہ تعالی حضرت کے ان افادات پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیان........۲۵

علمی جواہر

(افادات)

عارف باللہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے افادات بروایت
حضرت مولانا تھانویؒ کتاب ''معارف الاکابر'' سے ماخوذ ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس

فرمایا (حضرت تھانویؒ نے) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو جب جاہ و مال کا وسوسہ بھی نہ ہوتا تھا، وہ اپنے آپ کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے .....اور فرماتے اگر انسان خیال کرے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ دنیا میں ہزاروں انسان اس سے افضل و اعلیٰ موجود ہیں پھر ترفع اور خود بینی کے کیا معنی؟

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا اسی مال و جاہ میں ایک قطعہ خوب ہے

آفریں تجھ پہ ہمت کوتاہ	طالب جاہ ہوں نہ طالب مال
مال اتنا کہ اس سے ہو خورد و نوش	جاہ اتنی کہ بس نہ ہوں پامال

پیراگراف

ازافادات حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

شغف حدیث کی عجیب برکت

فرمایا: ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ میں نے جب سے حدیث شریف پڑھنا شروع کیا ہے تو مجھ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے بالکل متحد ہوں یہ حدیث شریف کی برکت ہے کہ اللہ تعالی نے یہ مرتبہ میسر فرمایا، یہ غلبۂ اتحاد ہے، یہی غلبہ تو شجرۂ طور پر ہوگیا تھا جو مظہر ہوگیا ''اِنِّی اَنَ اللّٰہُ '' کا۔

اس تقریر سے آپ کو حدیث کی رفعت وعظمت معلوم ہوگئی ہوگی۔

حضرت کی تواضع اور کسر نفسی

فرمایا: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو حب جاہ ومال کا وسوسہ بھی نہ ہوتا تھا، وہ اپنے آپ کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے ..... اور فرماتے اگر انسان خیال کرے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ دنیا میں ہزاروں انسان اس سے افضل واعلی موجود ہیں پھر ترفع اور خود بینی کے کیا معنی؟

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا اسی مال وجاہ میں ایک قطعہ خوب ہے:

آفریں تجھ پہ ہمت کو تاہ	طالب جاہ ہوں نہ طالب مال
مال اتنا کہ اس سے ہو خورد ونوش	جاہ اتنی کہ بس نہ ہوں پامال

سلطنت میں قوم کا ہر فرد صاحب حکومت سمجھا جاتا ہے

فریایا: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی بنی اسرائیل کو فرماتے ہیں إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاء وَجَعَلَكُم مُّلُوكاً (المائدة :۲۰) یعنی ملوک تو سب کو فرمایا اور انبیاء میں فیکم فرمایا کہ انبیاء بعض ہیں۔

اس میں یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت تو بعض افراد کے ساتھ خاص ہوتی ہے مگر سلطنت جس قوم کی ہوتی ہے اس ہر فرد عرفاً صاحب سلطنت سمجھا جاتا ہے۔

انسان بندہ بننے کے لیے ہے

فرمایا میں نے اپنے استاذ علیہ الرحمہ سے مؤکل تابع کرنے کا عمل پوچھا تو فرمایا کیا کروگے؟ میں نے عرض کیا جی چاہتا ہے کہ موکل تابع ہوجائیں، جس کام کو جی چاہا ان کے ذریعہ سے فوراً ہوگیا، فرمایا عمل تو اس قسم کے ہیں؛ مگر میں پوچھتا ہوں کہ انسان بندہ بننے کے لیے ہے یا خدا بننے کے لیے، میاں! خود تابع بن جاؤ اللہ تعالی کے، بس یہی دولت ہے، حکومت کر کے کیا کروگے؟!

انگریزوں کی دو برائیاں

فرمایا: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالی کا بڑا فضل ہے کہ انگریزوں میں دو چیزیں رکھ دیں ورنہ اب تک نصف ہندوستان عیسائی ہوجاتا ایک کبر اور دوسرا بخل، بڑے کام کی بات فرمائی، مگر جس میں یہ بات نہ ہو وہ اس میں داخل نہیں، بعض احکام قوم کے ہوتے ہیں عاماً، خاص افراد کے نہیں ہوتے۔

تکبر حماقت سے ہوتا ہے

فرمایا: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تکبر ہمیشہ جہل

سے ہوتا ہے .... میں جہل کی جگہ حمق کر دیا کہ تکبر ہمیشہ حماقت سے ہوتا ہے، یہ ذرا واضح لفظ ہے، مراد جہل سے بھی حضرت کی یہی تھی، .... اگر کوئی برسوں تجربہ کرتا تب بھی ایسی بات نہ کرسکتا جوان حضرات کو فی البدیہہ معلوم ہو جاتی ہے۔

اہل اللہ کو مال کے زیادہ ہونے سے بار ہوتا ہے

فرمایا: حضرت مولانا قاسم صاحب کو ایک صاحب مطبع میں ملازم رکھنا چاہتے تھے، آپ نے فرمایا: علمی لیاقت تو مجھ میں ہے نہیں البتہ قرآن کی تصحیح کرلیا کروں گا، اس میں دس روپئے دے دیا کرو، اللہ اللہ! کیا تواضع اور زہد ہے۔

اسی زمانے میں ایک ریاست سے تین سو روپئے ماہوار کی نوکری آ گئی، مولانا جواب میں لکھتے ہیں:

آپ کی یادآوری کا شکر گذار ہوں مگر مجھ کو یہاں دس روپئے ملتے ہیں جس میں پانچ روپئے تو میرے اہل وعیال کے لیے کافی ہو جاتے ہیں اور پانچ روپئے بچ جاتے ہیں، آپ کے یہاں سے جو تین سو روپیہ ملیں گے ان میں سے پانچ روپئے تو خرچ میں آ جائیں گے اور دو سو پچانوے روپئے جو بچیں گے میں ان کا کیا کروں گا مجھ کو ہر وقت یہی فکر رہے گا کہ ان کو کہاں خرچ کروں؟ اس لیے معذور ہوں، غرض تشریف نہیں لے گئے۔

بزرگوں کے رنگ جداگانہ ہیں

اسی کے ساتھ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کو بھی لکھا تھا اور سو روپیہ تنخواہ لکھی تھی، مولانا نے دوسرا جواب دیا کہ میں آ سکتا ہوں مگر تین سو روپئے سے کم میں نہیں آ سکتا۔

حضرت مولانا قاسم صاحب نے فرمایا کہ مولانا! ذرا سنبھل کر جواب لکھیے، اگر تین سو روپے کی منظوری پر طلبی آ گئی تو وعدہ پر جانا ہوگا تو مولانا یعقوب صاحب نے اس کے ساتھ یہ جملہ بھی بڑھا دیا کہ:

’’مگر اس میں ایک شرط ہے، وہ یہ کہ جب چاہوں گا یہاں رہوں گا جب چاہوں گا وہاں رہوں گا۔‘‘

وہ رئیس صاحب بھی سمجھ گئے کہ ان حضرات کو آنا ہی منظور نہیں، اور واقعی جانا تھوڑا منظور تھا، مولانا یعقوب صاحب نے یہ بات ظرافت کے طور پر لکھ دی تھی۔

اللہ اکبر! کس قدر استغنا تھا ان حضرات میں، واقعی اہل اللہ کو مال کی کثرت سے بھی بار ہوتا ہے، ان کو خیال ہوتا ہے کہ خدا جانے اس کے حقوق ہم سے ادا ہوں یا نہ ہوں۔

شرائط زیادہ اور تنخواہ کم

فرمایا: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے پاس ایک عالم کی طلب میں خط آیا تھا جس میں ان عالم کے لیے بہت سی شرطیں لکھی تھیں کہ وہ ایسے ہوں اور ایسے ہوں اور کل دس روپئے تنخواہ لکھی۔

مولانا فرمانے لگے بھلے مانسو! فی وصف ایک روپیہ تو رکھا ہوتا۔

اپنے کو کتے سے بدتر سمجھو

فرمایا: حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ مومن مومن نہیں ہوسکتا جب تک کافر فرنگ سے اپنے کو بدتر نہ سمجھے، شاہ جی توکل شاہ صاحب فرماتے تھے کہ اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھنا چاہیے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس کو توجیہ میں فرمایا تھا کہ کتے میں

اندیشہ بے ایمانی کا نہیں اور مسلمان کو اندیشہ بے ایمانی کا ہے، اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ اپنے کو اس اعتبار سے کتے سے بھی بدتر سمجھے، حقیقت میں زندگی ختم ہونے تک انسان کو کچھ حق نہیں کہ اپنے کو اچھا سمجھے، کوئی آج زاہد عابد ہے توکل کو شیطان ہوجاتا ہے، کوئی آج مسلمان ہے توکل کو کافر اور کوئی آج کافر ہے توکل مسلمان ہوجاتا ہے، اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں:

گہ رشک بروفرشتہ زپاکئ ما	گہ خندہ زند دیو زنا پاکئ ما
ایماں چوں سلامت بہ لب گور بریم	احسنت بریں چستی وچالاکئ ما

کبھی فرشتہ ہماری پاکی پر رشک کرتا ہے، کبھی شیطان ہماری ناپاکی پر ہنستا ہے، اگر ہم قبر تک ایمان سلامت لے جائیں تو ہماری چستی اور چالاکی پر آفریں کہنا، اس لیے زندگی میں اپنے کو کسی سے اچھا سمجھنے کا حق نہیں، ہاں مرنے کے بعد اسلام پر خاتمہ ہوجائے تو چاہے سمجھ لینا۔

ایک معنی خیز حکایت

فرمایا: میں نے ایک حکایت نہایت مطلب خیز اپنے استاذ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے سنی ہے کہ ایک شخص کو جو دلی کا رہنے والا تھا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی بڑی تمنا تھی کیوں کہ سنا تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام بڑے مقبول الدعوات ہیں ان سے دعائیں کرائیں گے، وہ شخص وظیفے پڑھتا تھا، اور دُعا کراتا تھا لیکن حضرت خضر علیہ السلام کہیں ملتے ہی نہ تھے (بعض لوگوں کو یہ خبط ہوتا ہے) حضرت خاتم الانبیاء اور آپ کی شریعت کاملہ کے بعد ہمیں کسی کی حاجت نہیں۔

اتفاق سے ایک روز آپ کہیں ملے گئے لیکن اس شخص نے نہیں پہچانا کیوں کہ

ظاہری کوئی علامت تو تھی نہیں، عوام میں جو مشہور ہے کہ ان کے ہاتھ کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہے۔ لاحول ولا قوۃ، بالکل لغو بات ہے۔

غرض حضرت خضر علیہ السلام نے خود ہی ان سے کہا کہ میں خضر ہوں، کہہ کیا کہتا ہے؟ میری اس قدر کیوں تلاش تھی، احمق نے طلب بھی کیا تو کہتا ہے کہ حضرت میرے لیے دعا کر دیجیے کہ میں دنیا میں بے فکر ہو کر رہوں، حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ارے یہ نہیں ہوسکتا کہ دنیا میں بے فکری نصیب ہو، اس نے دوبارہ کہا، آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ جو کام نہیں ہوسکتا ایسے کام کے لیے کیا دُعا کروں، اگر بیٹا کہے کہ یہ دُعا کرو کہ میں اپنے باپ کا باپ بن جاؤں تو بھلا یہ لغو فرمائش نہیں؟ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے اخلاق سے یہ جواب دیا کہ خیر ایسی دُعا مانگنا تو بے ادبی ہے کیوں کہ ایسا ہونا عادت اللہ کے خلاف ہے، ہاں تم تمام دلی میں جس کو بے فکر سمجھو اسے منتخب کرلو پھر میں یہ دُعا کروں گا کہ اے اللہ! یہ شخص بھی ایسا ہی ہو جیسا فلانا میں تمہیں چھ مہینے کی مہلت دیتا ہوں، اس درمیان میں اطمینان سے تلاش کر رکھنا، میں چھ ماہ بعد پھر تم سے ملوں گا اس وقت اپنی رائے سے مجھے مطلع کر دینا۔

چنانچہ اس نے گھوم گھوم کر ایک ایک رئیس کو دیکھنا شروع کیا، جب یہ رائے قائم کی کہ اس جیسا ہونے کی دُعا کراؤں گا، لیکن اندرونی حالات تفتیش کرنے پر وہ کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا نکلا یہاں تک کہ چھ ماہ مدت ختم ہونے کو آئی، اب اسے بڑا تردد ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کو کیا جواب دوں گا، معلوم ہوتا ہے واقعی دنیا میں چین نہیں۔

اتفاق سے ایک جوہری پر اس کا گذر ہوا دیکھا کہ لاکھوں کا کارخانہ ہے، بڑا ساز وسامان سینکڑوں مکان اور دکانیں، عالی شان فرش وفروش، حشم خدم، اولاد بھی کثرت سے، غرض سارا سامان عیش موجود ہے اور خود گاؤ تکیہ لگائے نہایت اطمینان

کے ساتھ ہٹا کٹا، سرخ سفید بیٹھا ہوا ہے، کچھ کام بھی نہیں، کارندے ایسے معتمد کہ سب کام نہایت خوبی اور انتظام سے ہو رہے ہیں۔

اس جوہری کو دیکھ کر یہ حضرت بڑے خوش ہوئے کہ الحمد للہ جیسا شخص چاہتا تھا ویسا مل گیا بس ایسا ہی ہونے کی دُعا کراؤں گا، پھر سوچا بھائی اس سے بھی احتیاطًا مل لو۔

چنانچہ مل کر سارا واقعہ سنایا، جوہری نے ایک سرد آہ کھینچی اور کہا اللہ مجھ جیسا ہونے کی دُعا ہرگز نہ کرانا، اس شخص کو بڑا تعجب ہوا اور کہا تم صاحب جائداد، صاحب اولاد، صحت مند ہر طرح کا ساز وسامان، غرض دنیا کی سب نعمتیں تمہارے پاس ہیں، پھر بھی تم کہتے ہو کہ اللہ تعالی ایسی مصیبت دشمن کو بھی نہ دکھائے، بڑی ناشکری حق تعالی کی ہے۔

جوہری نے کہا میں تم سے کیا چھپاؤں؟ میری حکایت بڑی دردناک ہے، جب میری شادی ہوئی تو قسمت سے میری بیوی نہایت حسین وجمیل ملی، تھوڑے دنوں بعد وہ اس قدر سخت بیمار ہوئی کہ نوبت مایوسی کی پہنچی، میں رونے لگا، اس نے کہا یہ سب جیتے جی محبت ہے، مردوں کی کبھی باوفا رہتے نہیں دیکھا، جب میں مرجاؤں گی تم دوسری شادی کرلوگے، میں نے کہا میری محبت تمہارے ساتھ بھلا ایسی ہے؟ میں دوسری بیوی کرسکتا ہوں؟ اس نے کہ یہ سب باتیں ہیں کہیں آج تک بھی کوئی رکا ہے جو تم رکوگے۔

چنانچہ مجھے واقعی اس سے محبت تھی میں نے کہا اچھا تمہیں یقین نہیں آتا تو میں ضرورت کو ہی حذف کردیتا ہوں، وہیں استرا لے کر میں نے اپنا اندام نہانی کاٹ کر الگ کردیا اور کہا اب تو تمہیں یقین آئے گا کیوں کہ جڑ ہی نہ رہی جو ضرورت شادی کی ہو (اس بھلے مانس نے بھی کمال کردیا کہ اڈا ہی اڑا دیا)

لیکن وہ کمبخت مری نہیں، میں بے کار ہو چکا تھا، ادھر اس کی جوانی کا زمانہ، اس نے میرے نوکروں سے ساز باز کرلیا، اب یہ جس قدر اولاد تم دیکھ رہے ہو یہ سب میرے نوکروں کی عنایت ہے۔

مدت سے اس بے حیائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں لیکن کچھ کہہ نہیں سکتا، بھلا کس منہ سے اور کس بوتے پر منع کروں، رات دن اسی غم میں گھلتا ہوں اور کچھ کر نہیں سکتا۔

یہ سن کر وہ شخص انگلی منہ میں داب کر حیرت میں رہ گیا، جوہری نے کہا میں تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھ جیسے ہونے کی دُعا نہ کرانا، لیکن تمہاری سمجھ میں نہ آتا تھا، اب تو معلوم ہو گیا میں بھی تم سے کہتا ہوں کہ دلی دنیا میں کوئی بھی شخص ایسا نہ ملے گا جو بے فکر ہو، تم کس خبط میں مبتلا ہو، اس خیال کو چھوڑ دو اور آخرت کی درستی کی دُعا کراؤ۔

غرض میعاد مقررہ کے بعد حضرت خضر علیہ السلام اس شخص سے ملے اور فرمایا کہو کیا رائے ہے؟ اسے بڑی ندامت ہوئی، عرض کیا حضرت سچ فرماتے تھے اب مجھ کو اس کا عین الیقین ہو گیا کہ دنیا میں کوئی شخص چین سے نہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام ہنسے اور فرمایا: ہم کہتے تھے لیکن تمہیں یقین نہ آتا تھا، اب بولو کیا چاہتے ہو؟

اس نے عرض کیا کہ حضرت! بس آخرت کی درستی کی دُعا کر دیجئے، چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے دُعا فرما دی اور وہ شخص ولی کامل ہو گیا۔

فرمایا: ہمارے استاذ علیہ الرحمہ نے تواضع کی یہ تعریف کی ہے کہ دل میں اپنے آپ کو پست سمجھے اور یہ بھی فرمایا کہ اکثر لوگ جو تواضع کرتے ہیں وہ اس لیے نہیں کہ شرعاً یہ پستی مطلوب ہے بل کہ اس لیے کہ وہ عرفاً محمود ہے لوگوں میں اس سے وقعت

ہوتی ہے تو واقع میں یہ تواضع کبر ہے کیوں کہ اس نے بڑا بننے کے واسطے تواضع کو اختیار کیا ہے۔

دین کا ہر کام کرنے والا ہمارا معاون ہے

فرمایا: ہمارے استاذ مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے ہیں کہ بھائی اگر کوئی شخص راہِ نجات بھی پڑھاتا ہے یا قاعدہ بغدادی پڑھاتا ہے تو وہ بھی ہمارا کام بٹاتا ہے مطلب یہ کہ ہم ساری مخلوق کو تعلیم دینے سے عاجز ہیں اور تمنا یہ ہے کہ دین کا گھر گھر چرچا ہو جائے تو جو شخص جس جگہ بھی کام کر رہا ہے وہ ہمارا معاون و مددگار ہے۔

شیطان کا اصل جرم

فرمایا: ایک بات کام کی بتلاتا ہوں جو میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے سنی ہے، مولانا فرماتے تھے کہ شیطان کا جرم انکارِ توحید نہ تھا بل کہ موحد تو وہ ایسا تھا کہ نالائق کو توحید کا ہیضہ ہو گیا تھا اس لیے غیر حق کو سجدہ نہ کیا، بل کہ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے حق تعالی کے حکم کو خلاف حکمت سمجھا، چنانچہ جب سوال ہوا۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلاَّ تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ (الأعراف: ۱۲) تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا۔

تو جواب میں کہتا ہے: قَالَ أَنَاْ خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ (الأعراف: ۱۲) میں آدم سے افضل ہوں مجھے آپ نے آگ سے بنایا ہے اور اس کو مٹی سے، پس وہ کوڑھ مغزی کی بنا پر راندۂ دربارِ الٰہی ہوا۔

اللہ تعالی حضرت کے افادات پر ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان........(۲۶)

ہیں عام ہمارے افسانے دیوار چمن سے زنداں تک
سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو

مالٹا کی زندگی میں دو سبق

(افادات)

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا قدس سرہ

حضرت شیخ الہند کا یہ مختصر اور جامع بیان بروایت حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب ہے،
نیز دیگر اقتباسات معارف الاکابر سے نقل کئے گئے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں؟

تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لیے میں وہاں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اسی کام میں صرف کردوں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کیے جائیں، بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو ہرگز برداشت نہ کیا جائے۔

پیرا گراف

از افادات شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰه وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى... اَمَّا بَعْدُ!

علما کے بڑے مجمع سے خطاب

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا کی قید سے واپس تشریف لائے تو ایک رات بعد عشاء دارالعلوم دیوبند میں تشریف فرما ہوئے، علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا، شیخ العرب والعجم نے پورے مجمع کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔

''ہم نے تو مالٹا کی ایام اسیری کی زندگی میں دوسبق سیکھے ہیں'' یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہوگیا کہ اس استاذ العلماء اور درویش نے اسّی سال علماء کو قرآن وحدیث کا درس دینے کے بعد اور خداداد کامل بصیرت اور جامعیت کے بعد اس آخری عمر میں جو دوسبق سیکھے ہیں، وہ کیا ہیں؟ پورا مجمع مکمل طور پر متوجہ ہوکر اس کو سننے کا مشتاق تھا۔

دو اہم سبق

فرمایا کہ میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں کے زمانے میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہورہے ہیں ہر جگہ ذلت وخواری کی زندگی کیوں بسر کررہے ہیں (جب کہ مسلمان نے تو کم تعداد میں ہوکر بھی شاہانہ زندگی گذاری ہے عزت اور سربلندی کی زندگی گذاری ہے، اس کے ہاتھ میں تو کائنات کی انمول دولت، ایمان ہے جس پر بلندی کی زندگی گذاری ہے، اس کے

ہاتھ میں تو کائنات کی انمول دولت، ایمان ہے جس پر قرآن وحدیث میں بے شمار وعدے دنیا میں خوشگوار زندگی کے، عزت وشرافت کے، عظمت وبرکت کے کئے گئے ہیں) جب اس پر میں نے غور کیا تو اس کے بنیادی دو سبب معلوم ہوئے۔

ذلت وخواری کے دو سبب

پہلا بنیادی سبب یہ ہے کہ مسلمان نے قرآن کو اور قرآن کی تعلیمات کو چھوڑ دیا (قرآنی زندگی کو چھوڑ دیا، جس قرآن پر اور قرآنی تعلیمات پر مسلمان کو رفعت وسربلندی ملی تھی، پوری دنیا پر اس کے رعب ودبدبہ کا سکہ جما تھا اس اصل منبع اور سرچشمہ سے اس نے اعراض کر دیا اس کو پس پشت ڈال دیا، اس کے نتیجہ میں آج یہ ذلت کے دن دیکھ رہا ہے)

دوسرا بنیادی سبب یہ ہے کہ (مسلمانوں نے زمین پر بہت بڑی طاقت اجتماعیت آپس کے اتحاد واتفاق کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ پر) آپس کے اختلافات اور خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئے، (جس کے نتیجہ میں ان کی ہمتیں پست ہو گئیں، ان کی ہوا اکھڑ گئی اور ذلت وخواری ان پر مسلط ہو گئی)

استاذ العلماء کا عزم

اس لیے میں وہاں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اسی کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے، (قرآنی تعلیمات اور قرآن والی زندگی کو زندہ کیا جائے)

بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی اور گاؤں میں قائم کئے جائیں (تاکہ امت کے بچے اس ایمان سوز اور زہریلے ماحول کے اثرات سے متأثر نہ

ہوں، ان کے اندر ایمانی اور اعتقادی پختگی پیدا ہو، اور دینی فضاؤں میں وہ پروان چڑھیں ورنہ اتدادی فتنوں کی تیز وتند ہواؤں کے جھونکوں سے متأثر ہونے کے بے پناہ امکانات ہیں)

اور بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے۔ اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو ہرگز برداشت نہ کیا جائے (ان کے اندر دینی محنت کے ذریعہ جوڑ اور اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی جائے)

غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہے، قرآن پر کسی درجہ میں بھی عمل ہو تو خانہ جنگی کی نوبت نہیں پہنچتی (وحدت امت)

نباض امت کی تشخیص

مفتی شفیع صاحب آگے تحریر فرماتے ہیں:

نباض امت نے ملت مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی باقی ایام زندگی میں ضعف وعلالت اور ہجوم مشاغل کے باوجود اس کے لیے سعیٔ پیہم فرمائی، بذات خود درس قرآن شروع کرایا جس میں تمام علماء شہر اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے علماء بھی شریک ہوتے تھے اور عوام بھی، اس ناکارہ کو اس درس میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے..... مگر اس واقعے کے بعد حضرت کی عمر ہی گنتی کے چند ایام تھے:

آں قدح بشکست آں ساقی نماند

حق تعالی سب مسلمانوں کو احکام قرآنی پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دیگر افادات حضرت شیخ الہندؒ بروایت حضرت تھانویؒ

اہل مدارس کے لیے چندہ جمع کرنے کا طریقہ

ارشاد فرمایا کہ مولانا مبارک علی صاحب سابق نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا محمود حسنؒ کے سامنے یہ مشکل پیش کی کہ مدارس عربیہ اسلامیہ کے لیے چندہ جمع کرنے میں بہت سے منکرات پیش آتے ہیں، لوگوں میں علم وعلماء کی تحقیر پیدا ہوتی ہے وغیرہ.....اور چندہ نہ کریں تو ان مدارس کا کام کیسے چلے؟

حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: چندہ کرو مگر غریبوں سے۔

حضرت تھانویؒ نے یہ روایت نقل کر کے فرمایا کہ یہ بالکل صحیح علاج ہے وجہ یہ ہے کہ غریب لوگ چندہ جمع کرنے والے علماء کو حقیر نہیں سمجھتے، تعظیم کے ساتھ پیش کرتے ہیں، ان پر بار خاطر بھی نہیں ہوتا، خوش دلی کے ساتھ دیتے ہیں جس میں برکت ہی برکت ہے.....مگر اس پر یہ سوال ہوگا کہ غریب لوگوں سے چندہ ملے گا ہی کتنا؟ مقدار چندہ بہت گھٹ جائے گی.....مگر یہ خیال اولاً تو یوں غلط ہے کہ دنیا میں ہمیشہ غریبوں کی تعداد زیادہ اور مالداروں کی کم رہی ہے، اگر فی الواقع چندہ کم وصول ہو تو کام کو اسی پیمانے پر کرو، زیادہ نہ بڑھاؤ کیا ضروری ہے کہ قدرت سے زیادہ بار اٹھایا جائے۔ (مجالس حکیم الامت)

جیل میں رونے کا سبب

فرمایا: حضرت شیخ الہند جس وقت مالٹا میں تشریف فرما تھے کہ ایک روز بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔

ساتھیوں نے پوچھا کہ کیا حضرت گھبرا گئے ہیں؟..... یہ لوگ سمجھے کہ گھر یاد آ رہا ہوگا یا جان جانے کا خوف ہوگا۔

فرمایا: میں اس وجہ سے نہیں رو رہا ہوں بل کہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ مقبول بھی ہے یا نہیں؟ (الافاضات الیومیہ)

کلمہ سے کیا مراد ہے؟

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ طالب علمی میں ایک عیسائی مناظر انگریز دیوبند آیا، دیوبند کے اسٹیشن کے قریب ایک باغ ہے وہاں اس کا قیام ہوا اور میں (حضرت تھانویؒ) خبر پا کر مناظرہ کے لیے وہاں پہنچا۔

حضرت مولانا دیوبندی کو علم ہوا تو خیال ہوا کہ یہ ناتجربہ کار اور عیسائی کہنہ مشق .... اس لیے مناظرہ کے دوران تشریف لے آئے، اس وقت عیسائی مناظر تقریر کر رہا تھا، میرے جواب دینے کی نوبت نہ آئی تھی۔

مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ میں گفتگو کروں گا، میں الگ ہو گیا۔

عیسائی مناظر یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ تھے۔

مولانا نے کھڑے ہو کر فرمایا کلمہ کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کون سی قسم میں داخل تھے؟

بس اس کے ہوش وحواس اڑ گئے، بار بار یہی کہتا جاتا تھا کہ کلمہ تھے۔

مولانا فرماتے: کون سا کلمہ؟ کلمہ تو بہت قسم کا ہوتا ہے۔

جب یہ بتلا نہیں سکا اور اس کی میم نے خیمہ میں سے دیکھا کہ یہ جواب نہیں دے سکتا تو پرچہ بھیج دیا کہ مناظرہ بند کر دو۔

یہ عورتوں کے تابع ہوتے ہیں.... مناظرہ چھوڑ کر چلا گیا۔

مزاقاً فرمایا کہ یہ لوگ مادیات ہی میں چلتے ہیں، نریات میں خاک بھی نہیں چلتے (مادیات: مادہ (عورت) کی جمع ہے، اور نریات: نر (مرد) کی جمع ہے۔(الافاضات الیومیہ)

مقبول و مستقیم راستہ

فرمایا: ہمارے حضرت دیو بندیؒ نے فرمایا کہ حدیث "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِی" میں لفظ ما عام ہے، عقائد، اخلاق، اعمال، معاشرت، سیاست سب چیزوں کو، اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک ان تمام شعبہ ہائے زندگی میں مقبول و مستقیم وہی راستہ ہے جو آنحضرت ﷺ کا راستہ ہو۔

جو راستہ اس سے مختلف ہو وہ مستقیم نہیں، خواہ عقائد کے متعلق ہو یا اعمال واخلاق سے یا حکومت وسیاست اور عام معاشرت سے۔(مجالس حکیم الامت)

مذہبی احکام میں ذراسی ترمیم ہرگز گوارہ نہیں

فرمایا: حضرت دیو بندیؒ بعض اعذار کی وجہ سے دہلی کے جلسہ شوری میں خود تشریف نہ لے جاسکے اور ایک مولوی صاحب کے ہاتھ خط بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ جو مسئلہ مذہبی پیش آئے اس میں اپنا خیال صاف صاف بدون کسی خوف اور مداہنت کے ظاہر کردو۔

اس وقت گائے کی قربانی کے بند کرنے پر زور دیا جارہا تھا، حضرت نے فرمایا یہ مقاصد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے، ہم مذہبی احکام میں ادنی تصرف اور ذرا ترمیم کو بھی برداشت نہیں کرسکتے، خواہ لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں.....ہم سے جو خدمت اسلام کی بن پڑے گی کرتے رہیں گے۔(الافاضات الیومیہ)

جان کر عمل نہ کرنا زیادہ سخت ہے

فرمایا: دیو بند کے بعض لوگوں کا خیال ہوا تھا کہ جب مدرسہ قائم ہوا ہے ہم لوگوں پر غربت آ گئی، حضرت مولانا محمود الحسن صاحب نے فرمایا یہ بات نہیں کہ مدرسہ تمہاری غربت کا سبب ہے.... بل کہ بات یہ ہے کہ پہلے لوگ اللہ تعالی کے احکام کو نہیں جانتے تھے تو جرم میں بھی تخفیف ہوتی تھی اب چوں کہ تم مدرسہ کی وجہ سے احکام خداوندی کو جان گئے ہو اور جان کر بھی عمل نہیں کرتے ہو اس لیے تم پر اللہ تعالی کا غصہ ہے، اگر عمل کرو گے پھر خوشحال ہو جاؤ گے۔

اس سے یہ نہ سمجھے کہ اس سے تو علم کا نہ پڑھنا ہی اچھا ہے.... جاہل رہنا خود ایک جرم ہے، اگر کسی کو کھانا کھا کر ہیضہ ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں کہ وہ کھانا کھانا ہی چھوڑ دے۔ (قصص الاکابر)

جئے وغیرہ نعرہ شعار کفر ہے

فرمایا: جب مولانا محمود حسن مالٹا سے تشریف لائے تو بمبئی کی بندرگاہ پر استقبالی گروہ بہت زیادہ تعداد میں موجود تھا، حضرت مولانا کی موٹر چلی تو ایک دم اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا۔ اس کے بعد گاندھی جی کی جے۔ محمد علی، شوکت علی کی جے۔ اور مولوی محمود حسن کی جے۔ کے نعرے بلند ہوئے۔

حضرت شوکت علی کا دامن پکڑ کر کہا یہ کیا؟ اس پر شوکت علی نے کچھ خیال نہ کیا، تو حضرت نے دوبارہ سختی سے فرمایا کہ اس کو بند کرو۔

اس پر شوکت علی نے کہا حضرت جے کے معنی فتح کے ہیں۔

حضرت نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو رام رام کہا کرو۔

اور جو کچھ بھی ہو یہ شعار کفر ہے (الافاضات الیومیہ)

ایک مشہور عالم دم بخود ہو گئے

فرمایا: ایک مرتبہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی مرادآباد کے جلسہ میں تشریف لے گئے، لوگوں نے وعظ کے لیے اصرار کیا۔

مولانا نے عذر کیا کہ مجھے عادت نہیں مگر لوگوں نے نہ مانا۔ آخر مولانا کھڑے ہو گئے اور حدیث "فَقِیْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ" پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ "ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے"

وہاں ایک مشہور عالم تھے، وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ ترجمہ غلط ہے..... اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آئے تو اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔

پس مولانا (غایت تواضع میں) فوراً ہی بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا..... خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل ہو گئی یعنی آپ کی شہادت۔

پھر حضرت مولانا نے ان سے بطرز استفادہ پوچھا کہ غلطی کیا ہے؟ تاکہ آئندہ بچوں، انہوں نے فرمایا "اشد" کا ترجمہ "اثقل" نہیں ہے بل کہ "اَضر" آتا ہے۔

مولانا نے فوراً فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے:

"یَاْتِیْنِی مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّ عَلَیَّ"

یعنی وحی مجھ پر مثل گھنٹی کی آواز کے نازل ہوتی ہے اور وہ مجھ پر بھاری ہوتی ہے کیا یہاں بھی "اضر" کے معنی ہیں۔

وہ دم بخود رہ گئے، کوئی جواب نہ دے سکے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے افادات سے ہم سب کو مستفیض فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان.......(۲۷)

اے لاالہ کے وارث ! باقی نہیں ہے تجھ میں	
گفتار دلبرانہ	کردار قاہرانہ

مسلمانوں کی موجودہ پستی کا اصل سبب

(افادات)

بانی تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس کاندھلوی نور اللہ مرقدہ

حجاز اور مدینہ کے علماء کرام سے خطاب

یہ بیان حضرت مولانا عبید اللہ صاحب کے ایک بیان سے اخذ کیا گیا ہے گویا بیان حضرت مولانا الیاس صاحب کا ہے اور الفاظ مولانا عبید اللہ صاحب کے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

اگر ہم لوگوں کا یقین اللہ پر آ جائے اور اُس کے ساتھ صفات ایمانیہ زندہ ہو جائیں..... اُمید صرف خدا پر رہے..... بھروسہ اور آسرا صرف خدا ہی پر آ جائے..... ڈر صرف خدا ہی کا رہے..... شوق صرف خدا کا رہے

اور آج ہم ایمان کی جڑیں لگا کر اُسے مضبوط کر کے ایمانی صفات پر آ جائیں اور انہی ایمانی صفات کو زندگی کے تمام شعبوں میں اپنا لیں.... تو آج بھی خدا ہمیں کامیاب کرے گا، جیسے صحابہؓ کرام کو کامیاب کیا تھا۔

پیراگراف

از بیان بانی تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے جب دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا اور کام ابھی بالکل ابتدائی مرحلے میں تھا، اُس وقت آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ مبارک کام تو اصل میں عربوں کا کام ہے، لہذا آپ نے ۳۰/علمائے کرام کی ایک جماعت بنائی، اور انہیں لے کر آپ حجازِ مقدس پہنچ گئے۔ جس میں مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی جامعہ اشرفیہ والے بھی گئے تھے اور حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ اور حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن صاحبؒ وغیرہ حضرات موجود تھے، آپ نے وہاں بہت کوشش کی کہ اِس مبارک کام کی جڑ نئے سرے سے حجازِ مقدس وغیرہ میں بھی لگ جائے۔

اس موقع پر آپ نے وہاں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی وغیرہ سب علماء کو مدرسہ صولتیہ میں شیخ سلیم مرحوم کے ذریعے جمع کیا۔

اُس وقت آب نے حجاز اور مدینہ کے اِن علماء میں بیان شروع فرمایا۔

علماءِ حجاز سے ایک سوال

دورانِ بیان علماء کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میرا ایک سوال ہے جس کا جواب میں آپ حضرات سے چاہتا ہو، اور اسی لیے آپ لوگوں کو یہاں جمع کیا گیا ہے۔

وہ سوال یہ ہے کہ آپ لوگ بتلائیں کہ پوری دنیا کے اندر مسلمان پستی کے اندر کیوں جا رہے ہیں؟ ...... اور کیوں انحطاط ہو رہا ہے؟ ...... اور مسلمان کیوں گرتا اور ختم ہوتا جا رہا ہے؟

اس کا جواب آپ سب حضرات کے نزدیک کیا ہے؟

ایک عالم ان میں سے بولے..... اِس لیے کہ مسلمانوں کے پاس علم کی کمی ہے۔

آپ نے پوچھا کون سا علم مراد ہے؟ علم دنیا یا علم دین؟

انہوں نے کہا علم دنیا تو مسلمانوں کے پاس ہے لیکن علم دین کی کمی ہے۔

کیا امت کی ذلت وخواری کا سبب علم کی کمی ہے؟

آپ نے جواب دیا کہ آپ علم دین کی کمی بتلاتے ہیں

خدا کی قسم ابتلاءِ صحابہؓ کرام کل کتنے تھے؟

انہوں نے کہا: زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو لاکھ

آپ نے کہا: ان میں سے حافظ کتنے تھے؟

کہنے لگے بہت تھوڑے تھے۔

آپ نے کہا کہ آج پوری دنیا کے حفاظ کرام کو جوڑو تو دس لاکھ سے کم نہیں ہوں گے۔

پھر آپ نے فرمایا: بتلاؤ صحابہ میں بخاری ومسلم کے حافظ کتنے تھے؟

کہنے لگے کوئی نہیں۔

آپ نے فرمایا: آج بخاری اور صحاح ستہ پڑھنے پڑھانے ولے علماء مسلمانوں میں سیکڑوں ہزاروں تک ہوں گے۔

کہنے لگے بالکل سچ فرمایا۔

آپ نے فرمایا کہ آج علم زیادہ ہے یا اُس زمانے میں زیادہ تھا؟

کہنے لگے آج علم زیادہ ہے۔

آپ نے فرمایا: اگر علم سبب ہوتا تو آج کا مسلمان تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے زیادہ علم رکھتا ہے کہ صحاح ستہ (پڑھنے پڑھانے والے) بھی لاکھوں کی تعداد میں، علماء ہزاروں کی تعداد میں اور حفاظ لاکھوں کی تعداد میں پوری دنیا کے اندر پھیلے ہوئے ہیں، تو آج علم تعداد کے اعتبار سے اُس زمانے سے بہت زیادہ ہے۔

کہنے لگے: آپ سچ فرماتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے؟

آپ نے فرمایا: یہ تو میں آپ لوگوں سے پوچھنے آیا ہوں۔

کیا ذلت وخواری کا سبب مال کی کمی ہے؟

ان میں سے ایک عالم نے کھڑے ہو کر کہا کہ آج مسلمانوں کے پاس مال کی کمی ہے۔

فرمایا، واہ!!! یہ بات تو تم نے پہلے والے سے بھی بہت زیادہ نرالی اور عجیب کہی ہے۔

آپ نے فرمایا: بتلاؤ صحابہ کے پاس کتنا مال تھا؟

فرمایا صحابہ کے پاس تو اتنا مال نہیں تھا کہ روزانہ دو وقت کا کھانا کھالیں اور اتنا بھی نہیں تھا کہ اپنے بدن کو دو وقت کپڑے سے ڈھانپ لیتے، صحابۂ کرام کے پاس مال بہت کم تھا اور آج مسلمانوں کے پاس اتنا مال ہے کہ ایک دلی کے سیٹھ کے پاس اتنا مال ہے کہ تمام کے تمام صحابہ کے پاس بھی اتنا مال نہ ہوگا۔

ایک نواب حیدر آباد کے پاس اتنا مال ہے کہ پوری دنیا کے بینک اُس کے مال سے بھرتے ہیں اور پوری دنیا میں اُس کے مال سے امداد جارہی ہے۔

اتنا مال تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی میں کبھی نہیں ہوا۔

بعد میں جب حکومتیں ملیں اور خزانے آئے تب ہوا۔

وہ علماء کہنے لگے اگر مال وجہ نہیں تو پھر کیا وجہ ہے؟

آپ نے فرمایا کہ وجہ تو مجھے آپ لوگوں سے پوچھنی ہے۔

کیا ذلت خواری کا سبب تنظیم کا فقدان ہے؟

پھر ان علماء میں سے ایک عالم نے کھڑے ہو کر کہا کہ آج مسلمانوں میں تنظیم کا فقدان ہے، یہ وجہ ہے ذلت و خواری کی۔

آپ نے فرمایا کہ کون کہتا ہے کہ نظم نہیں، تنظیم نہیں ہے، آج ایک ایک مسلمانوں کی جماعت مل کر لاکھوں تک ہے۔ اور ان کا رئیس وامیر موجود ہے۔ جب کہ صحابہ سارے کے سارے دو لاکھ بھی نہیں تھے۔

اگر دو لاکھ والے صحابہ کامیاب ہو سکتے ہیں تو آج یہ بیس لاکھ (یاد رہے حضرت مولانا کا یہ بیان آج سے تقریباً ۸۰ سے زائد سال قبل کا ہے) مسلمان مل کر کیوں نہیں کامیاب ہو سکتے؟

الغرض جس عالم نے جو بات کہی آپ نے اُس کا جواب دیا۔

پھر سب نے مل کر پوچھا کہ اے شیخ الیاس! اب آپ ہی بتلایئے کیا وجہ ہے کہ مسلمان ذلت و پستی میں گرتے جا رہے ہیں اور انحطاط کے شکار ہوتے جا رہے ہیں۔

مسلمانوں کے پستی میں پڑنے کی اصل وجہ

آپ نے کہا کہ گستاخی معاف! میں آپ لوگوں سے پوچھنے کے بعد آپ کو اس لیے بتلانا چاہتا ہوں کہ میرے ذہن میں سبب ایک ہے اور آپ لوگوں سے اس لیے پوچھا تاکہ دیگر اسباب کا پتہ چل جائے۔ اگر وہی سبب معلوم ہو تو میں اپنا سبب

کیوں بتلاؤں ، اُسی سبب کا پہلے علاج کرلیا جائے ..... لیکن آپ حضرات نے اپنے سبب کے بارے میں غور کرلیا اور تحقیق کرلی کہ یہ سبب تو ہو نہیں سکتا۔

میرے نزدیک اُس کا ایک سبب ہے اور وہ یہ کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے اندر یقین اور ایمان کی کمی اور کمزوری ہے۔اور یہی اصل سبب اور وجہ ہے۔

علمائے حجاز پر رقت طاری ہوگئی

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا اتنا کہنا تھا کہ سارے علماء کا مجمع دھاڑیں مار مار کر رونے لگا کہ سچ کہا ہے تو نے اے الیاس ! ہم میں واقعی ایمان اور یقین کی کمی وکمزوری ہے۔اس لیے ہم لوگ فتویٰ بدلتے رہے، روپیہ ملا تو فتوی بدل دیا، ہم ڈر کے مارے بولتے نہیں، ہمارے سامنے بے دینی اور بے ایمانی پھیل رہی ہے، آپ نے سچ فرمایا۔

اُس کے بعد آپ نے اس سبب کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

’’اگر ہم لوگوں کا یقین اللہ پر آجائے اور اُس کے ساتھ صفات ایمانیہ زندہ ہوجائیں....اُمید صرف خدا پر رہے.....شوق صرف خدا کا رہے۔

اور آج ہم ایمان کی جڑیں لگا کر اُسے مضبوط کر کے ایمانی صفات پر آجائیں اور انہی ایمانی صفات کو زندگی کے تمام شعبوں میں اپنالیں.....تو آج بھی خدا ہمیں کامیاب کرے گا، جیسے صحابہؓ کرام کو کامیاب کیا تھا۔

صحابہ علم میں کم زیادہ تھے مگر ایمان میں سب کامل تھے

سب نے روتے ہوئے کہا کہ آپ نے برحق فرمایا، اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہے۔آپ نے فرمایا واقعی اِس کے علاوہ کوئی وجہ نہیں کیوں کہ صحابہ کامل ایمان

رکھتے تھے، ہرایک میں ایمان قوی تھا، کسی کا ایمان کمزور نہیں تھا۔

علم ان کے پاس چاہے ایک سورت کا ہو یا پورے قرآن کا ہو، دین کا علم تھوڑا جانتے ہوں یا زیادہ جانتے ہوں...... مگر ایمان ان کا پورا تھا۔

ایمانی طاقت پر آسانی سے سمندر پار کرلیا

جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دریائے دجلہ ہمیں پار کرنا ہے تو بولو سب سے پہلے اس دریا کے اندر کون کودے گا؟ اور دریا میں کون سب سے پہلے پیر رکھے گا؟ (بغیر کشتی واسباب کے) چنانچہ سب لشکر میں چھ سو آدمیوں نے ہاتھ اٹھائے کہ ہم تیار ہیں، ہم جائیں گے آپ نے بقیہ مجمع سے پوچھا کہ آپ لوگ نہیں جائیں گے؟

وہ کہنے لگے کیوں نہیں؟ انہوں نے پہلے ہاتھ اٹھادیئے اس لیے ہم رہ گئے، ہم بھی جائیں گے تقریباً تیس ہزار کی جماعت تھی یا اُس سے کم، پہلے وہ چھ سو آگے بڑھے، جب دریا کے قریب پہنچے تو چھ سو کے امیر نے پوچھا کہ بولو تم میں سے پہلے کون دریا میں داخل ہوگا؟

تو ساٹھ کا نام آیا، پہلے یہ ساٹھ داخل ہوئے پھر ان کے بعد باقی چھ سو میں سے داخل ہوئے پھر سارا لشکر داخل ہوا۔ اور سارے کے سارے آپس میں باتیں کرتے جارہے ہیں اور دریا کی حالت ایسی ہے جیسے سیمنٹ ٹیڈ بنا ہوا ہے یعنی پیر گویا پانی بالکل تھوڑا سا ہو جس سے اُن کے پاؤں کو یا صرف تلووں تک تری پہنچی تھی اور ان کے گھوڑوں کے کھروں اور نعلوں تک تری پہنچی تھی، دریا نے نہ اُن کو اندر لیا نہ اُن کے گھوڑوں کو اوپر لیے جارہا تھا۔

یہ ایمان کی طاقت سے گئے ہیں۔ یہ علم کی طاقت سے نہیں گئے ہیں۔ یہ علم کی کثرت نہیں لے جا سکتی۔ یہ ایمان کی طاقت لے جا سکتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سارے کے سارے چھوٹے ہوں یا بڑے ایمان کی طاقت سے مضبوط تھے۔اوران میں ایمانی صفات موجود تھیں۔

علمائے حجاز سے سوال

اب آپ حضرات بتلاؤ، آپ حضرات سے مشورہ یہ ہے کہ ایمانی طاقت بنے گی کس طرح؟ مسئلہ اس وقت زیادہ اہم کسی اور چیز کا نہیں ہے۔

ارے تیری دنیا اور دنیا کی شکلوں کا نہیں ہے۔ تیری کوٹھی کے بننے اور نہ بننے کا نہیں ہے۔بل کہ اس بات کا ہے کہ یہ ایمانی طاقت آئے گی کیسے؟

سب نے کہا کہ یہ زمانہ بہت سخت ہے، یہ قرب قیامت کا دور ہے، اب ایمان کی طاقت واپس آنے والا دور ختم ہو چکا، اب تو قیامت آئے گی اور آ کر ہم سب کو مٹا کر ختم کر دے گی۔

آپ نے فرمایا نہیں! لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ کہ اللہ کی رحمت سے نا اُمید مت ہوؤ۔جس اللہ نے پہلے دور میں ایمان کی طاقت بنائی تھی وہی اللہ آج کے دور میں بھی مسلمانوں میں ایمان کی طاقت پیدا کر سکتا ہے۔

ایمانی طاقت کے بننے کا بڑا ذریعہ دعوت الی اللہ

ان لوگوں نے پوچھا کیسے؟

آپ نے فرمایا کہ وہ دعوت الی اللہ کے ذریعے سے ہوگا۔

ان میں سے ایک عالم نے کہا دعوت الی اللہ تو کفار کو دی جاتی ہے۔ ہم اور آپ مسلمانوں کے ایمان کو مضبوط بنانے کا کون سا کام کریں گے؟ کیا ان کو دعوت دیں گے؟

اس پر آپ نے روتے ہوئے فرمایا کہ پہلے غیر مسلم کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ دعوت کے لائق ہے کیوں کہ وہ ایمان سے نکلا ہوا ہے، آج ہم مسلمان اندر سے خراب ہو چکے ہیں.....

ہمارا ایمان لا ایمان ہو رہا ہے
ہمارا اسلام لا اسلام ہو رہا ہے
ہمارا دین لا دین ہو رہا ہے
ہماری اسلامی زندگی ساری کی ساری غیر اسلامی ہو رہی ہے۔

ہم لاکھ ایمان و اسلام کا نام لیں اور پکاریں اور اپنے آپ کو لاکھ مسلمان کہیں لیکن ہمارے اندر ایمان نہیں رہا کیوں کہ اندر سے غائب ہے۔

ابھی تو دعوت کی اپنوں میں ضرورت ہے

تو جس دعوت سے ایمان غیر کے اندر جا سکتا ہے اُس دعوت سے ایمان اپنے اندر کیوں نہیں آ سکتا۔ جو ملت کلمہ گو کو اتنی بڑی جنت دلوا سکتی ہے وہ ملت دو پیسے کی روٹی کیوں نہیں دلوا سکتی۔ جو اُس کے اندر بالا ولی موجود ہے، تو جو دعوت غیروں کو ایمان دار بنا سکتی ہے، وہ اپنوں کو کیوں نہیں بنا سکتی فرق صرف یہ ہوگا کہ ہم دوسروں کو غیر سمجھ کر دعوت دیتے ہیں اور انہیں اپنا سمجھ کر دعوت دیں گے۔ ان کے اندر ایمان کی بنیاد مضبوط کرنے کے لیے دعوت دی جائے گی اور انہیں ایمان کی بنیاد لگانے کی دعوت دی جائے گی۔

اس خطاب سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مولانا الیاس صاحبؒ واپس مدینہ منورہ تشریف لائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(ماخوذ از تاریخ دعوت وتبلیغ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان.......(۲۸)

دعوت کے چار مرحلے

(بیان)

داعی کبیر حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ

پاکستان میں علماء کرام کے جوڑ میں کیا ہوا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

علوم انسانیہ والے جتنے ہیں وہ اپنی بات کو چلانے میں دو چیزیں لیتے ہیں ایک طرف ملک اور ایک طرف مال، ایک سے زیادہ خدا ماننے والے، تین خدا ماننے والے، چھپن کروڑ خدا ماننے والے، خدا کا بالکل انکار کرنے والے، یا نئے نبی کے ماننے والے یا حضرت علیؓ کی محبت میں حد سے آگے بڑھ جانے والے اور بھی جو قسم ہو، یہ لوگ جب اپنی چیز چلانی چاہتے ہیں تو یہ دو چیزیں رکھتے ہیں، دوسروں کو اپنی طرف لینے کے لیے وہ دھن دولت دیتے ہیں، انہیں للچاتے ہیں، اور اگر نہ مانے تو پھر اپنی طاقت سے انہیں دھمکاتے ہیں، یا للچاتے ہیں، اور اگر نہ مانے تو پھر اپنی طاقت سے انہیں دھمکاتے ہیں، یا للچانا یا دھمکانا یہ دو چیزیں ان کے پاس ہوتی ہیں۔

لیکن جو علوم الٰہیہ والے ہوتے ہیں انہیں اطمینان ہوتا ہے کہ ان (اہل باطل) کی طاقت جو ہے وہ اللہ کی طاقت کے مقابلہ میں مکڑی کا جالا ہے۔

پیراگراف

ازبیان حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

علوم الٰہیہ اور علوم انسانیہ

میرے محترم دوستو اور بزرگو! علوم دو قسم کے ہیں، ایک علوم الٰہیہ دوسرے علوم انسانیہ۔ علوم الٰہیہ میں کوئی شک نہیں ہوتا اور علوم انسانیہ مشکوک ہوتے ہیں۔ علوم الٰہیہ کا مقابلہ علوم انسانیہ والے نہیں کر سکتے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے پاس علوم الٰہیہ تھے اور ان کے بالمقابل جو قومیں تھیں وہ علوم انسانیہ والی تھیں مقابلہ پر آ گئے تو وہ زیر ہو گئیں اور ہر زمانے میں یہ رہا ہے کہ علوم الٰہیہ والوں کا مقابلہ انسانیہ والے نہیں کر سکے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ علوم الٰہیہ والے اس بات کی فکر میں ہوتے ہیں کہ علوم انسانیہ والے بھی علوم الٰہیہ والے بن جائیں۔

علوم الٰہیہ اعمال کے لائن کا علم ہوتا ہے اور علوم انسانیہ جو ہے وہ چیزوں کے لائن کا علم ہوتا ہے، انہیں چیزوں کے اندر کامیابی دکھائی دیتی ہے اور چیزوں کے اندر وہ لگتے ہیں اور انہیں اعمال کا کوئی فکر نہیں ہوتا، ور جو علوم الٰہیہ والے ہوتے ہیں ان کے سامنے چیزیں ساری برابر ہوتی ہیں اس لیے کہ وہ قدرت الٰہیہ کا علم رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ کی قدرت کے مقابلے میں ساری دنیا کی جتنی بھی طاقتیں ہیں وہ ہیچ ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ کی قدرت کے مقابلے میں دجلہ اور قطرہ دونوں برابر ہیں۔

بدر میں علوم الہیہ والوں پر اللہ کی مدد

بدر میں کس طرح اللہ پاک کی مدد آئی علوم الہیہ والوں پر کہ علوم انسانیہ والے ان کا مقابلہ نہیں کر سکے باوجودِ کہ طاقت بھی تھی مال بھی تھا تعداد بھی زیادہ تھی لیکن مقابلہ نہیں کر سکے۔ اور تیرہ سال تک باقاعدہ یہی زبان کے اوپر بے ایمانوں کے رہا کہ علوم الہیہ میں اگر کوئی طاقت ہوتی تو ہمارے اوپر کیوں مصیبت نہں آتی تمہارے کو کیوں مدد نہیں آتی، یہ برابر کہتے رہے، کہ دیکھو پہلے زمانے میں ہو چکا ہے۔ وہ تو کہانیاں ہیں آج کر کے دکھاؤ۔ یہ بات چلتی رہی۔

علوم الہیہ کا اثر کب ظاہر ہوتا ہے

لیکن علوم الہیہ کی جو طاقت ظاہر ہوتی ہے جب وہ علوم عمل کے اوپر لے آویں۔ پھر عمل بھی ایسا ہو کہ جو اللہ کے یہاں مقبول ہو۔ صرف عمل کافی نہیں ہے۔ عمل ایسا ہو جس میں ایمان کی طاقت ہو، جس کے اندر نیت میں اخلاص ہو، جس عمل کے اندر استحضار خداوندی ہو، جو عمل نبی کریم ﷺ کے طریقے پر ہو، جو عمل شوق اور رغبت کے ساتھ ہو جو عمل اللہ کی محبت کے ساتھ کیا جا رہا ہو، تو وہ عمل طاقت ور ہوتا ہے، پھر ظاہر ہوتی ہے اس کی طاقت، تو اس کی مشق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تیرہ سال تک برابر کر چکے تھے اور اعمال کے اندر طاقت ان کی آ چکی تھی، لیکن لوگوں کو پتہ نہیں تھا کہ اتنی طاقت اعمال کے انران کے ہے اور یہ اندر سے بڑے طاقت والے بن گئے ہیں ظاہر کے اندر تو وہی سوا پانچ فٹ کے بدن والے ہیں۔ ظاہر کے اندر تو وہی گھاس جیسے كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (الفتح: ۲۹) خوب ایمان

والوں کی انہوں نے مار پیٹ بھی کی گھاس جیسا سمجھ کر لیکن یہ نہیں معلوم کہ اوپر دکھائی دیتے ہیں گھاس جیسے اور اندر سے بن گئے ہیں تنے دار درخت جیسے۔ اس کو وہ جان نہیں سکے ان کو مکہ مکرمہ کے اندر روکا تھا مقابلہ کرنے سے (أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّواْ أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ) ان سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکو۔ اس لیے کہ مارنے والے اگر بہادر تھے تو مار کھانے والے بھی بہادر تھے اور بہادر بہادر کی مار نہیں کھایا کرتا، مقابلہ برآ جاتا۔

صحابہ کرام کے اندر کا وجدان

لیکن ان کے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھی تھی کہ اصل طاقت جو ہے وہ اللہ کی ہے اور وہ طاقت ہمارے ساتھ کرنے کے لیے اس کے حکم کو پورا کرنا ہے جو نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ہم کو ملتا ہے، تو وہ اصل طاقت ہے۔ اس طاقت کا مقابلہ فرعون، قارون، ہامان، قوم عاد، قوم ثمود نہیں کر سکے، اور آج اس طاقت کا مقابلہ قیصر اور کسریٰ نہیں کر سکیں گے۔ اور اس طاقت کا مقابلہ جو ہے وہ دجال اور یاجوج ماجوج بھی نہیں کر سکیں گے، جس کی خبر قرآن، حدیث کے اندر موجود ہے۔ لیکن! ہمارے اندر وہ طاقت روحانی آنی چاہئے، اس روحانی طاقت کو پیدا کرنے کے لیے رسول کریم ﷺ ایک دم سے پورا دین ان کے سامنے نہیں لائے، دھیمے دھیمے لاتے رہے۔

آپ ﷺ نے کلمہ کی دعوت سے کام شروع کیا

سب سے پہلے جو کام شروع کیا تو کلمہ کی دعوت سے شروع کیا، جس نے کلمہ

پڑھا وہ بھی کلمے کی دعوت دیتا ہے، اب کلمہ کی دعوت دینی شروع کردی تو تکلیفیں آئیں۔ تکلیفوں میں کہیں آدمی گھبرا نہ جائے، قرآن اترنا شروع ہوا جس کے اندر پچھلے نبیوں کے وقعات، جس کے اندر آگے قیامت کا منظر اور موجودہ زمانے میں اللہ پاک کی نشانیوں پر غور کرنا، کیوں کہ اللہ پاک دکھائی نہیں دیتے، ان کے خزانے دکھائی نہیں دیتے، نشانیوں کا تذکرہ اللہ پاک نے کیا، اس کے اندر غور کرنا، یہ تین باتوں کا مضمون جو ہے وہ مکی آیتوں کے اندر اترنا شروع ہوا۔ تو ایک کلمے کی دعوت ایک طرف تعلیم کا حلقہ، لیکن جن تک بات پہنچ رہی ہے، وہ دو طرح ہوتے ہیں، بعضے تو اکرام اور احترام کریں گے، اور بعضے توہین کریں گے۔ بعضے قبول کریں گے بعضے رد کریں گے۔

نہ اترانا ہے نہ گھبرانا ہے

تو ایسے موقع پر انسان جو ہے اگر بات اس کی قبول کی بھی جائے تو کہیں اترا نہ جائے اور بات اگر اس کی رد کی جائے تو کہیں گھبرا نہ جائے اور ان دونوں خرابیوں سے ''بغیر تعلق مع اللہ کے'' آدمی بچ نہیں سکتا، اللہ کا تعلق ہوگا تو نعمتوں میں اترائے گا نہیں اور تکلیفوں سے گھبرائے گا نہیں، تعلق اللہ کا لینے کے لیے اللہ کا ذکر ہے، قرآن پاک کی تلاوت ہے اور اللہ پاک سے دعاؤں کا مانگنا ہے، یہ چیز ان میں چلا دی، یہ تین چیزیں ان میں چلیں، کلمہ کی دعوت، تعلیم کا حلقہ اور اللہ پاک کا ذکر، قرآن کی تلاوت اور اللہ پاک سے دعاؤں کا مانگنا۔ لیکن ایک بات اور باقی رہ گئی، جس نے کلمہ پڑھا وہ الگ ہو گیا۔ گھر والوں نے الگ کردیا، چاروں طرف سے اس پر پریشانیاں آگئیں، تو ہر کلمے والا الگ الگ، اور اکیلا اکیلا کیا کرے گا؟ پریشان ہو جاتا ہے۔

اکرام سے اجتماعیت پیدا ہوگی

تو رسول پاک ﷺ نے اس کا حل یہ بتایا کہ جس نے بھی کلمہ پڑھ لیا اس میں یہ مت دیکھو کہ تمہاری قوم، خاندان، زبان، رنگ کا ہے یا نہیں۔ کلمہ پڑھ لیا تو وہ تمہارا ہے اس لیے تم اس کا اکرام کرو، تو ہر ایک نے دوسرے کا اکرام کیا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کیا، حضرت ابوذر غفاری ؓ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چپکے سے کھانا کھِلایا، ایک دوسرے کا اکرام صرف مسلمان ہونے کی بنا پر چالو ہو کر ان میں اجتماعیت پیدا ہوگئی۔ ان کی کوئی قومی رگ ابھرنے والی بات نہیں تھی، خاندانی رگ، قومی رگ، انسانی رگ، جو رگیں اُبھار کر اس زمانے کے اہل باطل ایمان والوں کو آپس میں لڑاتے ہیں اس سے ان کا کام بنتا رہتا ہے، اور یہ ایمان والے اگر ایک دوسرے کو جھکا کر چلیں، اکرام کرتے ہوئے چلیں، ان میں اجتماعیت آجائے گی، اس اجتماعیت کا مقابلہ پوری دنیا کی طاقتیں مل کر نہیں کر سکتیں۔

اللہ کے خزانوں سے لینے کا راستہ

تو چوتھی چیز جو تھی وہ ہر کلمہ والے کا اکرم کرنا، لیکن ایک بات اور رہ گئی۔ یہ کام اتنا عظیم الشان اور کرنا پورے عالم کے اندر کیوں کہ پورے عالم کے نبی بن کر رسول کریم ﷺ تشریف لائے اور آپ کو دنیا سے جانا ضروری ہے، تو آپ کے جانے پر یہ امت کام کو سنبھالے گی جو آپ ہی کے سامنے تربیت پا رہی ہے، تو پورے عالم کے اندر جو کام کرنا ہے اس کے لیے آمدنی کا ظاہری کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لیے کہ دعوت، تعلیم اور ذکر اندر ایک پیسہ نہیں ملتا، چاہے دو دو گھنٹے آدمی کرے۔ تو ظاہری آمدنی نہیں، اور اکرام جو کرنے پر جائے گا تو جیب سے اس کو خرچ کرنا ہوگا، جس کام کے

اندر آمدنی ظاہری نہ ہو اور خرچ ہی خرچ ہو تو یہ کام پورے عالم کے اندر کس طرح چالو ہو؟ اس کے لیے اللہ پاک نے یہ انتظام کیا کہ نبی کریم ﷺ کو آسمانوں پر بلایا اور خزانے دکھا کر اس کی کنجی نماز دیدی، اب جہاں تمہارا کوئی معاملہ اٹکے نماز پڑھو، اللہ سے مانگو اور اپنی ضرورت کو پوری کرو، آپ نماز کو لے کر تشریف لائے اب صحابہ بہت خوش ہو گئے کہ ہم کو نماز مل گئی، اب ہماری ضرورت براہ راست اللہ سے پوری ہوگی، سارے نبیوں نے نماز پڑھی اللہ سے لیا، ہم بھی نماز پڑھ کر اللہ سے لیں گے ہمارا تو کام بن گیا۔

نماز میں وہ طاقت نہیں رہی

لیکن آج یہ چیز جو ہے گلے جلدی اترتی نہیں۔ اس لیے کہ بہت سی مرتبہ نماز پڑھی مانگا نہیں ملا، تو ذہن ہٹنے لگا کہ نماز سے کہاں ملتا ہے، کچھ اور بھی کرنا چاہیے۔ میں نہیں کہتا کچھ اور کرنا چاہئے۔ کچھ اور بھی کرنا چاہیے لیکن وہ کرنا چاہئے جو اللہ رسول نے بتایا، اپنی طرف سے نہ ہو، جو اللہ رسول نے بتایا وہ کریں، لیکن یہ یقین ہو کہ میں نماز پڑھ کے اللہ سے مانگوں گا اور اللہ دے گا۔ لیکن چوں کہ آج اس کی فضا نہیں رہی، کیوں کہ نماز میں وہ طاقت نہیں رہی جس پر اللہ پاک کے تین وعدے پورے ہوتے تھے۔ ایک تو نماز پڑھنے والا آدمی برائیوں سے رکتا تھا (إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ) اور ایک نماز پر اللہ کی مدد لیتا تھا (إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ)، اور ایک نماز پڑھنے پر ہدایت کا نور اس کے دل کے اندر اترتا تھا اور جس سے اُسے عمل کے اندر کامیابی ناکامی دکھائی دیتی تھی۔ یہ تینوں باتیں اُسی وقت ہوں جب نماز طاقت ور ہو۔

نماز میں طاقت پانچ باتوں سے آئے گی

اور نماز جو طاقت ور بنے گی وہ پانچ باتوں سے بنے گی۔ ایک طرف کلمہ والا یقین ہو۔ ایک طرف فضائل والا علم ہو، ایک طرف مسائل والی شکل ہو، ایک طرف اللہ والا دھیان ہو اور ایک طرف اخلاص نیت ہو، یہ پانچ باتیں نماز میں آئیں تو نماز طاقت ور بن جائے گی، جو کچھ نماز پر وعدے ہیں پورے ہوں گے، لیکن چھٹی بات ایک ایک اور ہے، وہ یہ کہ حقوق العباد کی ادائیگی، اگر ہوگئی تو نماز آسمانوں پر پہنچ کر مدد کو اتروائے گی، اور اگر حقوق العباد کی ادائیگی نہ ہوئی، کسی کی غیبت ہوگئی کسی پر تہمت لگادی یا کسی کا دل دُکھا دیا چاہے یہی کہہ کر کہ حق کہہ رہے ہیں ہم کوئی غلط بات تھوڑی کہہ رہے ہیں۔ حق کا نام لے کر زور زور سے بولنا شروع کر دیا، ڈانٹ پھٹکار شروع کر دی، ...... کہ سامنے والے نے بھی اس کو ڈانٹ پھٹکار شروع کر دی، درمیان کے اندر شیطان کا کام بن گیا۔

لوگوں کے ساتھ اخلاقی برتاؤ

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ بات جب کسی سے کرو تو خوش اسلوبی کے ساتھ کرو۔

وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُواْ الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلإِنْسَانِ عَدُوّاً مُّبِيناً (سورۂ بنی اسرائیل : ۵۳) میرے پیارے میرے ان بندوں سے کہدو بات تو کریں۔ اگر کہیں پر کوئی نامناسب کام ہو رہا ہے تو بات کہنی چاہیے، (ورنہ یہ امر بالمعروف نہی عن المنکر: قرآن کی آیتوں پر اور حدیثوں پر پھر کون عمل کرے گا۔ لیکن یہ دیکھ لینا چاہیے کہ بات کرنے کے اندر کوئی دوسری بات تو نہیں چھوٹ رہی ایسا نہیں کہ ایک بات تو کی قرآن والی اور دوسری بات

جو چھوٹ گئی وہ بھی قرآن میں تھی، یہ بھی دیکھنا پڑے گا۔ اللہ کا فضل ہے کہ یہ مجمع ایسا تو نہیں جو صرف (لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ) کہہ کر نماز کو چھوڑ دے، وہ دوسری قسم کے ہوتے ہیں۔ جب قرآن کہتا ہے (لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ) ہم نماز نہیں پڑھتے اور یہ دوسری قسم وہ آپ سے سمجھے گی، جس کو آپ ہی حضرات سمجھائیں گے۔ لیکن سمجھانے کا ڈھنگ حاصل کرنے کے لیے جو نقوش میں ہے وہ نفوس میں لانے کی کوشش دعوت کی فضا بنانے سے ہوگی جو نقوش میں ہے وہ نفوس میں آجائے اس لیے یہ دعوت کی فضا بنے گی تو نفوس میں آنا آسان ہے تو اس کے لیے جماعتوں کے اندر پھرنا، مقامی کام کا کرنا۔

علوم انسانیہ کا غلبہ علوم الٰہیہ پر

اب رہا یہ کہ تو فرصت والے لوگ کیا کریں، ہم تو مدرسے والے ہیں، ہم لوگ بڑی بڑی تحریکوں کے چلانے والے ہیں، نہ معلوم ہمارے اوپر کیا کیا کام ہیں، مولوی صاحب تم کو کیا پتہ؟ تمہارے پاس تو چھ نمبر ہیں، اس کے سوا تم کچھ جانتے نہیں، ہم تو نہ معلوم کیا کیا کرتے ہیں، ہمارے پاس کہاں اس کی فرصت ہے۔

میرے محترم دوستو! ہم یہ نہیں کہتے، مدرسوں سے نکلنا ہو تو اس کا انتظام کر کے نکلنا ہو، بیمار ہوتا ہے تو آدمی اس کا انتظام کرتا ہے، آدمی مرجاتا ہے تو دوسرا انتظام ہوتا ہے، آدمی کہیں سفر میں چلا جاتا ہے تو اس کا انتظام کر کے جاتا ہے، تو اسی طرح مدرسے کا انتظام کر کے جانا چاہیے لیکن اس میں بعض مرتبہ یہ ڈر ہوتا ہے کہ میں جس کو بٹھاؤں گا تو کہیں وہ قبضہ نہ کرے کہ پھر میرے آنے کے بعد وہ کہے کہ تمہاری جگہ ہمیں رکھ لیا تو میرا کیا ہوگا، یہ ساری چیزیں ایمان کی کمزوری کی باتیں ہیں وہی علوم

انسانیہ ہوئے اور علوم انسانیہ کا غلبہ علوم الٰہیہ پر آ گیا۔ علوم انسانیہ کا ماحول جو دیکھا تو وہ علوم الٰہیہ والوں کے بھی ذہن میں آ گیا۔

علوم انسانیہ چلتے ہیں دو چیزوں پر

علوم انسانیہ والے جتنے ہیں وہ اپنی بات کو چلانے میں دو چیزیں لیتے ہیں ایک طرف ملک اور ایک طرف مال ایک سے زیادہ خدا کے ماننے والے، تین خدا کو ماننے والے، چھپن کروڑ خدا کو ماننے والے، خدا کا بالکل انکار کرنے والے، یا نئے نبی کے ماننے والے، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں حد سے آگے بڑھ جانے والے اور بھی جو قسم ہو۔ یہ لوگ جب اپنی چیز چلانی چاہتے ہیں تو یہ دو چیزیں رکھتے ہیں ایک طرف ملک کی طاقت اور ایک طرف مال کا سرمایہ، اس سے وہ اپنی چیز کو چلاتے ہیں اور دوسروں کو اپنی طرف لینے کے لیے وہ دھن دولت دیتے ہیں، اُنھیں للچاتے ہیں اور اپنی طرف لیتے ہیں اور اگر نہ مانے تو پھر وہ اپنی طاقت سے اُنھیں دھمکاتے ہیں، یا للچانا یا دھمکانا یہ دو چیزیں اُن کے پاس ہوتی ہے ملک اور مال کے ذریعے۔

علوم الٰہیہ والے مطمئن ہوتے ہیں

لیکن جو علوم الٰہیہ والے ہوتے ہیں وہ کسی لالچ میں آتے ہیں نہ کسی دھمکی میں آتے ہیں، کیوں کہ اُن کے ذہن میں تو یہ بات بیٹھ چکی ہوتی ہے کہ کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے اور ان کے کرنے کا ضابطہ دنیا کی پھیلی ہوئی چیزیں نہیں ہے بل کہ بدن انسانی سے تیار ہونے والا عمل ہے اور اس عمل کے اندر میں ایمان اور اخلاص کی طاقت ہو، اللہ کا دھیان ہو، استحضار خداوندی ہو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر وہ عمل کر رہا ہو، وہ عمل قابل قبول ہو اور طاقت والا ہو تو پھر اللہ کی طاقت ہمارے ساتھ

ہو جائے گی، تو اُنہیں، اس کی تو کوئی فکر نہیں ہوتی کہ سامنے والے جو غلط لوگ ہیں، ان کے پاس طاقت بہت ہے، اس لیے انہیں اطمینان ہوتا ہے کہ ان کی طاقت جو ہے وہ اللہ کی طاقت کے مقابلے میں مکڑی کا جالا ہے، (مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاء كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتاً وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ) ساری دنیا کی طاقتیں جو ہیں وہ مکڑی کے جالے ہیں اللہ کی طاقت کے مقابلہ میں، تو جس کے دل میں اللہ کی طاقت کا یقین بیٹھا ہوا ہوتا ہے وہ ساری طاقتوں کو مکڑی کا جالا سمجھتا ہے، صحابہ نے قیصر و کسریٰ کی کوئی حیثیت نہیں مانی، پہلے زمانے میں انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے مقابلہ کرنے والی جو نافرمان طاقتیں تھیں ان کی کوئی حیثیت ان کے سامنے نہیں تھی، یہ الگ بات تھی کہ اخلاق برتتے تھے ان کے ساتھ تاکہ وہ مانوس ہو جائیں۔ حق بات کو اخلاق کے ساتھ کہنا میرے محترم، الحق مرٌ، حق بات جو ہوتی ہے وہ کڑوی ہوتی ہے اس کے اندر اخلاق کی چاشنی لگا دے، وہ اتار لے گا، اس حق بات کا اثر اندر آ جائے گا اور چاشنی کی وجہ سے وہ نگل لیوے گا اخلاق کی چاشنی ہونی چاہیے۔

صلح حدیبیہ کی حکمت عملی

صلح حدیبیہ میں وہ اخلاق کی چاشنی بتا دی، حالاں کہ طاقت بھی تھی مسلمانوں میں دب کر صلح کی رسول کریم ﷺ نے، جو حلق میں کسی کی اُتری نہیں، سوائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے، سارا منظر آپ کے سامنے تھا، یہ اخلاق تھے باوجود طاقت ہونے کے نرمی کے ساتھ صلح کرنا، جب صلح ہو گئی تو ملنساری ہوئی، جب ملنا جلنا ہوا تو ان کے ذہن بننے شروع ہوئے، پہلے جو دور تھے اس میں لڑتے رہتے تھے کچھ پتہ نہیں کیا

ہے یہ، جب ملنساری ہوئی تو انہیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے اندر پانچ باتیں ہیں ایک تو ان کی ایمانی لائن بڑی طاقت والی، دوسرے ان کی عبادت کی لائن بڑی طاقت والی تیسرے ان کی معاشرت جو ہے بڑی دلکش، اوران کے معاملات جو ہیں بالکل صاف اوران کا اخلاقی معیار جو ہے بہت اونچا، یہ پانچوں باتیں ان کے سامنے آئیں تو طبیعتیں متوجہ ہوئیں اور دین کی طرف ایمان کی طرف آنے شروع ہو گئے۔

صلح حدیبیہ کے زبردست اثرات

حدیبیہ کی صلح سنہ ٦ ہجری میں ہوئی، ۱۳ سال اور ٦ سال، ۱۹ سال کے اندر پندرہ سو مسلمان بنے، لیکن جب صلح ہوکر ملنساری شروع ہوگئ تو فتح مکہ کے موقع پر دوسال کے اندر دس ہزار مسلمان بنے، انیس سال میں تو ۱۵۰۰ اور دوسال میں ۱۰۰۰۰ اور پھر ایک سال کے بعد تبوک ہوا تو اس وقت میں تیس ہزار (۳۰۰۰۰) اورایک سال کے بعد جب حجۃ الوداع ہوا تو اس وقت ایک لاکھ پچیس ہزار (۱۲۵۰۰۰) سے زیاہ مجمع، اور پھر اس مجمع کے حوالے دعوت کا کام رسول کریم ﷺ کر کے تشریف لے گئے اور یہ بات بتادی کی شیطان مایوس ہو چکا ہے کہ اس کی پوجا عرب میں ہو، اس سے تو مایوس ہو چلا وہ، بَلْ لٰكِنْ التّحْرِيْشَ وہ آپس کے اندر بھڑکائے گا۔ یہ خبر دے دی۔

شیطان آپس میں بھڑکائے گا

اب وہ شیطان نے چاروں خلفاء کے دور میں برابر بھڑکایا، لیکن اس کے بھڑکانے پر کیا کیا؟ یہ آپ حضرات کے سامنے ہے: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا کیا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے کیا کیا، وہ تو بھڑکائے گا۔ تو آج کے دور کے بارے میں، اگر آپ اور ہم چاہیں کہ شیطان بھڑکائے نہیں اور کام ہوتا رہے، اور سارے کے سارے جنید بغدادی جیسے ہو جائیں اور حضرت امام غزالیؒ جیسے بن جائیں اور حسن بصریؒ جیسے، اور عورتیں جو ہیں رابعہ بصریؒ جیسی بن جائیں، کام بہت ہوگا، میرے محترم دوستو بزرگو! ایسا تو نہیں ہوگا، جس طرح، شیطان نے اس دور میں بھڑکایا آج بھی برابر بھڑکائے گا، لیکن شیطان جب بھڑکائے تو اس موقع پر ہمیں کیا کرنا؟

ایک دوسرے کے ساتھ اخلاق کا مظاہرہ

اس کو اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میرے بندوں سے کہہ دو (وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُواْ الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ) میرے بندوں سے کہدو وہ لوگوں سے بات کریں خوش اسلوبی کے ساتھ، نرمی کے ساتھ، حکمت کے ساتھ اور نبوی طریقے کے ساتھ، ایسا کہ جس سے ذہن بنے، ذہن بنانے والی بات ہو۔ ایک دم سے ٹامک ٹوئی شروع نہ ہو، بتوں تک کو گالیاں دینے سے منع کیا اللہ تعالی نے (وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ) تو گالیاں دینے کو بھی منع کر دیا، تو اگر بے تکے پن سے کام کیا تو خدا اپنے بڑوں کے اوپر حرف لائیں گے اور سب بنیں گے ہم اس لیے ذہنوں کا بنانا نبوی طریقے پر ہو اس سے کام ڈھنگ پر آئے گا۔ اب رہا یہ کہ کوئی مانے یا کوئی نہ مانے یہ تو ہمارے تمہارے بس میں ہے ہی نہیں، یہ تو نبی کریم ﷺ کے بس میں بھی نہیں تھا، اللہ نے کہہ دیا (إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ) جس کو اللہ جانتا ہے کہ یہ ہدایت دینے کے قابل ہے، وہ اللہ جانتا ہے اس کو تو ہدایت دے گا، آپ جسے پسند کریں اُسے ہدایت دے ایسا نہیں ہوگا۔

ہدایت کا بیج ہر انسان کے دل میں ڈالا گیا ہے

فرعون اور ابوجہل کے دل میں بھی ڈال رکھا تھا کُلُّ مَوْلُودٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ اور عالم ارواح میں فرعون نے اور ابوجہل نے بھی اللہ کو رب مانا تھا، تو ہدایت کا بیج جو ہے وہ تو ہر ایک کے دل میں اللہ پاک نے ڈالا ہے اب ماحول سے اسے ہدایت ملتی ہے یا اسے ضلالت ملتی ہے ہدایت کا جو بیج اور ایمان کا جو بیج اللہ نے دل میں ڈالا اس کے اوپر اگر آسمانی وحی کا روحانی پانی ملتا رہا تو وہ دین کا پورا درخت بن جائے گا۔ آسمانی وحی کا روحانی پانی: وہی جو ایمان کی باتیں کرتے ہیں آپ اور ہم ،اور وہ جو تعلیم کا حلقہ کرتے ہیں آپ اور ہم، اور وہ خصوصی عمومی گشتوں میں بات کرتے ہیں آپ اور ہم، تو یہ آسمانی وحی کا روحانی پانی مل رہا ہے۔ تو پھر دین کا درخت تیار ہو جاتا ہے۔

دین کے درخت کی حفاظت ضروری ہے

لیکن دین کا درخت تیار ہو جانے کے بعد پھر اس کے اندر دیمک وغیرہ نہ لگے، اس کے اندر پھر کوئی اور خرابی نہ آجاوے، اس کے اندر کوئی اور چیز نہ آجائے جس سے وہ درخت جو ہے وہ ختم ہو جاتا ہے پس تکبر آ گیا، حسد آ گیا، جب جاہ، حب مال، حب دنیا، دنیا طلبی، خود غرضی، یہ اگر آ گئی تو دین کا بنا یا درخت جو ہے وہ ختم ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ شہید، سخی اور قاری یہ بھی جہنم کا اندر چلے جاتے ہیں، تو اس بناء پر جہاں آسمانی وحی کا روحانی پانی اس بیج کو ملنا چاہیے وہیں اس درخت کو برباد کرنے والی جو چیزیں ہیں وہ بھی ختم کرنی چاہیں تو اس کے لیے عشق الٰہی کی آگ دل میں لگانی پڑے گی ایک روحانی پانی، اس سے جو ہے درخت بنے گا

اور ایک طرف عشق الٰہی کی آگ جو اس قسم کی چیزوں کو جلا کر صاف کردیں گی، عشق الٰہی کی آگ اگر دل میں لگ گئی تو اللہ پاک اس کو جلا کر صاف کردیں گے، تکبر صاف، حب جاہ حب مال حب دنیا، یہ سارا صاف ہوتا جائے گا۔ تو دو چیزیں کرنی ہوں گی، ایک تو آسمانی وحی کا روحانی پانی ملتا رہے اور ایک عشق الٰہی کی آگ لگے جس کی وجہ سے وہ ساری خرابیاں دور ہو جائیں۔ لیکن اگر آدمی کو ماحول نہ ملا یا ماحول تھا اس میں وہ آدمی آیا نہیں تو دھیمے دھیمے وہ جو ہدایت اور ایمان کا بیج تھا وہ خود ہی اس نے ضائع کردیا، تب ضلالت اور گمراہی کی طرف چل پڑا۔

اپنے بارے میں بدظنی اور دوسروں کے ساتھ حسن ظن

اب تو یہ اللہ ہی جانتے ہیں کہ کس نے اس بیج کو ضائع کیا اور کس نے ابھی تک اس بیج کو ضائع نہیں کیا، اسے اللہ جانتے ہیں، اسے ہم اور آپ نہیں جانتے تو کسی کے بارے میں یہ فیصلہ نہیں کرسکتے کہ یہ تو گمراہ ہوگیا، اور گمراہ رہے گا، اور اپنے بارے میں ہم یہ فیصلہ نہیں کرسکتے کہ مجھے ہدایت ملی ہے، تو ہدایت اخیر تک باقی رہے گی، اپنے بارے میں تو فکرمند رہنا اور دوسرے کے بارے میں امیدوار رہنا یہ راستہ ترقی کا ہے۔ اپنے بارے میں تو آدمی فکرمند ہوجائے اور دوسرے کے بارے میں آدمی امید باندھے اور اس کی جو تدبیریں ہیں وہ کرتا رہے۔

میرے محترم دوستو! کیوں کہ تھوڑی دیر میں ساری بات پوری کرنی ہے اگر کوئی ایسا موقع مل جائے کہ مہینہ دو مہینہ ہم اور آپ ساتھ میں رہیں، اور ساتھ میں رہ کر روزانہ تین تین چار چار گھنٹہ بات کرنے کا موقع ملے تو ان شاء اللہ دو مہینے تک سنتے رہو گے اور طبیعت اکتائے گی نہیں، اور اتنا سمندر ہے یہ قرآن وحدیث کے

اندر سے موتی نکالتے رہو، اس وقت میں تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں مختصر کرن کے لیے اتنی بات عرض کر دوں کہ چار مرحلے ہیں۔

آج کے دور میں مدارس علیٰ قدر الکفایہ نہیں ہے

چار مرحلے۔ پہلا مرحلہ وجود دعوت، دوسرا مرحلہ وقفۂ تربیت، یہ دو مرحلے تو ہمارے ذمہ ہیں جو اللہ نے کئے۔ ایک تو دعوت کے کام کو ہم اپنا کام بنا دیں۔ اس میں میں نے جواب دے دیا کہ پھر مدرسوں کا کیا ہوگا؟ مدرسے جتنے ہیں بہت کم ہیں، مدرسوں کی توہین ہے یہ کہہ دینا یہ تو فرض کفایہ ہے ابھی فرض کفایہ ادا نہیں کر رہے ہیں۔ فرض کفایہ یہ جب علی قدر الکفایہ ہو تو فرض کفایہ ادا ہوتا ہے اور علی قدر الکفایہ نہ ہو تو فرض کفایہ ادا نہیں ہوتا تو مدرسے جو ہیں علی قدر الکفایہ نہیں ہیں اس لیے کہ میرے محترم دوستو ہر گاؤں کے اندر ایسا عالم ہونا چاہیے کہ جوان کو مسائل وغیرہ بتا سکے اور دین کی بات بتا سکے اور پندرہ بیس گاؤں کے اندر ایک بڑا عالم ہونا چاہیے کہ جو پیچیدہ قسم کے مسائل کو حل کر سکے، فتوی وغیرہ دے سکے یہ پورے عالم کے لیے پوری امت کے لیے یہ چیز ضروری ہے، لیکن اس وقت میں لاکھوں گاؤں ایسے بتائے جا سکتے ہیں جہاں جنازے کی نماز پڑھانے والا بھی کوئی نہیں، بل کہ لاکھوں گاؤں ایسے ہیں کہ جس کے اندر جتنے مدرسے ہیں کم ہیں اس سے زیادہ مدرسے ہونے چاہئیں اور جتنے مکتب ہیں یہ کم ہیں اس سے زیادہ مکتب کیسے تیار ہوں گے؟ جب کہ لوگوں کے دلوں میں دین کی رغبت آئے اور دین کی طلب آئے۔ تو مدرسے بڑھتے رہیں گے اور مکتب بھی بڑھتے رہیں گے کیوں مدرسے چلانا یہ صرف مولویوں کا کام نہیں ہے مدرسے چلانا اور مکتبوں کا چلانا یہ مشترک کام ہے، عوام کا بھی

اور مولویوں کا بھی، اس لیے مولوی صاحباں اپنی ترتیب پر کام کریں اور عوام جو ہیں وہ اپنی ترتیب پر کام کریں گے۔ بعض کام ہیں جو عوام کے کرنے کے ہوتے ہیں مولوی صاحبان کے کرنے کے نہیں ہوتے ہمارے اکابرین نے تنخواہوں کا مقرر کرنا قرآن، حدیث سے ثابت کر کے بڑا احسان کیا۔

حضور ﷺ کے زمانے میں طریقۂ تعلیم

ورنہ رسول کریم ﷺ کے دور میں جو عام چیز تھی علم کا لینا اور علم کا دینا اس کے اندر تین باتیں تھیں، ایک تو بڑی عمر کا آدمی علم کو لیتا بھی تھا اور علم دیتا بھی تھا، دوسرے علم کے لینے اور دینے کی جگہ جو تھی وہ مسجد تھی اور تیسرے علم کا لینا اور دینا جو تھا وہ آخرت کا اجر اور ثواب لینے کے لیے تھا۔ یہ تین باتیں تھیں۔ جو نابالغ بچے تھے ان کو یہی سکھاتے تھے اور گھر کی جو عورتیں تھیں عام طور سے یہی مرد سکھاتے تھے، لیکن یہ چند باتیں میں بتائیں اس سے جو استعداد اور صلاحیت پیدا ہوگئی تھی پورے دین پر چلنے کی، اور رات کے وقت میں پردے کی آیت اتری ہے اور صبح کے وقت میں عورتیں چادروں کے ساتھ آرہی ہیں ایک ہی رات کے اندر وہ علم پھیل بھی گیا اور اس کا عمل بھی چالو ہوگیا، کیوں صلاحیت اور استعداد پیدا ہوگئی تھی اور یہ ہوتی ہے دین کی طلب پیدا ہونے سے، ایمان کے اندر قوت آنے سے، دین کا ذہن بننے سے۔

دعوت کے چار مرحلے ہیں

غرض ایک مرحلہ وجود دعوت کا، دوسرا مرحلہ وقفۂ تربیت کا، یہ دو مرحلوں سے تو ہمیں اور تمہیں گزرنا ہے، ہمارے ذمہ ہے اس لیے کہ جب دعوت کا کام کریں گے تو پھر ہمارے اوپر کئی لائن کے امتحانات اور آزمائش آوے گی تو اس کے ساتھ قرآن،

حدیث اور صحابہ کی زندگی کو دیکھ کر اس کے اندر ہمیں کیا کرنا ہے دونوں کام پورے ہوں گے، پھر تیسرا مرحلہ جو ہے وہ اظہار نصرت ہے، اللہ پاک کی غیبی مدد کا آنا، یہ طے ہے قیامت تک اللہ کی غیبی مدد آئے گی اور جو اللہ پاک کی غیبی مدد آجائیں تو اہل باطل کی تین قسمیں ہوجائے گی، ایک قسم تو اہل باطل کی، جو انصاف والی ہوگی سلیم الفطرت ہوگی، وہ تو قبول کرلے گی اور وہ ہدایت پر آجائے گی جیسے ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ بن گئے ابوجہل کا بھائی حارث بن ہشام بن گئے، امیہ بن خلف کا بیٹا حضرت ابوصفوان بن گئے تو ایک قسم کی ہدایت آجائے گی اور دوسری قسم ہوگی وہ سرنگوں ہوجائے گی، جیسے وفد بنی نجران مقابلہ کرنے کو تیار نہیں ہوئے۔ جانتے تھے کہ بالکل سچے نبی ہیں لیکن دنیا طلبی اور خودغرضی جو ہے آدمی کو ہدایت سے دور کردیتی ہے، تو ہدایت پر آئے نہیں، لیکن سہم گئے اور جزیہ دینا انہوں نے شروع کردیا، تو ایک قسم تو ہدایت پر آتی ہے جو سلیم الفطرت ہو، اور ایک قسم سرنگوں ہوجاتی ہے۔

اہل باطل کی تیسری قسم

اور تیسری قسم جو ہوتی ہے وہ مقابلہ پر آجاتی ہے بل کہ چھاجاتی ہے جب وہ چھاجاتی ہے، مقابلہ پر آجاتی ہے تو پھر اللہ پاک کی ان پر غیبی پکڑ آتی ہے، غیبی مدد کا آنا قیامت تک طے ہے اور یہ قرآن کہتا ہے، نبیوں کے ساتھ غیبی مدد کے واقعات بیان کرکے اللہ پاک نے فرمایا(إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ) نیکوکاروں کے ساتھ ہمارا یہی معاملہ ہوگا جو نبیوں کے ساتھ غیبی مدد کا ہوا اور اگر نہیں مانا ہٹ دھرمی پر آگیا اور چھاجانے لگا قوم عاد کی طرح تو پھر اللہ پاک نے فیصلہ فرمادیا، (كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ) ان مجرموں کے ساتھ ہمارا معاملہ ہوگا جو قوم عاد اور دوسروں کے ساتھ ہوا۔

غیبی مدد کب آئیگی؟

تو غیبی مدد قیامت تک ہے، لیکن غیبی مدد کب آئے گی، جب دین کا درخت وجود میں آجائے اور دین کے درخت کو وجود میں لانے کے لیے دعوت کے ذریعے زمین ہموار ہو جائے، دعوت کی زمین ہو، ایمانیات کی جڑ ہو اور ذکر، تلاوت، آہوں کا بھرنا، آنسوؤں کا بہانا اس کی فضا ہو، ارکان اسلام کا تنا ہو، معاشرت اور معاملات نبوی طریقے پر لانے کے لیے تیار ہو، اس میں اخلاق کا پھل ہو اور اس میں اخلاص کا رس ہو، یہ درخت تیار ہو گیا، ایک دوسری لائن سے سمجھاؤں۔ جب دعوت دی جائے گی، ان شاء اللہ تو ایمان بڑھے گا جتنی دعوت دی جائے گی یا جتنی دعوت سنی جائے گی، دونوں باتوں سے، ایمان جو ہے بڑھے گا، ایمان کے بڑھنے کے بعد پہلے اعمال ایمانیہ تیار ہو جائیں گے، ظاہری اعمال نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدقہ، تلاوت، خیرات یہ تیار ہوں گے۔

اعمال ایمانیہ دو قسم کے ہیں

ایمان کا پانی ملنے سے دعوت کی فضا ہوئی، جب اعمال ایمانیہ تیار ہوں گے تو اعمال ایمانیہ دو قسم کے ہوتے ہیں، مقبول اور غیر مقبول، قرآن کی تلاوت بھی دو قسم کی، روزہ بھی دو قسم کا یہاں تو قرآن کی تلاوت کرتا ہے باہر جا کر جھوٹ بولتا ہے، جھوٹ بولنے والے پر لعنت (لَعْنَتُ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ) اسی طرح روزہ بھی دو قسم کا ہے، (اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنْ عَذَابِ اللهِ) بھی ہے اور صوم کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں جن کو بھوکا رہنے کے سوا کچھ بھی نہیں ملا، شہید، سخی، قاری، یہ بھی اعمال ایمانیہ دو طرح کے ہوتے ہیں، مقبول یا غیر

مقبول لیکن جب دعوت کی فضا برابر بنتی رہی اور اللہ کی عظمت برابر بولتے رہے اور سنتے رہے باقاعدہ ایمان بڑھے گا، خوب بڑھے گا۔

دعوت سے صفات ایمانیہ پیدا ہوں گی

اس طرح بڑھے گا کہ پھر صفات ایمانیہ پیدا ہوجائیں گے، اور صفات ایمانیہ جس میں اللہ پاک کے ساتھ ہوجاتے ہیں یہ ہیں: تقویٰ توکل، صبر، احسان، (وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ)(إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ) (إِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ) (إِنَّ اللّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَواْ وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ) آپ کو إِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ وَالصَّائِمِيْنَ نہیں ملے گا، ہاں یہ ملے گا میرے کو یاد کرے گا تو ساتھ لیکن وہ یاد کرنا ایسا ہوگا، خالی زبان کا ذکر کرنا نہیں، بھئی ذکر تو ایسا ہو کہ اللہ پاک کا دھیان جمنے لگے تو اللہ ساتھ ہوجائے گا، تو صفات ایمانیہ تیار ہوجانے کے بعد پھر اللہ کی طاقت ساتھ ہوجاتی ہے، تو پہلے دعوت کے ذریعے ایمان کا پانی ملے گا، اعمالِ ایمانیہ تیار ہوں گے، اس کے بعد دعوت کی فضا بنی رہی تو صفات ایمانیہ تیار ہوں گی، صفات ایمانیہ تیار ہوں گی تو اللہ پاک کی مدد آئے گی اور جب اللہ پاک کی مدد آئے گی تو پھر اہل باطل تین قسم کے ہوجائیں گے، ایک قسم تو ہدایت پر آجائے گی، ایک قسم سرنگوں ہوجائے گی اور ایک قسم جو ہے ہٹ دھرمی پر آجائے گی اور ہٹ دھرمی پر آکر وہ رکاوٹ ڈالنے پر آجاوے گی، چھاجانے پر آجائے گی لیکن یہ سارا کام تو ہے اللہ کا، پہلا مرحلہ وجودِ دعوت، دوسرا مرحلہ وقفۂ تربیت، تیسرا مرحلہ اظہارِ نصرت اور چوتھا مرحلہ فیصلۂ قدرت، تو آخری دو مرحلے یہ تو کام اللہ کا، پہلے دو مرحلے یہ کام ہمارا۔

عبرت آموز نمونہ

پہلے تو ہم دعوت کے کام کو بنائیں گے، دعوت کے کام کو اپنا کام بنانے کے ساتھ میں آدمی کاروبار بھی کرے گا آدمی گھر بھی کرے گا، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کاروبار بھی اچھا خاصا کرتے تھے، تصنیف وتالیف کا کام بھی کرتے تھے اور اللہ کے راستے میں جہاد کا کام بھی کرتے تھے، تینوں کام کرتے تھے اور بڑے بڑے علماء کی خدمت کرتے تھے بڑے بڑے علماء کے پاس پیسے بھی بھیجا کرتے تھے، انتقال کا وقت ہوا تو کہا میرا جو قلم کا تراشا ہے اس سے تو میرے نہلانے کا پانی گرم کرنا اور اللہ کے راستے میں پھر کر جو دھول جمع ہوئی تھی اس کی اینٹ، جو بنی رکھی ہے وہ میرے قبر کے اندر رکھنا، یہ مرتے وقت وصیت کی۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا خط فضیل بن عیاضؒ کے نام

يَاعَابِدَ الْحَرَمَيْنِ لَوْ اَبْصَرْتَنَا	لَعَلِمْتَ اَنَّكَ فِيْ الْعِبَادَةِ تَلْعَبُ

اے حرمین شریفین کی عبادت کرنے والے! اگر آپ ہم کو دیکھتے کہ ہمارے ہاتھوں کتنے عبادت گزار بنتے ہیں، اور ان عبادت گزار کو دیکھ کر کتنے تہجد گزار بنتے ہیں اگر آپ یہ دیکھیں تو آپ کو یہ اندازہ ہوجائے گا کہ آپ تو اکیلے عبادت میں مشغول ہیں اور ہمارے ہاتھوں اللہ نے کتنے پیدا کردیے ہیں:

مَنْ كَانَ يَخْضَبُ بِدُمُوْ عِـهِ	فَنُحُورُنَا بِدِمَائِنَا تَتَخَضَّبُ

ارے کسی کے رات کی رونے کی وجہ سے ان کے رخسار آنسوؤں سے تر ہوتے ہیں اور ہمارے سینے اور ہمارے حلق میدان جہاد میں تیر کے زخموں سے خون آلود ہونے کے لیے تیار ہیں۔

اَوْكَانَ يَتْعَبُ خَيْلُهُ فِيْ بَاطِلٍ	فَخُيُوْلُنَا يَوْمَ الصَّيْحَةِ تَتْعَبُ

کسی کے گھوڑے، سیر وتفریح کے اندر تھکا کرتے ہیں اور ہمارے گھوڑے جو ہیں وہ میدانوں کے اندر جاتے ہیں وہاں پر تھکتے ہیں۔

رَهْجُ الْعَبِيْرِ لَكُمْ وَنَحْنُ عَبِيْرُنَا	رَهْجُ السَنَبِكِ وَالْغُبَارُاَطْيَبُ

مشک وغیرہ کی خوشبو تو تمہیں مبارک ہو، (کہ خوشبو لگا کر تم خدا کی عبادت کرتے ہو تا کہ بہت سے فرشتے آویں) لیکن ہم جب نکلتے ہیں اللہ کے راستے میں تو پتھریلی زمین پر ہمارے گھوڑوں کے سم کے ذریعے جو چنگاریاں نکلتی ہیں اور اسی طرح ریتیلے میدان میں جب ہم چلتے ہیں اس کی دھول جو ہماری بدنوں پر آتی ہے یہ ہمارا مشک اور عنبر ہے۔

جب حضرت فضیل بن عیاضؒ نے یہ خط پڑھا ہے تو ہچکیاں مار مار کے روئے۔

غیبی مدد لانے والی تین باتیں

میرے محترم دوستو! پہلا مرحلہ وجود دعوت ، دعوت کے کام کو اپنا کام بنانا ، دوسرا مرحلہ وقفۂ تربیت، نعمتیں آویں تو شکر، تکلیفیں آویں تو صبر، شکر، صبر کیسے ہوں؟ جس طرح بدر کے اندر ہوا، جس طرح اُحد کے اندر ہوا، جیسا خندق کے اندر ہوا، اسی طرح ہم دیکھیں گے کہ ایسے موقعوں پر صحابہ نے کیا کیا؟ رسول کریم ﷺ نے کیا کیا ؟ چاروں طرف سے اگر گھیرے میں آ گئے تو اللہ کی مدد اُتارنے کے لیے یہ تین باتیں اللہ نے بتائیں، صبر، تقویٰ اور گڑگڑانا، (بَلَى إِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلافٍ مِّنَ الْمَلآئِكَةِ مُسَوِّمِينَ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلآئِكَةِ

مُرْدِفِينَ) قیامت تک کوئی کام ایسا نہیں جو اللہ کی قدرت سے نکلا ہوا ہو، دل و دماغ میں یہ بات بیٹھ جائے جب اللہ کی قدرت کا یقین دل کے اندر آ جائے گا تو ساری دنیا کی طاقتیں مکڑی کے جالے کی طرح دکھائی دیں گی، ساری دنیا کی طاقتیں مکڑی کے جالیں ہیں ایٹم بم، ہایئڈ روجن بم، نائٹروجن بم، یہ جتنی بھی طاقتیں ہیں خدائے پاک کی قسم! مکڑی کے جالے ہیں، کوئی حیثیت نہیں۔

مکڑی جالا تنتی ہے ویران گھر میں

اور مکڑی جالا تنتی ہے ویران گھر میں، جب دنیا دین سے ویران ہو جاتی ہے، ایمان کمزور ہو جانے کی بنا پر، نمازوں کے چھوٹنے کی بنا پر، اور اسی طرح اللہ پاک کے ذکر سے، اخلاق کریمانہ سے اخلاص سے اور دعوت کے فضا سے جب دنیا ویران ہو جاتی ہے تو مکڑی اور مکڑے ویران گھر میں جالے تنتے ہیں اور کبوتریاں گھونسلے بناتی ہے اور مکڑی جالا تنتی ہے اور مکڑی ادھر سے ادھر جاتی ہے اُدھر جاتی ہے اُدھر سے اِدھر آتی ہے، اور اوپر سے گھونسلے کے تنکے ٹوٹ کر گرے انڈوں کے چھلکے ٹوٹ کر گرے جالا نہ ٹوٹا پروگرام مکڑی مکڑوں کے بن رہے ہیں، فلاں مکڑی فلاں جگہ سے چلی، فلاں جگہ پہنچی، فلاں مکڑے سے ملا، فلاں جگہ پر اتنے مکڑے جمع ہوئے تین دن کے لیے، دو دن کے بعد چند مکڑوں نے واک آؤٹ کر دیا اور وہ جا کر دوسرے جالے کے اندر جمع ہو گئے، یہ پوری دنیا کی میں بتا رہا ہوں خداءے پاک کی قسم! میں ہنسانے کے لیے نہیں بتا رہا، میں قسم کھا کے کہتا ہوں یہ ساری طاقتیں جو ہیں یہ مکڑی کے جالے ہیں، ہوش میں آ جائیں یہ مکڑی کے جالے ہیں۔

ایک جھاڑو سے سارے جالے صاف

لیکن جب اللہ پاک دنیا کو دین سے آباد کرنے کا ارادہ کریں گے، دین کا کام کرنے والوں کی قربانیوں پر، جب گھر کو آباد کرنا ہوتا ہے تو سب سے پہلے جالے صاف کئے جاتے ہیں اور جالوں کے صاف کرنے میں دیر نہیں ہوتی، ایک جھاڑو لیا اور چاروں طرف پھیر دیا، مکڑیاں بھی ختم اور جالے بھی ختم، ایک جھاڑو یوں پھیر دیا، مکڑے مکڑی سب ختم اور پھر اس کے بعد گھر کے آباد کرو، گھر کو آباد کرنے سے پہلے مکڑی مکڑوں کے جالے صاف کئے جاتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے اندر خوب کام کیا، اللہ پاک خوش ہو گئے، پھر اللہ پاک نے طے کیا کہ جالے صاف کرو، تو اللہ کے عذاب کا ایک جھاڑو آیا، اور فرعون کے ملک کا جالا صاف، اللہ کے عذاب کا دوسرا جھاڑو آیا، تو ہامان کی وزارت کا جالا صاف، اور اللہ کے عذاب کا تیسرا جھاڑو آیا تو قارون کے مال کا جالا صاف، اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو کام کرنے کا میدان ملا۔

اللہ کی طاقت کے سامنے اونٹ اور راکٹ برابر ہیں

جس طاقت کے ساتھ اللہ اونٹوں کے زمانے میں تھا خدائے پاک کی قسم آج بھی اللہ اسی طاقت کے ساتھ ہے، جس دن یہ مکڑیاں مکڑوں کو اور ان کے جالوں کو صاف کرنے پر آئے گا، تو اللہ کی طاقت کے مقابلے میں اونٹ اور راکٹ یہ دونوں برابر ہیں اور اللہ کی طاقت کے مقابلے میں ڈنڈے، تلواریں اور ایٹم یہ سب برابر ہیں جس دن اللہ فیصلہ کرے گا تو اللہ کے فیصلے کی طاقت کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا،، ہم ساری دنیا کو دعوت دیتے ہیں کہ خدا کی طاقت کو تسلیم کرو تو تمہارے بیڑے پار ہوں

گے اور اگر خدا کی طاقت تسلیم نہیں کرو گے تو جب تک اللہ تمہیں ڈھیل دے گا پتہ نہیں چلے گا اور جس دن اللہ کی پکڑ آئے گی تو تمہارے ملک کی طاقت اور تمہارے مال کی طاقت اور تمہاری دھن دولت اور تمہارا مجمع اللہ کی پکڑ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

دنیا کے سامنے اللہ کی بڑائی بیان کرو

ساری دنیا کے اندر پھیل جاؤ (قُمْ فَأَنْذِرِ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ) اور کھڑے ہو کر اللہ سے اور کھڑے ہو کر اللہ سے ڈراؤ، پروردگار کی بڑائی کو سب کے سامنے بیان کرو، چاروں طرف پھیل کر یہ بات کہنی ہے، ہر جگہ جا کر عمومی گشتوں میں خصوصی گشتوں میں اور عام مجمعوں میں یہی بات کہنی ہے تا کہ ساری دنیا کے کانوں تک یہ بات پہنچ جائے اور سب لوگ سن لیں کہ اللہ کی طاقت بہت بڑی طاقت ہے اس کو سن کر کوئی یہ نہ سمجھے ہم اپنی طاقت بیان کر رہے ہیں ہماری کوئی طاقت نہیں (وَخُلِقَ الإِنسَانُ ضَعِيفاً) ہم تو بالکل کمزور ہیں، ہماری کوئی طاقت نہیں، ہم تو اتنے کمزور ہیں کہ ہم کو مار ڈالنے کے لیے پستول کی بھی ضرورت نہیں، ڈنڈے کی بھی ضرورت نہیں اگر ایک گھونسا ہم کو مار دیا جائے اور ہماری موت کا وقت آ چکا ہو تو ہم مر جائیں گے ہم اپنی طاقت کو بیان نہیں کرتے اللہ کی طاقت کو بیان کرتے ہیں جو اپنا ایک حکم دے کر زمین و آسمان کو توڑ پھوڑ دے گا، اور ایک حکم سے جنت اور جہنم تیار کر دی اور ایک حکم کر کے آسمان سے پکا پکایا کھانا اتار دیا، ایک حکم دے کر سمندر میں بارہ راستے کر دیئے آگ کو ٹھنڈا کر دیا اللہ اسی طاقت کے ساتھ آج بھی ہے اللہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے جو نبیوں کے زمانے میں کر چکا لیکن اللہ کے کرنے کا ضابطہ یہ کہ دعوت کی فضا بنائی جائے۔

تیسرا مرحلہ اظہارِ نصرت

تو پہلا مرحلہ وجود دعوت دوسرا مرحلہ وقفہ تربیت یہ دونوں مرحلے جب پورے ہو گئے، تو تیسرا مرحلہ آئے گا اظہار نصرت کا، اللہ پاک کی غیبی مدد کا، اور آج بھی اللہ اُسی طاقت کے ساتھ غیبی مدد کر سکتے ہیں کب کریں گے نہیں معلوم کیسے کریں گے نہیں معلوم وہ اللہ ہی جانتے ہیں اللہ کا کام جو ہے اس میں ہمیں دخل نہیں دینا، وہ کرے گا جب کرنا ہوگا، جب غیبی مدد آئے گی تو اہل باطل تین قسم پر ایک تو ہدایت پر آجائے گی، اہل حق پر اس کی دو مثالیں ہیں، پہلے بھی دو مثالیں دے چکا تھا، آسمانی وحی کا روحانی پانی، اس کے ذریعے تو دین کا درخت بنے گا، اور دین کا درخت برباد ہونے سے بچے گا جب عشق الٰہی کی آگ دل میں لگ جائے۔

آگ اور پانی کی مثال

یہاں پر بھی آگ اور پانی کی مثال دینی ہے، بارش کا پانی گرا، نالیاں اور نالے چلے اور کوڑا کباڑا اوپر چھا گیا، پانی نیچے اور کوڑا اور کباڑا اوپر۔ یہ تو پانی کی مثال ہے دوسری آگ کی، سونے چاندی کے زیور تانبے پیتل کے برتن بناتے ہیں نیچے سے آگ لگائی تو میل کچیل اوپر چھا گیا، تو حق والوں پر باطل والے چھاجاتے ہیں، پانی اور سونے چاندی کی مثال تو جیسے حق، اور کوڑا کباڑا میل کچیل جیسے باطل، تو حق والوں پر باطل والے چھاجاتے ہیں دیکھیں پھر اللہ کیا کرتے ہیں اہل باطل کو پھینک دیتے ہیں کوڑے کباڑے میل کچیل کی طرح اور اہل حق باقی رہتے ہیں پانی اور سونے چاندی کی طرح، اور پھر ان کا نفع دنیا والے اٹھاتے ہیں، یہ مثال آگ اور پانی کی اور یہ ہر زمانے میں ایسا ہوا۔ فرعون کا لشکر کوڑے کباڑے

میل کچیل کی طرح چھا گیا، اللہ پاک نے پھینک دیا اور موسیٰ علیہ السلام نیچے اور وہ اوپر، جالوت اور اس کا لشکر کوڑے کباڑے میل کچیل کی طرح چھا گیا، طالوت جن کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بھائی اور داؤد علیہ السلام کے ابا سب تھے تین سو تیرہ تھے، پھر یہ نیچے وہ اوپر اللہ پاک نے جالوت اور اس کے لشکر کو کوڑے کباڑے اور میل کچیل کی طرح پھینک دیا اور حضرت طالوت اور ان کے ۱۳ ۳ آدمی بچ گئے، سلیمان علیہ السلام آئے، ہر جگہ پر چھا گئے دین دنیا دونوں کے اعتبار سے کامیاب ہو گئے۔ دو مثالیں۔

ہر زمانہ میں باطل کوڑے کباڑے کی طرح صاف ہوا

بدر کے اندر ابو جہل کا لشکر کوڑے کباڑے میل کچیل کی طرح چھا گئے اور بدر میں سونے چاندی کی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نیچے ہو گئے، اللہ پاک نے ان لوگوں کو پھینک دیا کوڑے کباڑے میل کچیل کی طرح، اور صحابہ پانی اور سونے چاندی کی طرح باقی رہ گئے اور خوب کام اللہ پاک نے لیا، غزوۂ خندق میں یہود بنونضیر اور بنوقریظہ کوڑے کباڑے میل کچیل کی طرح چھا گئے۔ اللہ پاک نے ان کو پھینک دیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پانی اور سونے چاندی کی طرح باقی رہے اور خوب کام کیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد مسیلمہ کذاب اور دوسرے چھا گئے اللہ نے پھینک دیا دور فاروقی کے اندر قیصر روم کا لشکر اور کسریٰ فارس کا لشکر کوڑے کباڑے میل کچیل کی طرح چھا گئے، اللہ پاک نے اسے پھینک دیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اجاگر ہو گئے، اور ہر طرف دین کا ہی کام کیا، درمیان کے اندر ایک قصہ اور ہوا، حضرت صلاح الدین ایوبیؒ بالکل غریب آدمی، لیکن اندر وہ

روحانی طاقت اور یورپ کی چودہ حکومتیں کوڑے کباڑے میل کچیل کی طرح چھا گئی، اللہ پاک نے ان کو پھینک دیا، اور صلاح الدین ایوبیؒ بچ گئے اور بیت المقدس کا مسئلہ حل کیا، جب ان کا انتقال ہوا تو کفن کے کپڑے ان کے پاس نہیں تھے، کفن کا کپڑا بھی دوسروں نے دیا،لیکن اندر کی روحانی طاقت تھی۔

انفرادی طور پر اللہ کی مدد آج بھی ہے

آج کے بارے میں کچھ پوچھو گے تو میں بالکل نہیں بتاؤں گا، وجود دعوت اور وقفۂ تربیت جو ہمارا کرنے کا کام ہم کرتے رہیں، آگے اللہ کے کرنے کا کام جو ہے وہ اللہ کرے گا، اور کئی جگہ اللہ پاک نے کیا حیرت انگیز طریقے پر کیا، ایک واقعہ نہیں ایسے بیسیوں واقعات ہیں، انفرادی طور پر عالمی پیمانے پر اللہ کی غیبی مدد ایسی وجود میں آئے کہ جس کو ساری دنیا کے بسنے والے انسان اپنی آنکھوں سے دیکھیں، اور دیکھنے کے بعد ایک بہت بڑا مجمع ہدایت پر آجائے۔

ایک مجمع سرنگوں ہوجائے۔

اور ایک مجمع مقابلہ پر آجائے اور اللہ پاک ان کا بیڑا غرق کر دیں اور اللہ پاک ان کو تباہ و برباد کر دیں۔

دجال اور یاجوج ماجوج بھی کوڑے کباڑے کی طرح صاف ہوں گے

تو آج کا قصہ تو مجھے زیادہ سنانا نہیں ہے لیکن اگلے قصے سنو، دجال پورے لشکر کے ساتھ عالم کا چکر کاٹے گا۔ اور خدائی کا دعوی کرے گا اور کوڑے کباڑے کی طرح چھا جائے گا، اور اخیر میں جا کے یاجوج ماجوج کوڑے کباڑے کی طرح پورے عالم

کے اندر چھا جائیں گے، اللہ پاک انہیں پھینک دے گا، ایمان ہی ایمان ہوگا اللہ پاک یاجوج ماجوج کو بھی ختم کر دیں گے، اور اللہ پاک دجال کو بھی ختم کر دیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سانس جہاں جائے گی وہاں تک یہودی مرے گا، اتنی طاقت اللہ پاک دے گا اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام چلیں گے، دجال کا پیچھا کریں گے، اور باب لُد پر جا کر اسے قتل کریں گے (اور باب لدوہاں پر مسجد وار جماعت بنی ہوئی ہے اور وہاں سے پوری جماعت بن کر چار مہینے کے لیے آتی ہے لوگوں نے کہا کہ وہاں پر جماعت کا کام بھی ہوتا ہے؟ وہاں تو سارے یہودی ہونے چائیں ۔ہم نے عرض کیا یہودی تو ہونے چاہئیں، دجال سے مقابلہ کرنے والا بھی کوئی ہونا چاہیے وہی ہماری مسجد وار جماعتیں ہیں)

اگلی سنا دی پچھلی سنا دی

میرے محترم دوستو! اگلی سنا دی پچھلی سنا دی، کہ کوڑے کباڑے میل کچیل کی طرح اہل باطل چھا جائیں گے، اور اہل حق پانی اور سونے چاندی کی طرح دبے ہوئے ہوں گے، اللہ انہیں پھینک دے گا اور پھر اہل حق ہر جگہ پھیلیں گے اور کام کریں گے، یہ بات میں نے جو بتائی یہ میری بات نہیں بل کہ اللہ پاک قرآن پاک میں ذکر کر رہے ہیں، اپ آیتیں کئی ایک سن لو، سمجھو۔

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاء مَاء فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَداً رَّابِياً . یہ کوڑا کباڑا چھا جانے والا یہ تو پانی کی مثال تھی۔

وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاء حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ

سونے چاندی کے زیور، تانبے پیتل کا برتن گرمانے کے لیے آگ لگائی تو اوپر میل کچیل چھا گیا، عربی میں دونوں کو زبد کہتے ہیں۔

كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ

اللہ حق اور باطل کی مثال دیتا ہے، کہ حق سونے چاندی اور پانی کی طرح نیچے ہوگا اور باطل کوڑے کباڑے میل کچیل کی طرح چھایا ہوا ہوگا۔

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاء.

یہ کوڑے کباڑے میل کچیل پھینک دیا جائے گا، اسی طرح اہل باطل کو اللہ پاک پھینک دیں گے۔

وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الأَرْضِ

اور لوگوں کو نفع دینے والا پانی اور سونا چاندی اور لوگوں میں نفع دینے والے با اخلاق اہل حق یہ باقی رہیں گے۔

كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الأَمْثَالَ

اللہ اسی طرح مثالیں دے دے کر سمجھا تا ہے۔

دین کے کام میں ملاوٹ نہ ہو

لیکن ایک بات رہ گئی، وہ یہ کہ نیچے خالص پانی ہو اور نیچے خالص سونا چاندی ہو تو اوپر کے میل کچیل کوڑا کباڑا پھینک دیا جائے گا۔ اور اگر نیچے کے پانی میں کوڑا کباڑا ملا ہوا ہو اور سونے چاندی میں میل کچیل ملا ہوا ہو تو ملاوٹ والا کوڑا کباڑا اور ملاوٹ والا میل کچیل بھی نیچے رہے گا، اور خالص کوڑا کباڑا اور خالص میل کچیل یہ اوپر رہے گا، اور دین کے کام کرنے والے میں ملاوٹ کیا ہوتی ہے؟ دنیا طلبی اور خود غرضی یہ دنیا طلبی اور خود غرضی یہ ملاوٹ ہے، اس کو صاف کرنا ہے ہمیں تا کہ خالص دین ہم لوگوں کے پاس رہے تو پھر اوپر کے کوڑے کباڑے، میل کچیل کو اللہ تعالی پھینک دیں گے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان.......(۲۹)

دنیا ہے روایات کے پھندوں میں گرفتار
کیا مدرسہ کیا مدرسہ والوں کی تگ ودو

علماء دیوبند کا مسلک ومشرب

(افادات)

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ

قاہرہ کی ممتاز شخصیت، عالم اسلام کی نمایاں ہستی علامہ رشید رضا مصریؒ کی آمد پر مسلک ومشرب دیوبند کے تفارق میں حضرت علامہ کا دار العلوم دیوبند میں مفصل پر اثر علمی خطاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

آپ کو معلوم ہے کہ فرنگی شاطر نے اپنی مخصوص و روایتی دسیسہ کاریوں سے کام لے کر جب ہندوستان میں اپنی حکومت کے دائرے وسیع تر کر دیئے اور مسلمانوں کے بادشاہت ختم ہوگئی تو عیسائی مشنری نے ہندوستان میں عیسائیت و تثلیث کی تبلیغ کے لیے منصوبہ بند کام شروع کیا، دوسری جانب مسلمانوں میں تفرقہ اندازی کرتے ہوئے بعض مذموم و اسلام خلاف نظریات کو نام نہاد مسلمان ہی کے ذریعہ بروئے کار لانے کی بدترین کوشش کی۔ یہی وقت تھا کہ ان دونوں حضرات (حضرت نانوتوی و حضرت گنگوہی) نے ہندوستان میں اسلام کے تحفظ اور اسلامی تعلیمات کی نشأۃ ثانیہ کے لیے ''دارالعلوم دیو بند'' کو قائم کیا، اس دارالعلوم سے نہ صرف اسلامی تعلیمات کو عام کیا.... بل کہ یہ انگریز کی دسیسہ کاریوں کے خلاف ایسا معسکر تھا جو جاں سپار وفد اکار مجاہدین اسلام کو برآمد کر کے خدمت کے ہر محاذ پر روانہ کر رہا تھا۔

آج ہندوستان میں جہاں کہیں آپ کو تعلیمات اسلام کے چراغ روشن نظر آتے ہیں وہ اسی مدرسہ کا فیض اور یہی سے روشن کئے ہوئے چراغ ہیں۔

پیرا گراف از بیان

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

آج کی تقریب کا پس منظر

آج کی اس تقریب کا پس منظر و پیش منظر حاضرین کے علم میں ہے جیسا کہ معلوم ہے کہ ہمارے مہمان مکرم ''علامہ رشید رضا'' خوش قسمتی سے ہمارے درمیان تشریف رکھتے ہیں آپ ''قاہرہ'' کی ممتاز عالم اسلام کی نمایاں ہستی ہیں اور آپ کی ذات گرامی سے جدید وقدیم تصورات کی تاریخ وابستہ ہے۔آپ کی گوناگوں شخصیت اور مرقع علم ودانش کسی طویل تعارف کی محتاج نہیں اور وقت بھی مختصر ہے۔اس لیے میں کسی طویل تمہید کے بغیر اس وقت کے مناسب کچھ عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

سب سے پہلے میں دارالعلوم دیوبند کے ارباب حل وعقد کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس وقیع اور پرتپاک تقریب میں کچھ عرض کرنے کا حکم دیا جس کی تعمیل میں اپنے لیے سعادت باور کرتا ہوں۔

مہمان مکرم کی نجی گفتگو سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ دارالعلوم کے مسلک ،علوم وفنون میں اس کے امتیاز،اس کے خصوصی ذوق ومشرب سے چنداں واقف نہیں جس کی بنا پر ان کے لیے یہ حقیقت تقریباً مشتبہ ہے کہ فقہ حنفی کی حدیث سے مطابقت اور حدیث وقرآن کے سرچشموں سے اس فقہ کا استنباط واستخراج کس حد تک صحیح ہے۔ اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اسی موضوع کو اپنی گذارشات کا عنوان بنا کر کچھ عرض کروں۔

سرزمین ہندوستان کا علمی ودینی حال

مولانائے محترم! آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا یہ ملک اور سرزمین وطن یعنی ہندوستان ممالک اسلامیہ سے بہت دور واقع ہوا ہے۔ خصوصاً اسلام کے وطن اول (مکہ معظّمہ زادہا اللہ شرفاً) اور وطن ثانی (مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً) سے بعد مسافت کی بنا پر اسلام کے شعائر اس ملک میں دھندلے اور دینی علوم کی شمع فروزاں ہونے کے بجائے یہاں دھیمی رفتار سے نور افگن تھی الا ماشاء اللہ۔

اس لیے ہماری موجودہ اس جماعت نے جسے ''علمائے دیوبند'' کے نام سے شہرت حاصل ہے ہندوستان میں اسلام اور امت مرحومہ کے لیے جو طریق کار ومنہاج متعین کیا اس میں یہ خصوصی حکمت ومصلحت پیش نظر رہی کہ یہاں صحیح ومخلصانہ خدمت کے لیے اسلام کے قدیم ہی زوایا ودوائر میں رہ کر کوئی مؤثر ومفید خدمت انجام دی جاسکتی ہے چنانچہ اکابر نے پرعزم انداز میں اپنا موقف متعین کیا اور اُسی موقف پر گامزن ورواں دواں ہیں۔

اکابر دیوبند کا نقطۂ نظر

اس لیے سب سے پہلے دیوبند اور اکابر دیوبند کے باب میں اس نقطۂ نظر کو بقوت اپنانے کی ضرورت ہے کہ وہ کوئی تجدد پسند ادارہ نہیں اور نہ قدیم روایات کو شکست وریخت کرنا اس کے منصوبہ کا جز ہے، بل کہ وہ اسلام کو اس کی صحیح شکل وصورت اور حقیقی خدوخال میں نمایا کرنے کی مبارک ومسعود خدمت کو اپنا دینی فریضہ کرتے ہیں، بایں ہمہ اسلام جس حد تک لچک رکھتا ہے اور جس انداز پر مسائل وحوادث میں اس کی قیادت پیش کی جاسکتی ہے علمائے دیوبند اس توسیع سے بھی گریز

نہیں کرتے گویا کہ قدامت کے ساتھ وسیع المشربی، دینی اقدار پر تصلب کے ساتھ توسع ہمارا خصوصی ذوق وممتاز رجحان ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ ہم دینی مسائل واسلامی نقطۂ نظر میں ہندوستان میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلوی رحمہم اللہ سے ذہنی وعملی روابط استوار کئے ہوئے ہیں۔ ہمارے امام حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف عالم اسلام کے ہر گوشہ میں پہنچ چکیں اور ان کی مجتہدانہ بصیرت کے مرغزار (سبزہ زار) سب کے لیے اپنے ثقہ اکابر سے سنے اور جو شاہ صاحبؒ کی ہمہ گیر شخصیت اور ان کے افکار ونظریات کے گوشے واضح نہیں ہوتے اس لیے مقصد کو قریب تر کرنے کے لیے میں مجبور ہوں کہ شاہ صاحبؒ کی ابتداء وانتہا پر کچھ عرض کروں۔

سوانحی خدوخال

سوانحی خدوخال سے میری مراد یہ نہیں کہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے سن پیدائش، یوم ولادت وجائے پیدائش کی غیر ضروری تفصیلات میں آپ کا وقت عزیز وقیمتی لمحات صرف کروں بل کہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات طیبہ کے اس موڑ سے گفتگو کا آغاز کرتا ہوں جہاں سے قدرت کے فیاض ہاتھوں انہیں امامت کے جلیل منصب کے لیے تراش وخراش کیا، وہ دور شاہ صاحبؒ کے حصول علم اور علمی مراحل میں تحقیق وژرف نگاہی کا میمون عہد ہے۔ انہوں نے ابتدائی علوم اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سے حاصل کیے اور پھر جذبۂ زیارت وشوق تحصیل علوم کے حسین امتزاج میں حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا۔

باکمال استاذ کا تاریخی مقولہ

سرزمین حرم پر شیخ ابوطاہر کردی علیہ الرحمۃ سے باقاعدہ حدیث کا درس لیا اور استفادہ کی جدوجہد میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا لیکن اس استفادہ میں بھی ان کی جلیل شخصیت وتابناک مستقبل کے آثار اس طرح ہویدا تھے کہ شیخ ابوطاہر فرماتے کہ:

''شاہ ولی اللہ مجھ سے حدیث کے الفاظ لیتے ہیں جب کہ مطالب ومعارف حدیث میں میں خود ان کا تلمیذ ہوں''

باکمال استاذ کے اس تاریخی مقولہ کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ فیاض حقیقی نے جو ذکاوت وذہانت کی وافر دولت فقاہت اور دقیقہ سنجی کی متاع بے بہا حضرت شاہ ولی اللہؒ کو عنایت فرمائی تھی اس کے نتیجہ میں وہ حدیث کی ایسی دل نشیں توجیہ وتشریح پر کامیاب رسائی رکھتے تھے جو شارع علیہ السلام کا حقیقی مقصد ہوتا۔ دو سال کے قیام کے بعد شاہ صاحبؒ اپنے وطن ہندوستان لوٹ آئے۔

ہندوستان کی زبوں حالی اور نکبت وذلت کے تہ بہ تہ بادل

یہ وہ وقت تھا کہ ہندوستان ان وجوہ کی بنا پر جن کی جانب میں نے آغاز ہی میں متوجہ کیا تھا یعنی اسلام کے حقیقی سرچشموں سے بعد ودوری اس سرزمین پر اسلام کو عموماً اور سنت رسول اللہ ﷺ کو خاص طور پر پامال کئے ہوئے تھی، برائے نام مسلمان سلطنت کا ڈھانچہ بھی ٹوٹ رہا تھا اور ایک نئی تہذیب سے اسلام کو جو متوقع خطرہ تھا شاہ صاحبؒ کی دور رس نظر اس کے معلوم کرنے سے عاجز نہیں تھی۔ بدعات ومحدثات کے خول میں مسلمان پھنس کرہ گئے تھے اور روایات وخرافات کے گھر وندے میں الجھے ہوئے تھے شاہ صاحبؒ نے اپنی بصیرت ودانش وبینش کے نتیجہ

میں یہی فیصلہ کیا کہ اس سرزمین پر اس کے سوا اور کوئی طریق کارسودمند وبارآور نہ ہوگا کہ سنت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو قائم کرتے ہوئے اسلام کی حقیقی شکل اور اس کے پائدار نفوذ کے لیے راہیں ہموار کی جائیں چنانچہ موصوف نے اصلاحی اقدام شروع کیا اور بگڑے ہوئے معاشرہ کو روباصلاح لانے کے لیے اس جدوجہد میں مصروف ہوگئے جو خاصانِ خدا کا خصوصی حصہ ہے۔ اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ ان کے سینے کی وسعتوں میں ایسی روحانی روشنی موجود تھی جس کے اجالے میں وہ مستقبل کو پڑھ لیتے اور جدوجہد کے آغاز سے اس کے انجام تک پہنچنا ان کے لیے آسان تھا۔ ان کی فراست ایمانی نے کھل کر بتادیا تھا کہ اب ہندوستان کی زمین پر حق وباطل کا ایک معرکہ شروع ہوا چاہتا ہے جس میں حق کی حمایت ونصرت کے لیے محدود نہیں بل کہ وسیع اور جہد مسلسل کی ضرورت ہوگی چنانچہ امام دہلویؒ نے جن خطوط پر کام کیا اس کی ایک مختصر تفصیل یہ ہے۔

تجدیدی کوششوں کا آغاز اور اس کے دوائر

حضرت شاہ صاحب قرآنی ہدایات کو عام کرنے اور عوام تک پہنچانے کے لیے منصوبہ بند پروگرام کی جانب متوجہ ہوئے۔ آپ جانتے تھے کہ اسلام کے اولیں وحقیقی ماخذ یعنی قرآن کی تعلیمات ومعارف سے براہِ راست واقفیت کے بغیر ہندوستانی مسلمان جس تہ بہ تہ گمراہی میں الجھا ہوا ہے اس سے باہر نہیں آسکتا۔ اس لیے سب سے پہلے آپ نے اس وقت کی رائج زبان فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے اس ترجمہ کا اسرائیلیات خرافات سے پاک وصاف رکھا اور اس دوسرے سرچشمہ حدیثی مضامین سے بلاواسطہ شناسائی کے لیے حدیث کی

مشہور کتاب ''موطا امام مالک'' کی شرح فارسی زبان میں ''المسوی'' کے نام سے تحریر فرمائی ۔ اس شرح میں فقہاء حدیث کے طریقہ پر حدیث وآثار کی شرح بہترین انداز میں آ گئی اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ تحقیق مناط اور تخریج مناط اور تنقیح مناط کی جانب شاہ صاحبؒ متوجہ رہے۔

مہمان مکرم! ابھی میں نے آپ کے سامنے تین اصطلاحی الفاظ استعمال کئے جن کی معرفت آپ کو بخوبی حاصل ہے لیکن عام افادہ کے لیے ان اصطلاحات پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ۔

تحقیق مناط: کا مطلب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام سے کسی جُزئی صورت میں کوئی حکم صادر ہوا۔ پھر یہی حکم اس نوع کی ساری جزئیات میں ثابت کر دیا جائے مثلاً: شریعت نے حالت احرام اور حدود حرم میں شکار کی ممانعت کی ہے اور پھر بطور سزا وجزا حالت احرام میں شکار کرنے والے کے لیے قیمت شکار کردہ جانور کی ادا کرنا ضروری ہے اس قیمت کی تشخیص ہی تحقیق مناط ہے۔ اور چوں کہ اس کا تعلق فقہ کی اہم بنیاد قیاس سے نہیں ہے اس لیے اس میں کسی اجتہاد کی بھی ضرورت نہیں اور یہ کام ہر شخص کر سکتا ہے بشرطے کہ تجربہ وشعور رکھتا ہو۔

تخریج مناط: یہ ہے کہ شارع نے کسی سلسلہ میں کوئی حکم دیا اور اس حکم کی علت بیان نہیں کی بل کہ نص میں بھی اس کی علت موجود نہیں، مزید برآں وہاں چند ایسے اوصاف بھی موجود ہیں جن میں سے ہر ایک علت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہاں مجتہد کو اپنا سرمایۂ فکر ونظر صرف کر کے کسی ایک وصف کو بطورِ علت مشخص کرنا ہوگا۔ یہ بڑے غور وفکر اور محتاط تحقیق وتدبر کا کام ہے اس لیے عوام اس میں قطعاً

شریک نہیں کئے جاسکتے۔ اسے اس طرح سمجھئے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے ''ربواء'' سے منع فرمایا لیکن اس حرمت کی کوئی علت نہیں بیان فرمائی البتہ چند اوصاف علت بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ گوناگوں اوصاف یہ ہیں۔ ''قدر، وزن، کیل، جنس، چیز کا قیمتی ہونا، شئے کا از قبیل غذا ہونا اور قابل ذخیرہ ہونا۔'' ظاہر ہے کہ جب یہ چند در چند اوصاف یکجا جمع ہو گئے تو علماء کے لیے راہ کھلی ہوئی ہے کہ وہ اپنے ذوق ورجحان کے مطابق کسی ایک وصف کو حرمت کی علت قرار دیں، چنانچہ سود ہی کے مسئلہ میں امام اعظمؒ کے خیال میں حرمت کی علت قدر وجنس میں اتحاد ہے۔ اور حضرت امام مالکؒ کی رائے میں ربوا کی حرمت کی علت اشیاء کا از قبیل غذا اور قابل ذخیرہ ہونا ہے جب کہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے چیز کی قیمتی ہونے کو علت بتایا ہے، مکرر عرض ہے کہ تخریج مناط، مناط کی تین قسموں میں سب سے اہم اور بے حد دشوار ہے اس میں ضروری غور وفکر اور جچے تلے تدبر وتحقیق کی قدم قدم پر ضرورت ہے اور یہ کام کوئی ماہر فن ہی انجام دے سکتا ہے۔

تنقیح مناط: مناط کی تیسری قسم تنقیح مناط کے نام سے موسوم ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے کسی خاص واقعہ کے تحت کوئی حکم دیا اور اس سے مقصود کے ساتھ مخصوص ہے پھر بھی حکم کی علت معلوم نہیں ہوتی بل کہ یہاں چند در چند چیزیں جمع ہو جاتی ہیں جن میں سے بعض علت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور بعض نہیں۔ حالاں کہ یہ بھی بادی النظر میں علل معلوم ہوتی ہیں۔ اس مرحلہ میں علت کی تعیین وتشخیص فقہاء کا کام ہے اور ایسی تنقیح کو ''تنقیح مناط'' کہا جاتا ہے، اس کی مثال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے کہ ایک صاحب جناب رسول اللہ ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں تباہ و برباد ہو گیا آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیوں؟ کیا بات پیش آئی؟ بولا کہ رمضان کے مہینہ اور روزہ کی حالت میں میں نے اپنی بیوی سے ہمبستری کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غلام آزاد کر سکتے ہو؟ جواب تھا نہیں؟ تو کیا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ جی یہ بھی نہیں، تو پھر اچھا متواتر دو مہینہ کے روزے رکھ سکو گے؟ حضور ﷺ یہ تو بہت مشکل ہے۔

وجوب کفارہ کے اصل سبب میں ائمہ کا اختلاف

اس صورت میں امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے خیال میں کفارہ واجب ہے اور اس کے وجوب کا مناط و علت رمضان اور روزے کی حالت میں عمداً روزہ افطار کرنا ہے خواہ وہ روزہ کا منافی فعل ہمبستری ہو جیسا کہ اس واقعہ میں یہی پیش آیا یا کھانا پینا ہو۔ یہ دونوں حضرات منافی صوم کے اقدام کے لیے عمداً کی قید کا اضافہ کرتے ہیں اور ماہِ رمضان کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بستری اتفاقاً اس واقعہ میں پیش آ گئی ورنہ تو منافیٔ صوم فعل کا ارتکاب وجوب کفارہ کا اصل سبب ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے خیال میں کفارہ کا موجب و مناط صرف جماع ہی ہے۔ پس اگر جماع کے نتیجے میں افطار ہو تو کفارہ واجب ہوگا۔ اکل و شرب کی صورت میں وجوب کفارہ نہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے پاس ایک اور حدیث ابو ہریرہ ہی کی اپنے نقطۂ نظر کی مؤید ہے وہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رمضان میں کسی شرعی رخصت کے بغیر روزہ توڑ دے تو وہ بعد میں اگر چہ عمر بھر روزہ رکھتا ہو پھر بھی اس کوتاہی کی تلافی ہر گز نہ ہوگی۔ اور یہ دونوں حضرات اس حدیث میں لفظ ''افطار'' سے عمداً کھانا پینا اور ان کے ذریعہ سے روزہ توڑنا مراد لیتے ہیں۔ ان

کا خیال ہے کہ قصداً خورد ونوش کے نتیجہ میں روزہ کا توڑنا اور پھر عمر بھر روزہ رکھنا مفید نہیں اس لیے اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں ہوگا۔

غرضِ کہ تنقیح مناط اور تخریج مناط یہی دونوں مجتہدین ائمہ کی اصل جولان گاہ ہے اور اسی میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔ کوئی اپنے اجتہاد سے کسی چیز کو علت بتاتا ہے اور دوسرا کسی دوسری چیز کو۔

تنقیح مناط کی دوسری مثال

اس کی ایک مثال وہ حدیث بھی ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ**: اس کے پیش نظر اکثر ائمہ نے صیغۂ (تکبیر) ''اللہ اکبر'' اور صیغہ تسلیم ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کو رکن نماز قرار دیا ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کے یہاں مناط حکم یہ ہے کہ تکبیر سے مخصوص اللہ اکبر کا صیغہ مراد نہیں بل کہ ہر وہ ذکر اللہ ہے جس میں تعظیم اور خدا کی کبریائی کا مفہوم موجود ہو اور تسلیم سے مراد یہ ہے کہ مصلی اپنے ارادے واختیار سے نماز کو ختم کرے گویا کہ وہ تسلیم کو خروج عن الصلوۃ کے ہم معنی کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظمؒ نے ان دونوں چیزوں یعنی الفاظ حامل تعظیم اور ارادے کے ساتھ نماز کو ختم کر دینے کو فرض اور رکن صلاۃ ٹھہرایا ہے لیکن چوں کہ جناب رسول اکرم ﷺ سے عملاً تکبیر بشکل اللہ اکبر اور تسلیم بصورت السلام علیکم ورحمۃ اللہ، ہمیشہ ثابت ہے اس لیے امام ابوحنیفہؒ ان دونوں کو واجب صلاۃ کہتے ہیں۔ حافظ ابن ہمامؒ مصنف ''فتح القدیر'' نے اللہ اکبر کو واجب بتایا ہے اور مشہور یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ ان دونوں

میں ذکر مشعر تعظیم اور خروج بصنع المصلے اس طرح موجود ہے جس طرح کوئی کلی کسی جزئی کے تحت میں موجود ہو۔ پس یہ دونوں فرض ہوں گے۔

آمدم بر سر مطلب

مہمان مکرم! میں تفصیل سے خود کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنے مقصد کی وضاحت اختصار سے کر رہا ہوں ورنہ تو ایسی مثالیں اور بھی پیش کی جاسکتی تھیں اب میں پھر اسی تذکرہ کی جانب رجوع کرتا ہوں یعنی حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ کے مجددانہ کارناموں کی تفصیل:

میں عرض کر رہا تھا کہ شاہ صاحبؒ نے موطا کی شرح ''المسوی'' میں ان تنقیحات کے تینوں شعبوں کی رعایت کی ہے اور وہ ایسے فقہ کو مختار قرار دے رہے ہیں جس میں جامعیت موجود ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی دو معرکۃ الآراء تصانیف ''اَلْاِنْصَافُ فِیْ بَیَانِ سَبَبِ الْاِخْتِلَافِ'' اور عِقْدُ الْجِیْدِفِیْ مَسَائِلِ الْاِجْتِهَادِ وَالتَّقْلِیْدِ'' میں یہ بات محققانہ انداز میں تحریر فرمائی ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں حق کسی ایک امام کے لیے مخصوص نہیں بل کہ وہ متعدد ہو کر ہر امام کے لیے ممکن ہے وہ لکھتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کا بھی یہی نقطہ نظر تھا وہ خود کو حق کا اجارہ دار قرار دے کر دوسرے مجتہد کو باطل پر قائم نہیں سمجھتے تھے۔

مجتہد فیہ مسائل سے مراد

شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ''میں خود بھی اسی نقطہ نظر کا حامل ہوں''

یہاں یہ بھی وضاحت ضروری ہے کہ مجتہد فیہ مسائل سے میری کیا مراد ہے؟ تو

یاد رکھئے اجتہادی مسائل وہ ہوتے ہیں جن میں کتاب اللہ یا سنت (رسول اللہ) متواترہ سے کوئی حتمی بات ثابت نہ ہو، ایسے ہی مسائل میں حق کا تعدد کیا جاسکتا ہے اور اگر کسی معاملہ میں کوئی قطعی دلیل موجود ہے تو نہ وہاں کوئی مجتہد اجتہاد کرے گا اور نہ اسے اجتہادی مسئلہ کہا جاسکتا ہے وہاں حق صرف ایک ہی ہوگا اور حق وہی ہوگا جو اس دلیل قطعی کے مطابق ہو۔ پس اسے خوب ملحوظ رکھنا چاہیے کہ جو اس حق کی موافقت و تائید کرے وہی حق گو وحق پسند ہے اور جو اس سے مخالفت رکھتا ہو اسے یقیناً حق کا مخالف کہا جائے گا، شاہ صاحبؒ نے اس کے ساتھ تشریح وعقائد اسلام کے حکم ومصالح کے بارے میں بھی ایسی تصانیف فرمائیں جو راہوں کی شمع اور دھند لکوں میں فانوس ہیں۔ ان عنوانات پر ان کی شہرہ آفاق تالیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' اور ''تفهيمات الٰهيه'' نیز ''خير كثير'' مشہور ہیں۔

اولاد واحفاد اور ولی اللہی شاہ کار کی حفاظت وصیانت

خدا کا شکر ہے کہ الامام الدہلوی کے یہ مخصوص افکار ونظریات اور ان کی مجددانہ کاوشیں ان ہی پر ختم نہ ہونے پائیں بل کہ ان کی اولاد واحفاد میں اس طریق کار پر مسلسل پیش رفت ہوتی رہی۔ چنانچہ ان کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ دوسرے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین مرحوم نے قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر ملک میں عام کیں اور حضرت شاہ محمد اسحاق، شاہ عبدالغنی، شاہ محمد اسماعیل علیہم الرحمہ نے نہ صرف حدیث وعقائد کی درستگی کا اہتمام کیا بل کہ یہ حضرات استخلاص وطن اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے جلی وخفی کوششیں بھی کرتے رہے بل کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید

علیہ الرحمہ نے تو بدعات ومحدثات کے خلاف زبر دست جدوجہد کی اور بعض معرکۃ الآراء تصانیف ان کے علم ریز قلم سے تیار ہوکر ایمانیات کے سلسلہ میں مفید تر ثابت ہوئیں اور موصوف نے بالاکوٹ میں سکھوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔ شاہ محمد اسحاق درس حدیث میں ایسے یگانۂ روزگار عالم تھے کہ اطراف ملک سے طلباء کا ان کی جانب ہجوم رہتا۔ غرضِ کہ یہ خانوادہ علم وعمل کا مرقع، دین ودانش کا روشن مینار، بدعات کے لیے شمشیر بے نیام اور سنت مصطفوی کے احیاء کے لیے کشادہ محراب تھا۔

دیو بند کا مکتبِ فکر

یوں تو یہی خاندان ولی اللہی دیو بندی مکتبِ فکر کا امام وسر براہ ہے پھر بھی شاہ محمد اسحاق کے خصوصی شاگرد حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ مجددی مہاجر مدنی اپنے استاد کے بعد مسند آراء درس حدیث ہوئے، طلباء حدیث نے ان سے ایسا استفادہ کیا جس کے آثار قیامت تک باقی رہیں گے۔ حضرت شاہ عبدالغنی آخر میں مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کر گئے اور وہاں بھی بلاد عرب کے طلباء ان سے حدیث کی سند لیتے رہے۔ ان ہی حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے خصوصی تلامذہ میں ہمارے دارالعلوم دیو بند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ ہیں۔

حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کی خدمات

بانئ دارالعلوم نے بخاری شریف کا حاشیہ جو ان کے استاذ حضرت مولانا احمد علی سہارن پوریؒ کا شروع کیا ہوا تھا مکمل فرمایا۔ اور دینی علوم ومعارف پر اہم کتابیں

تصنیف کرنے کے ساتھ مادہ پرست دہریہ اور اسلام خلاف فرقوں کی تردید میں مسلسل تصانیف کے ساتھ جابجا مناظرے بھی کئے اور اس دارالعلوم کو ایک ایسے تخیل کے تحت قائم فرمایا جس سے ان کی دبیز فکر اور اعلاء کلمۃ الحق واسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا مخلصانہ جذبہ ظاہر ہے، میں نے موصوف کے مناقب وفضائل میں کچھ قصائد کہے ہیں جس میں سے ایک قصیدہ پیش خدمت کرنا مناسب ہوگا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

قفا یاصاحبے علی الدیار	فمن داب الشجے هوی ازدیار

یہ دونوں حضرات یعنی حضرت نانوتویؒ وحضرت گنگوہیؒ رفیق درس اور فکر ونظر میں ایک دوسرے کے معاون تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کو خدائے تعالی نے منفرد وتفقہ عنایت فرمایا تھا جس کی بنا پر انہیں بلاتکلف ''فقیہ مجتہد'' کہا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی وہ بدعات ومحدثات کے خلاف شمشیر برہنہ تھے، مسائل وحوادث میں ان کے فتاویٰ ملک میں قبول عام رکھتے جن میں ان کے تفقہ اور بصیرت کے جوہر نمایاں ہیں پس کہا جاسکتا ہے اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ حضرت گنگوہیؒ فروع وجزئیات فقہ میں ہمارے امام اور حضرت نانوتویؒ اصول وعقائد میں جماعت کے سربراہ ہیں۔ ان دونوں نے دیو بندی علوم کو ایسا منقح وروشن کیا کہ اب کوئی گوشہ مخفی نہیں رہا۔

دارالعلوم کی خدمات کا دائرۂ کار

علامۂ جلیل! آپ کو معلوم ہے کہ فرنگی شاطر نے اپنی مخصوص وروایتی دسیسہ کاریوں سے کام لے کر جب ہندوستان میں اپنی حکومت کے دائرے وسیع تر کردیئے اور مسلمانوں کی بادشاہت ختم ہوگئی تو عیسائی مشنری نے ہندوستان میں

عیسائیت وتثلیث کی تبلیغ کے لیے منصوبہ بند کام شروع کیا، دوسری جانب مسلمانوں میں تفرقہ اندازی کرتے ہوئے بعض مذموم واسلام خلاف نظریات کو نام نہاد مسلمان ہی کے ذریعہ بروئے کار لانے کی بدترین کوشش کی یہی وقت تھا کہ ان دونوں حضرات (حضرت نانوتوی وحضرت گنگوہی) نے ہندوستان میں اسلام کے تحفظ اور اسلامی تعلیمات کی نشأۃ ثانیہ کے لیے ’’دارالعلوم دیوبند‘‘ کو قائم کیا، اس دارالعلوم سے نہ صرف اسلامی تعلیمات کو عام کیا..... بل کہ یہ انگریز کی دسیسہ کاریوں کے خلاف ایسا معسکر تھا جو جاں سپار وفدا کار مجاہدین اسلام کو برآمد کر کے خدمت کے ہر محاذ پر روانہ کررہا تھا۔ آج ہندوستان میں جہاں کہیں آپ کو تعلیمات اسلام کے چراغ روشن نظر آتے ہیں وہ اسی مدرسہ کا فیض اور یہی سے روشن کئے ہوئے چراغ ہیں۔ دارالعلوم کی خدمات اوراس کا دائرہ کاراس قدر وسیع ہے کہ اس مختصر وقت میں تفصیلات بیان کرنے سے عاجز ہوں۔

طریق تعلیم اوراغراض ومقاصد

تاہم ضروری ہے کہ میں اس عظیم درس گاہ کے کچھ بنیادی مقاصد آپ کے سامنے پیش کروں تا کہ مدرسہ کے حدود مقاصد آپ کے لیے واضح ہوں تو لیجیے۔ ہمارا اصل مقصد حدیث اورفقہ الحدیث کی تعلیم وتدریس ہے اس مقصد کے حصول کے لیے کچھ باندازۂ ضرورت ہی ہے تاآں کہ ہماری جماعت کے دوسرے امام حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے تو اپنی سربراہی وسیادت کے دور میں کچھ سال ایسے بھی گزارے جن میں فلسفہ ومنطق کی تعلیم اوراس کی انتہائی کتابوں کی تدریس متروک قراردی تھی اور پھر یہ سلسلہ ایک عرصہ تک رکا رہا۔ گویا وہ علوم آلیہ میں بھی

الجھنا نہیں چاہتے تھے بل کہ ان کی منزل علوم عالیہ تھے۔ یعنی وہی حدیث وفقہ الحدیث۔ حدیث وفقہ الحدیث کی تعلیم میں ہمارا طریق کا متوازن، جچا تلا ہے۔

ائمہ اربعہ کے چار مشہور اصول

اسے یوں سمجھئے کہ مسائل فقہیہ کے استخراج واستنباط کے بارے میں ائمہ اربعہ کے چار مشہور اصول ہیں۔

۱ ـــ امام مالک علیہ الرحمہ: اہل مدینہ کی اقتدا اور اتباع کو بنیاد بتاتے ہیں تا آں کہ مدنی تعامل ان کے یہاں حدیث مرفوع پر بھی ترجیح رکھتا ہے۔

۲ ـــ امام شافعی علیہ الرحمہ: کسی باب میں صحیح ترین حدیث (اصح مافی الباب) کو لے کر اسی مسئلہ سے متعلق باقی روایات کو تاویلاً اپنی منتخب حدیث کے موافق کرتے ہیں یا ان احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔

۳ ـــ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ: اصح، صحیح، حسن بل کہ ضعیف (جب کہ اس کا ضعف معمولی ہو) سب کو معمول بہا بنانے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ہر حدیث کا مدلول ومضمون قابل عمل ہے اسی بنیاد پر انہوں نے اپنا مشہور مسند مرتب کیا ہے۔

۴ ـــ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ: تمام اقسام حدیث کو جمع کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک مضمون کو قانون کلی ہونے کی بنا پر شرعی قانون کی حیثیت دیتے ہوئے دوسری روایات کی مناسب توجیہ کرتے ہیں اور ہر حدیث کے لیے کوئی برجستہ محل تلاش کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں تاویلات احادیث زیادہ ہیں جب کہ شوافع کے یہاں رواۃ پر جرح وتنقید کی کثرت ہے۔

امام شافعیؒ پہلے وہ امام ہیں جنہوں نے مرسل حدیث کو حجت تسلیم نہیں کیا البتہ اگر مرسل حدیث کے مضمون کی تائید دوسری احادیث سے ہو تو پھر وہ مرسل کو تسلیم کرتے ہیں۔

ائمۂ حدیث اور اُن کے نقاط نظر

الضیف الجلیل! آپ جانتے ہیں کہ ائمہ حدیث نے بھی فقہاء کے اسی اصول وضابطہ کے تحت رہ کر اپنے مجموعے تیار کئے ہیں چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے امام مالکؒ وشافعی کے طرز کو ترجیح دے کر ان دونوں کے اصول کو مرکب کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی جامع میں اصح مافی الباب حدیث کا ذکر کرتے ہوئے اس کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں کہ اس حدیث کو سلف کے تعامل کی تائید حاصل ہو۔ امام ہمامؒ نے اس کی رعایت کی ہے کہ کوئی ایسی حدیث بخاری میں نہ آنے پائے جو کسی دوسری حدیث کے معارض ہو۔ بل کہ انہیں اپنے پسندیدہ اصول کی رعایت اس حد تک ملحوظ رہی کہ صلاۃ کسوف کے بارے میں صرف اسی روایت کو انہوں نے ذکر کیا جس میں ہر رکعت میں دو رکوع کا تذکرہ ہے۔ حدیث کے دوسرے مشہور امام یعنی مسلم بن حجاز القشیری کا زیادہ زور رواۃ کی ثقاہت پر ہے چنانچہ انہوں نے صلاۃ کسوف کے سلسلہ میں اس روایت کو لیا جس میں ایک رکعت میں تین یا چار رکوع کا ذکر آ رہا ہے اور تو اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر موقوف اس روایت کو بھی ذکر کرنے سے گریز نہیں کر رہے ہیں جس میں ایک ہی رکعت میں پانچ رکوع کا تذکرہ آ رہا ہے۔ غرضِ کہ امام بخاریؒ صلاۃ کسوف کے بارے میں موجود جملہ روایتوں سے اصح حدیث کا انتخاب کر رہے ہیں اور امام مسلمؒ اپنے دائرہ کار میں محدود رہتے ہوئے بہت سی

روایت کی تخریج کررہے ہیں۔

اکابر دارالعلوم کی وسیع المشربی

ہمارے مشائخ یعنی اکابر دارالعلوم نے ہر گوشہ میں اعتدال کو اپنایا ہے وہ تشدد سے بھی محفوظ رہے اور سہولت پسندی بھی ان کے یہاں نہیں۔ ان کا خاص ذوق وشوق متعارض احادیث میں یہ رہا کہ کسی حدیث کو ترک نہ کیا جائے اس مبارک ومسعود مقصد کے لیے خدا تعالی نے انہیں ایسے فہم اور توجیہی ذہن سے سرفراز فرمایا کہ وہ ہر حدیث کی قابل قبول اور دل نشین توجیہ پر مضبوط قدرت کے مالک ہیں بل کہ میرا دعوی ہے کہ جو منصف ومعقولیت پسند فرد ان کی کوئی توجیہات کو بنظر انصاف دیکھے گا تو اس کی گہرائی وگیرائی اور دل نشین ہونے کی داد دیئے بغیر نہیں رہے گا۔

مقصد کی بعض مثالوں سے وضاحت

اپنے اس مقصد کو بعض مثالوں سے واضح کرتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ حدیث قلتین کا مسئلہ اختلافی مسائل میں ہے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ اور ان کا مکتبہ فکر قلتین کے مسئلہ میں منفرد رائے رکھتا ہے اس سے پہلے کہ میں اکابر دارالعلوم کی مقبول توجیہ کی طرف آپ کو متوجہ کروں پہلے اس باب کی متعارض روایات پر توجہ دلاتا ہوں معلوم ہے کہ یزید بن زریع، کامل بن طلحہ، ابراہیم الحجاج، ہدبہ بن خالد، وکیع اور یحیٰ بن معین نے اس روایت کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ اَوْ ثلث لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ''القلتین'' اور'' ثلث'' کے درمیان'' اور'' تنویع کے لیے ہے اس لیے یہ ایک اندازہ ہوگا اسے شرعی حد بندی نہیں کہا جا سکتا اور مسئلہ کا فیصلہ اس پر ہوگا کہ ایک جانب کی نجاست دوسری جانب تک مؤثر ہے یا نہیں؟ بلاشبہ اگر روایت میں ''او'' نہ ہوتا تو مذکورہ بالا حدیث کو بے تکلف تحدید شرعی قرار دیا جا سکتا تھا اسی لیے ابوحنیفہؒ اور ان کے صاحبینؒ نے مسئلہ مذکورہ میں قول فیصل نجاست کی تاثیر وعدم تاثیر کو کہا ہے جیسا کہ علامہ ابن ہمامؒ اور علامہ ابن نجیمؒ کی وضاحت ہے۔ حنفیہ کے اس نقطہٴ نظر آتی ہیں۔ یعنی حدیث '' اَلنَّهیُ عَنِ الْبَوْلِ فِیْ الْمَاءِ الرَّاکِدِ'' اورحدیث '' اَلنَّھْیُ عَنْ اِدْخَالِ الْیَد فی الْاناءِ ''اورحدیث '' وُلُوْ غُ الْکَلْبِ فِی الْاِنَاء ''۔

مزید وضاحت کے لیے دوسری مثال

ایک دوسری مثال مزید وضاحت کے لیے پیش کرتا ہوں۔ وہی اختلافی مسئلہ'' قراءت خلف الامام'' کا۔ معلوم ہے کہ حضرات احناف نے امام کی اقتداء میں سورۂ فاتحہ مقتدی کے لیے نہ پڑھنے کی دلیل اس آیت کو بنایا ہے۔ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُواْ لَهُ وَأَنصِتُواْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ نیز یہ حدیث ''وَاِذَا قَرَأَ فَانْتَصِتُوْا '' اورمزید یہ حدیث مَنْ کَانَ لَهُ اِمَامٌ فَقِرَأُ ةُ الْاِمَامِ لَهُ قِرَأَةٌ '' توانہوں نے اس سے متعارض روایات مثلاً حدیث لَا تَفْعَلُوْ ا اِلَّا بِامِّ الْقُرْآنِ فَاِنَّهُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأُ بِهَا '' کی تاویل وتوجیہ کی۔ یہ عرض کرنا بھی مناسب ہوگا کہ مذکورہ بالا آیت کے شانِ نزول کے بارے میں جب کوئی صحیح روایت نہیں ہے تو لازماً اس کے الفاظ میں عموم کا اعتبار رہے گا۔

امام بیہقیؒ نے کتاب القراءۃ میں احمد بن حنبلؒ سے روایت کی ہے معتمد علماء کا اجماع ہے کہ یہ آیت قراءت فی الصلوۃ کے بارے میں ہے۔یہی احمد بن حنبلؒ ''وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا '' والی حدیث کو صحیح قرار دے رہے ہیں اور ابوبکر الاثرم نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔امام مسلم نے باب التشہد میں ابوموسیٰ اشعری کی روایت ذکر کی اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کا حوالہ دیا بل کہ ابن خزیمہؒ، ابن طبریؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ، ابن حزم اندلسیؒ اس روایت کی تصحیح کر رہے ہیں۔اور تو اور حافظ ذکی الدین عبدالعظیم المنذریؒ اور یادش بخیر

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے تو دیکھا آپ نے کہ سند کی حیثیت سے اس حدیث کی قوت اور ترجیح کا کیا پایہ ہے۔دوسری طرف تعامل سلف کے لحاظ سے اگر اس حدیث پر نظر ڈالئے تو صحابہ کی ایک جماعت ''مالک'' ''احمد'' اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ اس حدیث پر عمل پیرا ہیں۔اور جب کسی حدیث کے راوی ثقہ ومعتمد ہوں اور سلف صالحین کا تعامل بھی اس کا مؤید ہو تو وہ حدیث صحیح ہوگی بل کہ کوئی ردوقدح یا جرح وتنقید اس حدیث کی صحت کو مجروح نہیں کرتی۔

اب دوسری حدیث '' مَنْ كَانَ لَهُ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ ''کو بھی لیجیے حافظ ابن ہمامؒ نے احمد بن منیع کے حوالہ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرائط کے مطابق ہے اور خود میں بھی آج تک کسی ایسی علت پر مطلع نہیں ہوا جو اس حدیث کے لیے قادح ہو۔اس کی سند یہ ہے۔

اَخبَرَنَا اِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ الْاَزْرَقُ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَشَرِيْكٌ عَنْ مُوْسَى بِنْ أَبِيْ عَائِشَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدُاللهِ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ کَانَ لَهُ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهُ قِرَاءَ ةٌ لَعَلَّکُمْ تَقْرَأُوْنَ خَلْفَ اِمَامِکُمْ بل کہ ترمذی کے یہاں ایک موقوف روایت اور دوسرے محدثین کے یہاں ایک مرسل روایت اس روایت کی خوب مساعدت وتائید کرتی ہے اس لیے اس حدیث کو بھی صحیح ماننا ہوگا۔

اس مختلف فیہ بحث میں اکابر دار العلوم کی توجیہ

جب یہ بحث مختصراً آپ کے سامنے آ گئی تو اب اکابر دار العلوم کی توجیہ ومعارض روایات میں ان کی فرحت انگیز تاویل کو سنئے۔

حضرت گنگوہیؒ نے جن کے متعلق میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ وہ فقہی جزئیات میں ہمارے مسلم پیشوا ہیں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی اس روایت میں جو محمد بن اسحق سے مروی ہے اور جس کا سیاق یہ ہے کہ لَعَلَّکُمْ تَقْرَأُوْنَ خَلْفَ اِمَامِکُمْ اور اس کے جواب میں صحابہ کرام کا ارشاد جی ہاں۔ اور پھر اس پر آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''فَلَا تَفْعَلُوْا'' حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہ دلیل اباحت ہے نہ دلیل وجوب معلوم ہوا کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضور ﷺ کی اجازت کے بغیر قراءت کرتے تھے اسی لیے تو آپ کو دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی اور جب انہوں نے ''نَعَمْ'' سے جواب دیا تو آپ نے '' فَلَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْ اٰنِ'' فرمایا۔

چوں کہ یہ سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی ایک متعین اور خصوصی سورت ہے جب کہ دوسری سورتیں اس طرح متعین نہیں، اس لیے حضور اکرم ﷺ نے جو سورۂ فاتحہ کا تذکرہ فرمایا اس کا تمامتر تعلق صرف اس سورت کی خصوصیت کی بنا پر ہے اور معلوم ہے کہ یہی وہ سورت ہے جس کے نہ پڑھنے سے نہ تو امام کی نماز ہوگی جب کہ وہ

امامت کر رہا ہو اور نہ منفرد کی جب کہ وہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو۔ رہا مقتدی تو اس کے حق میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کا معاملہ بجز مباح ہونے کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اباحت و کراہت کا مسئلہ خود احناف کے یہاں بھی اختلافی مسائل میں ہے اگر چہ اس پر تمام احناف متفق ہیں کہ قراءت سورۂ فاتحہ مقتدی پر واجب نہیں تاہم بعض اس کی قراءت کو بحالت اقتدا مباح کہتے ہیں اور جب کہ بعض اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ والی آیت کے پیش نظر ممنوع۔

حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمہ کی اس توجیہ سے تمام معارض روایات ایک دوسرے کے موافق ہو گئیں اور ان میں کوئی مخالفت وتزاحم نہ رہا۔

لوگوں نے رفع یدین اور آمین بالجہر میں کتنا تشدد کھڑا کیا ہے

اور اختلافی مسئلہ لیجئے یعنی رفع یدین اور آمیں بالجہر۔ اس میں بھی علماء دیو بند کا ذوق یہ ہے کہ "رفع یدین" اور آمین بالجہر" رسول اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے اور ترک رفع اور اخفاء بالتامین بھی ثبوت کے درجہ میں ہے جیسا کہ امام ابوداؤد کے یہاں صحیح سند سے موجود حدیث میں ہے بل کہ یہی نہیں، ترکِ رفع حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی روایات صحیحہ سے بھی محقق ہے اور ترک جہر آمین کو صحابہ کرام کے جم غفیر اور سلف صالحین ک تعامل سے ثابت ہی ماننا ہوگا۔ نتیجتاً رفع وترک، آمین بالجہر و آمین سراً ہر دو سنت ہی کے ذیل میں آتے ہیں، گفتگو جو کچھ ہوگی وہ ترجیح ہی کے باب میں رہے گی تو احناف رفع یدین کے ترک اور آمین بالسر کی ترجیح کے قائل ہیں۔

علماء دیو بند کا طریق کار تشدد وافراط وتفریط سے محفوظ ہے

علامہ جلیل ! میری اس مختصر گذارش وتفصیل سے آپ کو محسوس ہوا ہوگا کہ علماء دیو بند کا طریق کار تشدد وافراط وتفریط سے کس درجہ محفوظ ہے۔ وہ دوسرے ائمہ کے مذاہب کو کلیۃً باطل نہیں کہتے بل کہ حق وصواب ان کے لیے بھی محفوظ مانتے ہیں۔ یہی وہ اعتدال ہے جس کی وجہ سے دیو بندیت ایک محفوظ، معتدل مسلک بجا طور پر کہا جاسکتا ہے۔

اس وقت ہندوستان میں اسناد حدیث کا مدار حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ بانیٔ دارالعلوم دیو بند قدس سرہ کے فخر روزگار شاگرد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر ہے یہ میرے شیخ اور میرے جملہ معاصرین کے امام ہیں اور اسی طریق کار پر گامزن ہیں جو ہمارے اکابر کا خصوصی مسلک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موصوف کو معارض روایات روایات میں تطبیق اور مشکلات الحدیث میں دل پذیر توجیہ کی ایک امتیازی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ بلا مبالغہ آپ کی نظیر سے نہ صرف ہندوستان بل کہ عالم اسلام خالی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا منصب جلیل

حضرت شیخ کا منصب جلیل اور امامت فی الحدیث کا جو میں دعویٰ کرتا ہوں اس کی صداقت آپ پر بھی اس طرح واضح ہوگی کہ ان کی ایک دل پذیر توجیہ سنیے۔

مجھ سے ہی حضرت الاستاذ نے ایک بار فرمایا کہ صلوٰۃ کسوف میں جو آنحضور

ﷺ سے تعداد رکوع کے بارے میں متعدد روایات آ رہی ہیں یہ آپ کی خصوصیت پر مبنی ہے چوں کہ آپ نے صلوٰۃ کسوف پڑھنے کے بعد صحابہؓ سے خطاب فرمایا تھا۔ '' صَلُّوْا اَحْدَثَ صَلٰوةٍ صَلَّيْتُمُوْهَا مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ '' (تم نے جو فرض نماز ابھی تازہ پڑھی ہے یعنی فجر کی نماز، اسی طرح صلوٰۃ کسوف کو بھی پڑھو) جس سے واضح ہوا کہ آنحضور ﷺ عام امت کے لیے صلوٰۃ کسوف اور عام نمازوں کے رکوع میں کوئی فرق نہیں فرما رہے ہیں۔ میں نے اس پر عرض کیا کہ حضرت! شوافع تو جناب رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد کو صرف تعداد رکعت کی تشبیہ پر محمول کرتے ہیں وہ اس کا تعلق وحدتِ رکوع سے نہیں کرتے۔ اس پر فرمایا کہ یہ تو حضرات شوافع کی کوشش ایک صاف واضح حقیقت کو نظری بنانے کی جدوجہد ہے۔ بھلا آپ سوچیے تو سہی کہ جب آنحضور ﷺ نے کسوف کی نماز متعدد رکوع کے ساتھ مجمع عظیم کو پڑھائی تو اس ارشاد کی پھر کیا ضرورت تھی اور جب کہ ارشاد؛ فعل کے مقابلہ میں اہمیت رکھتا ہے اور سب مانتے ہیں کہ فعل میں خصوصیت کا امکان ہے اور '' قول'' میں اس طرح کا کوئی احتمال نہیں تو پھر آپ ﷺ کے قول کو فعل پر کیوں نہیں ترجیح ہوگی اور معارض روایات جب اس توجیہ سے ایک دوسرے کے موافق بنتی ہیں تو پھر یہ پسندیدہ روش کیوں ترک کی جائے۔

حضرت الاستاذ کی اس وضاحت پر نہ صرف میں محفوظ ہوا بل کہ آپ کی خداداد صلاحیت کا مزید قائل ہونا پڑا۔

دیکھا آپ نے کہ اکابر دار العلوم کس منفرد صلاحیت اور موہبت الٰہی کے جامع ہیں۔

استاذ الجلیل! میں آپ کے قیمتی لمحات مصروف کئے جس کے لیے میں معذرت طلب ہوں۔ میں آپ کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں خود اپنی جانب سے اور اپنی جماعت کی جانب سے۔

وَاللّٰهُ يَحْفَظُكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ وَهُوَ حَسْبِىْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

*****

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیان.......(۳۰)

خزانہ گھر میں ہے موجود پھر بھی آہ! مفلس ہیں
بھٹکتے پھر رہے ہیں چار سوائے وائے نادانی

فلسفہ علم

(بیان)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

علماء میں بگاڑ آتا ہے تو وہ یہود کے نقش قدم پر جاتے ہیں ، جحود واستکبار میں مبتلا ہوتے ہیں، اور عباد وزہاد میں بگاڑ آتا ہے تو وہ نصاری کے نقش قدم پر چلتے ہیں، وہ بدعات منکرات میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اہل حق کون؟ وہ ہیں جو نہ متکبر ہیں نہ ذلیل النفس ہیں بل کہ وقور النفس اور متواضع النفس ہیں، وہ درمیان میں ہیں جو کہ اہل سنت والجماعت ہیں، جن کے ایک ہاتھ میں کتاب اللہ کا دامن ہے اور ایک ہاتھ میں اہل اللہ کا دامن ہے۔ نہ وہ کتاب اللہ کو تھام کر اہل اللہ سے مستغنی بنتے ہیں اور نہ اہل اللہ کا دامن سنبھال کر کتاب اللہ سے مستغنی بنتے ہیں، علم وہاں سے حاصل کرتے ہیں، عمل اور عمل کے نمونے یہاں سے حاصل کرتے ہیں، تو وہ ٹھیک صراط مستقیم پر قائم ہیں، نہ افراط میں مبتلا ہیں نہ تفریط میں۔

پیراگراف از بیان حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

اظہارِ تشکر

بزرگانِ محترم! مجھے واقعی شرم محسوس ہو رہی ہے کہ علماء فضلاء اور طلباء کے مجمع میں مجھ جیسا قلیل البضاعت آدمی کھڑے ہو کر خطاب کرے۔ اور بیان کرے، جہاں بحمد اللہ ایسے فضلاء موجود ہیں جن کو بلحاظ رتبے کے اپنے اساتذۂ کرام کے درجے میں سمجھتا ہوں۔ تو اس قسم کے مواقع پر لب کشائی کرنا کچھ بے ادبی معلوم ہوتی ہے۔ اور شرم بھی محسوس ہوتی ہے لیکن امر مجبور بھی کرتا ہے۔ تو میرا خطاب جس قدر بھی ہوگا، وہ طلبہ سے ہوگا گو علم کے لحاظ سے آپ مجھ سے زیادہ ہیں۔ آپ کا علم تازہ ہے، تاہم ایک درجہ میں طالب علم ہونے کا نام ہے۔ اور میں بھی طالب علم ہوں، اس واسطے خطاب کا حقیقی رُخ طلباء کی طرف ہوگا۔ اساتذۂ کرام اس سے بالاتر ہیں۔

کس چیز میں خطاب ہوگا؟ ظاہر ہے کہ خطاب کا موضوع خود ہی درس گاہ متعین کر دیتی ہے۔ یہ دار العلوم ہے، علم کا مرکز ہے اس لیے علم و تعلیم ہی کے سلسلے میں چند کلمات گذارش کرنا چاہتا ہوں۔

طلب علم طبعی جذبہ ہے

پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان میں علم کا ذوق اور جذبہ فطری ہے یعنی پیدا کرانے سے پیدا نہیں ہوتا، بل کہ انسان علم کو طبعاً مطلوب سمجھے ہوئے ہے۔ ہر وقت اس کا جی چاہتا ہے کہ میرا علم بڑھتا رہے، علم کی زیادتی سے کبھی بھی وہ تھکتا نہیں ہے۔ ہر وقت آپ کا جی چاہتا رہتا ہے کہ اچھی سے اچھی چیز آپ کی آنکھوں کے سامنے سے

گزرے اور آپ دیکھیں..... یہ طلب علم نہیں تو اور کیا ہے؟..... جی چاہتا ہے کہ اچھے سے اچھے کلمات کان میں پڑتے رہیں۔ یہ علم کی طلب نہیں تو اور کیا ہے؟.... کسی کا اخبار دیکھنے کو جی چاہتا ہے تو کسی کا رسالہ دیکھنے کو۔ صبح اٹھتے ہی ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ دیکھے اخبار کیا لکھتا ہے؟ یہ علم ہی کی طلب ہے.... بازار میں کوئی جھگڑا ہو جائے۔ ہر طرف سے لوگ سڑک پر جمع ہو جاتے ہیں جھگڑے میں شریک ہونے کے لیے نہیں بل کہ معلومات حاصل کرنے کے لیے کہ کیا قصہ ہے؟ کیوں ہوا ہے؟

بہر حال علم کی طلب طبعی ہے اور طبیعات کے لیے دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ انسان کو بھوک لگتی ہے تو دلیل کے زور سے نہیں لگتی کہ آپ استدلالی قوتوں سے بھوک لگائیں بل کہ جب لگی ہوئی ہو تو لاکھ استدلال کریں وہ کبھی نہیں مٹ سکتی، پیاس دلیل سے نہیں لگائی جاتی، طبعی طور پر لگتی ہے۔ انسان میں ایک جذبہ ہے اور اس جذبے کے ابھرنے کے بعد اگر خلاف میں بھی دلائل قائم ہوں تو بھوک نہیں رکے گی.... تو علم کی طلب بھی انسان میں طبعی ہے۔

اسی لیے حق تعالیٰ شانہ نے انسان کو سر سے لے کر پیر تک مجسم علم کی طلب بنا دیا۔ انسان کے ہر ذرہ میں شعور موجود ہے۔ پورے بشرے اور جلد میں احساس موجود ہے، چھونے کی قوت موجود ہے جو سختی نرمی کا اور گرمی سردی کا علم حاصل کرتی ہے، تو سر سے پیر تک گویا انسان متعلم ہے آنکھیں صورتوں کا علم حاصل کرتی ہے۔ کان آوازوں کا علم حاصل کرتے ہیں۔ ناک خوشبو بدبو کا علم حاصل کرتی ہے۔ زبان ذائقوں کا علم حاصل کرتی ہے تو مختلف قسم کے علوم اور مشاعر ادراک انسان کے اندر موجود ہیں۔ اور وہ ہر وقت ان اشیاء کی تسکین کا طالب رہتا ہے آنکھ والا کبھی یہ نہ چاہے گا کہ میں نہ دیکھوں، کان والا کبھی یہ چاہے گا کہ میں نہ سنوں۔ یہی طلب ہوگی

کہ سنوں بھی، دیکھوں بھی اور چکھوں بھی، تو ہر وقت علم کی طلب انسان کے اندر موجود ہے۔

انسان میں طلب علم کی آلات جن کو نمایاں تر رکھا گیا ہے

اور علم حاصل کرنے کے آلات اس کے اندر موجود ہیں۔ قَالَ تَعَالیٰ وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لاَ تَعْلَمُونَ شَيْئاً وَجَعَلَ لَكُمُ الْسَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَالأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (سورۂ نحل ۷۸)

ماں کے پیٹ سے تو ہر آدمی ہنر لے کر نہیں آتا۔ استعدادیں لے کر آتا ہے۔ جو اِن مشاعر ادراک سے بڑھتا ہے۔ استعداد ابھرتی رہتی ہے۔ فعلیت میں آتی رہتی ہے اور ایک وقت میں جا کے انسان کامل عالم بن جاتا ہے۔

بہر حال انسان مختلف قسم کے علوم کا مجموعہ ہے لیکن ان علوم کے مشاعر، اور ان ادراکات کے مخزن زیادہ تر چہرے کے اندر موجود ہیں۔ بینائی کی قوت آنکھ میں ہے۔ سماعت کی قوت کان میں ہے، شم کی قوت ناک میں ہے۔ گویا علم کے سب سے بڑے بڑے مشاعر چہرے کے اندر موجود ہیں۔ صرف ''قوت حس'' چھونے کی قوت سارے بدن میں پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن وہ اتنی یُعْبَأُ بِهٖ (قابل شمار) نہیں ہے جتنی کہ یہ دوسری طاقتیں ہیں.... یعنی چھونے کی قوت ایک تو بلید قوت ہے وہ علم حاصل نہیں کرسکتی جب تک کہ اس (ملموس) کو معلوم کر کے سر پر پٹخ نہ دیا جائے۔ آپ جب تک کسی چیز کو چھو نہیں لیں گے اس کی سختی نرمی معلوم نہیں ہو سکے گی کیوں کہ اتنی بلید قوت ہے کہ دور سے علم نہیں حاصل کرسکتی جب تک کہ معلوم کو سر پر نہ چڑھا دیا جائے اس وقت پتہ چلتا ہے کہ یہ فلاں چیز ہے۔

قوت لامسہ بلید قوت ہے

اسی لیے شاید حق تعالی شانہ نے کفار کی بلادت؛ ہدایت کے سلسلہ میں یوں واضح فرمائی ہے کہ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَاباً فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُواْ إِنْ هَذَا إِلاَّ سِحْرٌ مُّبِينٌ (سورۂ انعام:۷)

اگر ہم کاغذوں میں بھی کتاب لکھ کر دے دیں اور وہ ہاتھوں سے چھو بھی لیں تب بھی یہی کہیں گے کہ یہ سحر ہے یہ تو جادو ہے۔ پھر بھی ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا یعنی لامسہ (چھونے والی) جیسی بلید قوت سے بھی انہیں ادراک حاصل نہیں ہوتا تو جس کو قوت لامسہ سے بھی علم حاصل نہ ہو وہ باصرہ سے کیا علم حاصل کرے گا؟ وہ فؤاد سے کیا علم حاصل کرے گا؟ وہ سماعت سے کیا علم حاصل کرے گا تو سب سے زیادہ بلید قوت انسان کے اندر لمس ومس کی قوت ہے کہ جب تک معلوم سے ٹکرا نہ دیا جائے اس وقت تک اسے علم حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے اونچی قوتیں یہی دو تین نکلتی ہیں۔ ایک سننے کی قوت، ایک دیکھنے کی، ایک سمجھنے کی، اسی واسطے قرآن کریم میں اکثر مواقع پر ان ہی تین قوتوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ حق تعالی فرماتے ہیں کہ: وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيراً مِّنَ الْجِنِّ وَالإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لاَّ يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لاَّ يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لاَّ يَسْمَعُونَ بِهَا أُوْلَئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُوْلَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (سورۂ اعراف:۱۷۹)

جہنم کے لیے ہم نے تیار کر رکھے ہیں بہت سے لوگ وہ کیسے ہیں؟ ان کے لیے دل میں مگر سمجھنے کی طاقت نہیں۔ آنکھیں ہیں مگر دیکھنے کی ان میں ہمت نہیں کہ کلمۂ حق کو اور کلام حق کو یا معاملۂ حق کو دیکھیں۔ کان ہیں مگر سن نہیں سکتے۔ تو تین

چیزیں ذکر کیں ایک کان، ایک آنکھ اور ایک قلب۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا: وَلاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً (سورۂ بنی اسرائیل:۳۶)

تو سمع، بصر اور فؤاد کو جواب دہ قرار دیا گیا۔ یہ نہیں کہا کہ ہاتھ سے جواب طلب کیا جائے گا، اگر طلب کیا بھی جائے گا تو ان کے واسطے سے تو اکثر جگہ انہیں تین طاقتوں کو جمع کیا گیا۔

اعضائے علم کی اعضائے عمل پر فضیلت

یہ تینوں چاروں طاقتیں انسان کے چہرے میں جمع ہیں اور چہرہ سب سے بلند اور بالا چیز ہے گویا اس طرف اشارہ ہے کہ قوت علمیہ، قوت عملیہ سے افضل ہے۔ جو علم کا مقام ہے وہ حسی طور پر بھی بلند رکھا گیا ہے۔ آنکھ کی طاقت پیروں میں نہیں رکھی گئی۔ سننے کی طاقت ہاتھ کی انگلیوں میں نہیں رکھی گئی۔ قدرت دکھلانے کے لیے قیامت کے دن یہ ساری طاقتیں بدن میں بانٹ دیں گے مگر ان طاقتوں کا اصل موضوع چہرہ قرار دیا گیا ہے، جو اتنا باعزت ہے کہ احترام کے وقت اسے چوما جاتا ہے، پیشانی چومتے ہیں، سامنے جھکتے ہیں اسی لیے چہرے پر مارنے کی ممانعت ہے کہ چہرے پر مت مارو، حرمت کے خلاف ہے۔

بہر حال ایک معظم اور محترم ظرف ان کے لیے تجویز کیا گیا ہے۔ اس سے علم کی عظمت اور بزرگی معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب علم عظمت والی چیز ہے تو عالم عظمت والی چیز نہ ہوگی؟ اس لیے آنکھ عالم ہے وہ اوپر رکھی گئی، کان عالم ہے تو اوپر رکھا گیا۔ ناک عالم ہے تو اوپر رکھی گئی۔

چہرہ علماء کی بستی ہے

گویا یہ چہرہ یوں سمجھئے علماء کی ایک بستی اور دارالعلوم ہے جس میں مختلف علوم رکھے ہوئے علماء جمع ہیں۔کوئی صورتوں کا عالم، کوئی آوازوں کا عالم، کوئی ذائقے کا عالم کوئی خوشبو کا عالم..... تو مختلف قسم کے علوم کے علماء جمع ہیں، جنہیں اوپر جگہ دی گئی ہے۔

انسان میں دوسرے اعضاء بھی ہیں۔مگر وہ مزدور قسم کے اعضاء ہیں ہاتھ پیر سے علم کا تعلق نہیں عمل کا تعلق ہے، یہی وجہ ہے کہ آخرت میں جب کوئی عذاب دیا جائے گا تو یہ کہا جائے گا " ذٰلِكَ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ " تو کسب اور عمل ہاتھوں پیروں کی طرف منسوب کیا گیا تو ہاتھ اور پیر یہ مزدور قسم کے اعضاء ہیں عالم قسم کے اعضاء نہیں گو مزدور میں بھی تھوڑا بہت علم ہوتا ہے، بالکل پتھر تو وہ بھی نہیں ہوتا۔تو کچھ چھونے (لمس) وغیرہ کا علم ان کے اندر ہے ہاتھ چھو کر کچھ پتہ چلا لیتا ہے، پیر چھو کر پتہ چلا لیتے ہیں، مگر ان کی قوت ایسی معتد بہ قوت نہیں کہ اس کو مستقل علم شمار کیا جائے۔تو مزدور کو بلکہ ہر کس و ناکس کو تھوڑا بہت تو علم ہوتا ہی ہے۔اعلیٰ ترین علم جو قابل اعتداد اور قابل شمار ہو، وہ وہی علم ہے جس کے علماء چہرے میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔تو مزدور طبقہ نیچے ہے، اور عالم طبقہ اوپر، اس کو فضیلت دی گئی اور اس کو مفضول قرار دیا گیا تاکہ اہل علم یہ سمجھ لیں کہ ہمارے پاس جو چیز ہے وہ انتہائی شرف کی چیز ہے وہ انتہائی عزت کی چیز ہے۔

علم کی عزت استغناء میں ہے

اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی عزت کریں اور جتنی علم کی عزت کریں گے

اتنی عالم کی عزت ہوگی جتنی وہ اپنے علم کی بے حرمتی کرے گا خود عالم کی بے حرمتی پیدا ہوتی جائے گی۔

اگر ایک عالم خود اپنے علم کی عظمت نہ کرے تو دوسروں کو کیا مصیبت پڑی کہ اس کے علم کی عزت کریں، پہلے سے اپنے وقار کو سنبھالنا ہے جب وہ اپنے وقار کو محسوس کرے گا تو دنیا اس کے وقار کے آگے جھکنے کے لیے مجبور ہوگی اور اگر وہ خود ہی علم کو ذلیل کرے تو پھر اس کی عزت کرنے والا کوئی نہیں۔

امام مالکؒ سے ہارون رشید نے فرمائش کی کہ امین اور مامون کو موطا پڑھا دی جائے۔تو کہا کب تشریف لائیں گے فرمایا کہ علم کا یہ کام نہیں کہ وہ در بدر پھرے علم کا طالب کا کام ہے کہ وہ اس کے پیچھے پھرے اور فرمایا کہ یہ علم تمہارے گھر سے نکلا ہے اگر تم ہی اس کا احترام نہیں کرو گے تو دنیا میں کوئی احترام کرنے والا نہیں ہوگا۔

تو عالم کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے علم کی عزت کو باقی رکھے۔اور وہ عزت؛ استغناء ہے۔جتنی دوسروں کی طرف حاجت مندی اپنے اندر بڑھائے گا، علم کو بھی ذلیل کرے گا خود بھی ذلیل ہوگا اس کے اندر اگر طلب ہو تو صرف آخرت کی ہو۔دنیا کی نہ ہو۔

دنیا طلب سے نہیں آتی ہے۔یہ سمجھ کا کھیل ہے لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ جتنا طالب بنیں گے اتنی ہی دنیا آئے گی۔اس کے اگر آپ طالب بن گئے تو اس کے سامنے ذلیل ہو گئے دنیا آئی تو کیا ہوا آپ کو ذلیل کر کے آئی۔عزت داری یہ ہے کہ استغناء ہو پھر دنیا آئے اَتَتْه الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمة ...دنیا سر پر خاک ڈالتی ہوئی قدموں پر آئے۔

حضرت نانوتویؒ کا بے مثال استغناء

مجھے حضرت مولانا نانوتویؒ جو کہ بانئ دارالعلوم دیوبند ہیں کا واقعہ یاد آیا۔حضرتؒ چھتہ کی مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔شیخ الٰہی بخش صاحب میرٹھی جو لکھ پتی لوگوں میں تھے اور حضرت کے معتقد تھے، ملنے کے لیے آئے۔اور بہت بڑا ہدیہ لے کر آئے.....دو تھیلیاں جس میں اشرفیاں اور ہزاروں روپے کا مال تھا..... مگر دل میں یہ سوچتے ہوئے آئے کہ حضرت کو آج اتنا بڑا ہدیہ دوں گا کہ اب تک کسی نے نہیں دیا ہوگا۔تو اپنے ہدیہ کے اوپر ایک فخر کی کیفیت موجود تھی:

مگر پیش اہل دل نگہ دار یدل	تانہ باشد ازگماں بہ خجل

اہل اللہ کے سامنے دل تھام کے جانا چاہیے۔اللہ تعالیٰ ان کے دل میں احساس پیدا کر دیتا ہے کہ فلاں کے دل میں کیا چیزیں کھٹک رہی ہیں۔وہ علاج بھی کرنا جانتے ہیں۔حضرتؒ کے دل میں اس کا ادراک ہوا کہ ان کے دل میں فخر و ناز کی کیفیت ہے۔یہ بڑی چیز سمجھ رہے ہیں۔حضرتؒ حجامت بنوا رہے تھے اب وہ بیٹھ تو سکتے نہیں تھے جب تک کہ حضرت اجازت نہ دیدیں تو کھڑے رہے اور ہاتھ میں دونوں تھیلیاں ہیں ان میں وزن تھا کھڑا ہوا نہیں جاتا اور کپکپا رہے ہیں۔حضرتؒ ان کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔تو حجامت بنواتے ہوئے چہرہ کو نیچے کر دیا۔دیکھا ہی نہیں کون آیا؟ تجاہل عارفانہ کے طور پر، پھر دائیں طرف کو منہ پھیرا تو وہ پشت کی طرف سے چکر کھا کر دائیں طرف آئے۔تو آہستہ سے بائیں طرف منہ پھیر لیا۔پھر وہ ادھر کو آئے تو تو ادھر کو منہ پھیر لیا۔غرض ان کو اسی طرح چکر دیئے۔یہاں تک کہ حضرتؒ حجامت سے فارغ ہوگئے، تب ان کی طرف دیکھا۔انہوں نے سلام عرض کیا۔حضرت نے معمولی جواب دیا۔رسمی مزاج پرسی کے بعد بیٹھ گئے اور وہ ہدیہ پیش کیا۔

حضرت نے فرمایا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے۔انہوں نے کہا حضرت آپ کو ضرورت نہیں ہمیں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر حضرت قبول نہ فرمائیں یا حاجت مند نہ ہوں تو طلبہ کو تقسیم کردیں فرمایا کہ الحمدللہ! میری آمدنی ساڑھے سات روپے مہینے کی ہے اور میرے گھر کی ساری ضروریات اس میں پوری ہوجاتی ہیں۔ اگر کبھی روپیہ آٹھ آنہ بچ جاتا ہے تو میں پریشان رہتا ہوں کہ کہاں رکھوں گا؟ کس طرح حفاظت کروں گا؟ کسے بانٹوں گا؟ میں حاجت مند نہیں ہوں۔آپ واپس لے جائیں۔انہوں نے کہا کہ حضرت طلباء کو تقسیم کردیں۔فرمایا کہ مجھے اتنی فرصت کہاں کہ میں طلبہ کو بانٹوں آپ ہی جاکر تقسیم کردیں۔غرض انہوں نے مختلف عنوانوں سے چاہا کہ قبول فرمادیں مگر حضرت نے قبول نہیں فرمایا.......

اس زمانے کے رئیس بھی غیرت دار تھے

لیکن اس زمانے کے رئیس غیرت دار تھے تو یہ غیرت آئی کہ مال پھر اپنے گھر کو واپس لے جاؤں۔تو وہاں سے اٹھے،مسجد کی سیڑھیوں پر حضرت کی جوتیاں پڑی ہوئی تھی۔ان جوتیوں میں وہ روپیہ بھر کر روانہ ہوگئے۔(غالباً جوتیوں کے اوپر نیچے روپئے ڈال دیئے ہوں گے) حضرت اٹھے اور جوتیوں کی تلاش ہوئی۔جوتے نہیں ملے ادھر اُدھر سب جگہ دیکھا۔

حافظ انوار الحق صاحب حضرت کے خادم تھے انہوں نے دیکھا اور عرض کیا کہ حضرت جوتیاں تو روپوں میں دبی ہوئی یہاں پڑی ہیں۔فرمایا:لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ،آئے۔آکر ان جوتیوں کے جھاڑا جیسے مٹی جھاڑ دیتے ہیں۔اور اس کے بعد جوتے پہن کر روانہ ہوگئے۔وہ روپیہ مسجد کی سیڑھیوں پر پڑا رہا۔

حافظ انوار الحق مرحوم ساتھ ساتھ تھے۔تھوڑی دور آگے جا کر مسکرا کہ دیکھا تو حافظ جی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا حافظ جی دیکھا آپ نے؟ دنیا ہم بھی کماتے ہیں دنیا دار بھی کماتے ہیں فرق اتنا ہے کہ دنیا ہماری جوتیوں میں آکر گرتی ہے ہم ٹھوکریں مارتے ہیں اور دنیا دار دنیا کی جوتیوں میں جا کر سر رگڑتے ہیں۔ وہ ان کو ٹھوکریں مارتی ہے۔تو کماتے ہم بھی ہیں دنیا دار بھی۔فرق اگر ہے تو عزت اور ذلت کا فرق ہے ''غناء'' ''احتیاج'' کا فرق ہے۔

دنیا استغناء اور توکل سے ملتی ہے

میں تو اس سے بھی زیادہ کہا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص دنیا طلب کرے تو طالب نہ بنے، تارک بن جائے تو دنیا آئے گی۔طالب کے پاس مشکل سے آتی ہے۔بل کہ اس کو اور زیادہ ذلیل کرنے کی کوشش کرتی ہے تو آدمی مستغنی ہو تو دنیا ذلیل ہو کر آئے گی۔محتاج بنے گا تو خود ذلیل ہوگا......تو علم جیسی دولت ملنے کے بعد بھی اگر آدمی جھکے اور یہ خیال کرے کہ کل کیا کماؤں گا؟ کہاں سے آئے گا؟ کیا صورت ہوگی؟ تو اس نے انتہائی طور پر اپنے علم کو ذلیل کر دیا۔

اللہ نے دو کام رکھے ہیں ایک اپنے ذمہ لیا اور ایک آپ کے ذمہ ڈالا ہے فرمایا کہ

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقاً نَّحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى (سورۂ طہٰ:۱۳۲)

آپ کے ذمہ یہ کام ہے کہ اپنے اہل وعیال کو دین کا امر کرو۔اور تم خود بھی اس کے اوپر جم جاؤ۔اور ہمارے ذمہ یہ ہے کہ تمہیں روٹی دیں گے، محتاج نہیں رکھیں گے۔عزت وشرف بھی دیں گے۔رزق میں ہر چیز آ جاتی ہے۔ ہر چیز تمہیں دیں

گے، تو ایک کام اپنے ذمہ لیا۔ اور ایک آپ کے ذمہ کیا، آپ نے تو اپنی ذمہداری کی چیز چھوڑ دی اور اللہ نے جو اپنے ذمہ لی تھی، اسے اختیار کیا کہ روٹی کہاں سے کھائیں گے؟ عزت کہاں سے ملے گی؟ تو اپنا فریضہ تو چھوڑ دیا۔ اس سے تو یوں محروم ہوئے اور جو اللہ نے اپنے ذمہ لیا تھا اس اختیار کیا۔ اللہ کے کام کو آپ نبھا نہیں سکے، نتیجہ یہ نکلا کہ نہ وہ چیز رہی اور نہ یہ چیز رہی۔ تو طالب علم کے ساتھ اگر آدمی طالبِ دنیا بھی ہو تو نہ علم رہتا ہے نہ دنیا آتی ہے۔ اور اگر علم محض کا طالب بن جائے تو دنیا ذلیل ہو کے آئے گی۔ آپ کے سامنے آب کے سینکڑوں بزرگوں کی نظیریں موجود ہیں۔

دارالعلوم کا قیام کس شان سے ہوا؟

دارالعلوم دیو بند قائم ہوا۔ کس شان سے؟ ایک پائی ہاتھ میں نہیں۔ اہل اللہ کے قلب میں دیانتًا ایک جذبہ پیدا ہوا۔ کہ دارالعلوم قائم کیا جائے۔ وہیں چھتے کی مسجد میں ہی بیٹھے بیٹھے مدرسہ قائم ہو گیا انار کے درخت کے نیچے ایک استاذ اور ایک شاگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ تو ایک استاذ اور ایک شاگرد سے شروع ہوا تھا آج بڑھتے بڑھتے اس میں ڈیڑھ ہزار طلبا رہتے ہیں۔ پچاس ساٹھ استاذ رہتے ہیں۔

اصول میں یہ شرط رکھی کہ مدرسے کی مستقل آمدنی نہ بنائی جائے۔ نیز گورنمنٹ سے کبھی امداد نہ لی جائے۔ امداد کی طرف رجوع نہ کیا جائے، جب کہ ساڑھے چھ سات لاکھ روپے کا سالانہ خرچ ہے .... حکومت کے اکاؤنٹنٹ دارالعلوم آئے۔ انہوں نے پوچھا کہ دارالعلوم کا کیا خرچ ہے؟ میں نے کہا پچاس ہزار روپے ماہوار۔ کہا کہ خزانے میں کتنا ہے؟ اس وقت کل پندرہ ہزار تھا۔ میں نے

بتایا۔تو کہنے لگے اس ماہ کا خرچ کیسے چلے گا؟

میں نے کہا کہ یہ میں نہیں بتا سکتا کہ کیسے چلے گا۔ یہ بتا سکتا ہوں کہ ضرور چلے گا۔اس نے کہا یہ کیا بات ہوئی؟ یہ تو کوئی اصول کی بات نہیں؟ میں نے کہا یہ تو اصول سے بالاتر بات ہے۔اصول کی بات نہیں۔اب اس کی سمجھ میں نہ آئے۔ میں نے کہا اسے ہمارے یہاں توکل کہتے ہیں۔

کہنے لگے توکل کیا چیز ہے؟ تجارت ہے کوئی زراعت ہے؟ میں نے کہا توکل یہ ہے کہ اللہ میاں دلوں کو مجبور کر دیتے ہیں کہ تم فلاں جگہ دو۔ میرا کام ہو رہا ہے، تمہیں دینا پڑے گا۔وہ جھک ماریں گے اور آ کے دیں گے۔ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم خوشامد کرتے پھیریں۔

مال عزت سے بھی ملتا ہے ذلت سے بھی

مال عزت سے بھی حاصل کیا جاتا ہے اور ذلت سے بھی۔ ایک فقیر اگر بھیک مانگنے جائے اسے آپ ذلیل سمجھیں گے کہ میرے پاس سے مال لیتا ہے۔اور ایک بادشاہ بھی قوم کے پاس سے مال لیتا ہے لیکن اسے کوئی ذلیل نہیں سمجھتا۔وہ بھی تو چندہ ہی لیتا ہے اسے کوئی ذلیل نہیں سمجھتا، اس لیے کہ وہ استغناء کے ساتھ لیتا ہے یہ احتیاج کے ساتھ لیتا ہے.....خود حضرات انبیاء علیہم السلام تبلیغی کاموں اور امور خیر میں ترغیب سے چندہ لیتے اور خرچ کرتے ہیں لیکن ان کی عزت اور شرف میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا۔حالاں کہ (بظاہر وہ بھی) قوم سے مانگتے ہیں۔تو مانگنا مانگنا بھی برابر نہیں۔ایک حاجت مند اور ذلیل بن کر مانگنا ہے۔ایک غنی بن کر، اپنے نفس کو بالاتر کر کے مانگنا اس میں بڑا فرق ہو جاتا ہے۔

رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے بندہ پر نہیں

توحق تعالیٰ نے علم کی ذمہ عزت اور شرف کو قائم رکھنے کے لیے ایک حسی صورت اختیار فرمائی کہ علماء کی بستی چہرے کو بنایا جوسب سے اونچی ہے تا کہ اہل علم کا شرف واضح ہوجائے۔ جوعلم کی طرف منسوب ہیں۔ وہ بالاتر ہیں ان کا کام جھکنا نہیں ہےاوراس کے امر کی یہ صورت اختیار فرمائی۔ **وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ ـــ الخ** ہمارے ذمہ ہے ہم رزق دیں گے۔تمہارا کام یہ ہے کہ تم علم کے طالب بنے رہو،علم کے اندر لگے رہو۔

تو میں نے دارالعلوم دیوبند کی نظیر پیش کی تھی۔تو آپ کا یہ مدرسہ (عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی) بھی تو اسی کی نظیر ہے۔مولانا محمد یوسف بنوری (نوراللہ مرقدہٗ) کھڑے ہوئے، وہ کوئی جاگیردار نہیں ہیں۔ ان کے پاس کوئی ریاست نہیں تھی اسی طرح آ کے بیٹھ گئے۔ایک پائی ہاتھ میں نہیں۔ رہنے کو حجرہ نہیں۔ کتاب رکھنے کو جگہ نہیں لیکن بیٹھ گئے۔محض خدا کے بھروسہ پر، دنیا پر بھروسہ نہیں کیا..... أتت الدنيا وهي راغمة: تو ناک رگڑتی ہوئی دنیا آنی شروع ہوئی۔

آج لاکھوں کی عمارتیں بھی کھڑی ہیں، کتب خانہ بھی بن گیا۔کیا کہیں جا کے بھیک مانگی؟ نہیں! اللہ سے بھیک مانگی اللہ میاں نے اپنی مخلوق کو متوجہ کردیا۔انہوں نے مجبور ہوکر جھک مار کر دیا.......اور دینا پڑے گا۔

خانقاہ گنگوہ کی اینٹ اینٹ سے اللہ اللہ کی آواز

مولانا گنگوہیؒ کے متعلق شکایت کی گئی کہ یہ خانقاہ؛ گنگوہ میں بغاوت کا مرکز ہےاور یہ مولوی خانقاہ میں جمع ہوکر حکومت برطانیہ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔

اور افغانی حکومت کو ہندوستان پر چڑھانا چاہتے ہیں تا کہ برطانیہ حکومت کا تختہ الٹ جائے۔سی آئی ڈی کا انسپکٹر مقرر ہوا۔اور وہ بھی ہندو مقرر کیا گیا تا کہ وہ بے لاگ بات کرے۔

وہ آیا اس نے خانقاہ کو دیکھا کہ اینٹ اینٹ سے اللہ اللہ کی آواز نکل رہی ہے۔ان لوگوں کو سازش سے کیا کام؟ انہیں مکر وفریب سے کیا کام؟ یہ تو رات دن اللہ کے بندے بنے ہوئے ہیں۔وہ حیران تھا کہ مخبر نے یہ رپورٹ کیسے کی کہ یہ سازشی لوگ ہیں۔کیوں کہ یہاں چوبیس گھنٹے سوائے ذکر اللہ کے کوئی کام نہیں ۔ بہرحال وہ دیکھتا رہا سوچتا رہا۔آخر کار ظاہر ہوا۔اور حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آ کر یہ ظاہر کر دیا کہ وہ اس مقصد کے لیے یہاں آیا ہے.... فرمایا بھائی! دیکھ لو، ہمارے ہاں کوئی چھپی ہوئی بات تو ہے نہیں ۔کوئی سازش نہیں ۔ جو بھی ہے وہ تمہارے سامنے ہے۔

اس پر اس نے مختلف سوالات کئے ، ایک سوال یہ بھی تھا کہ گذر اوقات کا ذریعہ کیا ہے؟ فرمایا۔توکل.....

اس نے کہا توکل کیا چیز ہے؟ فرمایا توکل یہ چیز ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے ۔ وہ خدمت کرتے ہیں تو یہ خانقاہ کا کام چل رہا ہے .....وہ حیران ہوا کہ یہ کیسے چل رہا ہے کوئی جا گیر نہیں کوئی وقف نہیں ،کوئی تجارت نہیں ۔آخر یہ چل کیسے رہا؟ ہے محض یہ خیال کر کے بیٹھ گئے کہ لوگوں کے دلوں میں آئے گا تو کام چلے گا۔لوگوں کے دل میں نہ آئے تو کیا ہوگا؟

خدا مخالف کے دل میں بھی محبت ڈال دے گا

غرض اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ توکل کیا چیز ہے۔ایک ہفتہ کے بعد جب وہ

جانے لگا تو نہایت عقید تمندی سے آ کر اس نے حضرت سے دعائیں چاہیں اور دس روپیہ نکال کر ہدیہ کے طور پر پیش کئے۔

حضرتؒ نے فرمایا آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ میرا دل مجبور کر رہا ہے آپ اس واپس نہ کریں۔ اگر آپ واپس کریں گے تو میرا دل دکھے گا۔ میری نیاز مندی کا تقاضا ہے کہ آپ قبول فرمالیں۔

فرمایا آخر آپ سے کس نے کہا؟ کہنے لگا کہا تو کسی نے نہیں، بس دل میں یہ آیا، فرمایا یہی ہے وہ توکل جو کل تک آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا.... تو توکل سب سے بڑی جاگیر ہے مگر اس کا حاصل یہ ہے کہ احتیاج صرف اللہ کی طرف ہو غیر اللہ کی طرف نہ ہو تو غیر اللہ خود بخود آ کے جھکے گا۔

علم کی ناقدری کرنے والے سے اسلام کا شرف بھی چھن سکتا ہے

ایک طالب علم ذہن میں یہ آنا کہ کل کیا کریں گے، علم پڑھ کر ہم روٹی کہاں سے کمائیں گے پیسہ کہاں سے ملے گا؟ یہ انتہائی احتیاج مندی اور ذلت نفس کی بات ہے جس کو اللہ علم کی دولت دے اور اس کی سوچ یہ ہو کہ روٹی کہاں سے آئے گی۔ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ کا مصداق ہے کہ اعلیٰ اور شرف کی چیز پاس ہے پھر ادنی کی طرف توجہ کر رہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ دنیا ملے گی۔ لیکن اگر وعدہ نہ ہوتا اور نہ کبھی ملتی صرف علم مل جاتا تو دنیا و مافیہا کی دولت میسر آ گئی تھی، کسی دولت کی ضرورت نہیں تھی، وہ انتہائی ناقدرا انسان ہے کہ اللہ اعظم ترین شرف دے اور پھر وہ ارذل ترین چیز کو اس کے مقابلہ میں چاہے، یہ تو یہود کا سا قصہ ہو گیا کہ اللہ نے من وسلویٰ دیا۔

انہوں نے کہا ہمیں تو لہسن و پیاز چاہئے۔اس کے مقابلہ میں ذلیل چیزیں چاہیں۔

یہ انتہائی بے قدری کی بات ہے،اس میں ڈر ہوتا ہے کہ کہیں اسلام کا شرف بھی نہ چھین جائے۔اس لیے کہ علم پاک چیز ہے۔پاک ہی ظرف میں بھرا جائے گا۔جس ظرف کے اندر گندگی موجود ہو اور وہ غیر اللہ اور دنیا کا طالب بنا ہوا ہے تو ایسا ہی ہے جیسے کسی نے سونے کے ظرف میں نجاست بھر دی ہو۔

دنیا استعمال کی چیز محبت کی چیز نہیں

تو محبت صرف ایک چیز کی رہے۔دنیا استعمال کی چیز ہے محبت کی چیز نہیں۔ استعمال جتنا چاہے کرو محبت ایک ذات سے رہنی چاہیے جس کا آدمی طالب ہے تو علم کے شرف کے بعد کسی غیر علم کی طلب کرنا ایسا ہے جیسے ایک عالم طلب کرے کہ میں تو جاہل بن جاؤں تو بہتر ہے۔یہ کوئی دانش ہوگی؟ خدا علم دے اور وہ جہالت کو چاہے۔

تو بہر حال حق تعالیٰ شانہٗ نے اس چہرے کے اندر مشاعر ادراک رکھ کر گویا اس طرف ایماء (اشارہ) کیا ہے کہ علم اونچی چیز ہے اور جو علم کی طرف منسوب ہوں وہ بھی اونچے بن کر رہیں (اور ان کے اونچے ہونے کا راز استغناء میں ہے۔دنیا طلبی میں نہیں) وہ نیچے بن کر نہیں رہ سکتے اس لیے کہ اللہ نے ان کو یہ شرف دیا ہے اور پھر علم، عمل سے کہیں زیادہ افضل ہے اسی لیے جو عملی اعضاء ہیں ان کو پست رکھا گیا یعنی ہاتھ کا رخ نیچے کی طرف ہے پیر کا رُخ نیچے کی طرف ہے۔اور ناک کان کا رُخ اوپر کی طرف جاتا ہے۔تو عمل والی چیزوں کو حسی طور پر بھی پست رکھا گیا۔اور ان کی وضع بھی ایسی جیسے وہ پستی کی طرف جا رہے ہوں اور کان ناک آنکھ کو اونچا بنایا۔کیوں کہ یہ علم کی طرف منسوب ہیں۔

اعضائے عمل اعضائے دولت سے افضل اور نمایاں ہیں

عمل سے بھی زیادہ ادنیٰ درجہ کی چیز مال ہے۔یعنی علم عمل سے افضل ہے۔عمل دولت سے افضل ہے تو دولت سب سے زیادہ گری ہوئی چیز ہے۔اس واسطے کچھ اعضاء ایسے ہیں جو دولت کو جمع کرتے ہیں....وہ معدہ اور جگر ہیں ..... وہاں نجاست بھری رہتی ہے تو گویا ایک اعضاء علم ہیں اور ایک اعضائے عمل، یہ پھر بھی بہ نسبت معدے امعاء (انتڑیاں) اور بہ نسبت مثانے وغیرہ کے عزت دار ہیں۔کیوں کہ معدے وغیرہ کے اندر تو نجاست اور گندگی بھری ہوئی ہوتی ہے اور یہ ان کے لیے لازمی ہے۔اگر یہ اعضائے (دولت) بھرے ہوئے نہ ہوں تو زندگی برقرار نہیں رہ سکتی۔اگر معدے وغیرہ کے اندر سے یہ سب کچھ نکال لیا جائے تو آدمی ختم ہو جائے گا اس کی بھی (بقائے حیات کی خاطر) ضرورت ہے۔لیکن حق تعالی نے اس کو مخفی رکھا۔ کیوں کہ گندی چیز ہے لوگوں کے سامنے نہ آنی چاہیے۔اس کو اندر رکھا۔

اعضائے دولت کی حقیقت اور ان کو مخفی رکھنے کی حکمت

ہاں البتہ اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ ناک، کان اور آنکھ تو علماء ہیں اور ہاتھ پیر مزدور ہیں۔اور وہ سرمایہ دار ہیں جو اندر چھپے ہوئے ہیں....بحیثیت سرمایہ دار کے ...اللہ کسی اور سبب سے سرمایہ دار کو عزت دے وہ اور چیز ہے۔لیکن سرمایہ دار بحیثیت سرمایہ دار ہونے کے نجاست کا محل ہے گندگی کا محل ہے کوئی بڑی چیز نہیں ہے.... باقی طہارت کا طریقہ بتلادیا گیا کہ خود بھی پاک بناؤ.....تو معدے میں سب کچھ بگڑ جائے گا۔اگر مال میں سے کچھ نہیں نکلے گا اور صرف سرمایہ دار کے پاس رہ جائے گا گویا وہ نجاست معدے میں ہی بھری رہے گی۔تو معدہ بھی گیا انسان بھی گیا۔سارا

کارخانہ درہم برہم ہوجائے گا،اس واسطے ضرورت سمجھی گئی کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس میں سے کچھ فضلات بھی نکلتے رہیں ..... (یعنی ایک معینہ مدت کے اندر جو علاماتِ صحت ہے۔ بصورت دیگر علامتِ مرض) تاکہ اس کے اندر پاکی پیدا ہو، یہ نہیں ہوگا تو سرمایہ دار اور مزدور کی جنگ چھڑ جائے گی، معدہ الگ لڑے گا اور ہاتھ پاؤں الگ لڑیں گے اس لیے کہ جب فضلات کو نہیں نکالے گا تو بیماریاں پیدا ہوں گی تو ہاتھ بھی، پاؤں بھی اور دماغ بھی سب ہی چیزیں بیماری کا شکار ہوں گی ۔اس لیے ہاتھ بھی چاہتا ہے کہ معدے میں سے کچھ نکلتا رہے، پیر بھی چاہتا ہے کہ معدے میں کچھ نکلتا رہے تو گویا یہ ایسی مثال ہے کہ زکوٰۃ دے دی گئی تو میل کچیل نکال دیا گیا، مال پاک ہو گیا۔

جسم میں تین قسم کے اعضاء

تو تین قسم کے اعضاء رکھے گئے ۔ایک اعضاء العلم، ایک عضاء العمل اور ایک اعضاء الدولۃ ، یا اعضاء المال جن کے اندر سرمایہ جمع رہتا ہے۔سرمایہ دار کا کام یہ ہے کہ وہ زائد حصہ نکالتا رہے اور باقی حصہ جمع کرتا رہے۔مزید زیادہ نکال دے تو طبیعت ہلکی رہے گی، لیکن فرض اتنا کیا گیا کہ موقع بہ موقع نکالے، ایک حد اعتدال کے اندر خارج کردے۔ بالکل معدہ خالی کردیا تو خالی خولی ہو کر کہیں ختم نہ ہو جائے۔

لیکن اگر تمہارے اندر کوئی دوسری قوت سے زندہ رہنے لگے اور کھانا پینا ترک کردے مگر یہ شاذ چیزیں ہیں۔

اصول اور قاعدے کی بات یہی ہے کہ بقدر ضرورت جمع رہے تو بقدر ضروت نکلتا رہے آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہے جب یہ بند ہو جائے گا تو معدہ بگڑ جائے گا۔

خلو محض ہوگا تو فنا طاری ہوگی، تو کچھ جمع رہے، کچھ خلا رہے، دونوں چیزیں ہو تب ہی صحت برقرار رہ سکتی ہے تو اعضاء العلم کو اونچا رکھا گیا، اعضاء العمل کو پست رکھا گیا اور اعضاء المال کو مخفی رکھا گیا کیوں کہ یہ اس قابل نہیں ہے کہ ان کو نمایا کیا جائے۔

''علم'' اللہ کی اور ''مال'' معدے کی صفت ہے

اب اگر ایک عالم کی آنکھ گندگی کو پسند کرنے لگے تو کیا یہ دانش کی بات ہوگی؟ اس کا تو مطلب یہ ہے کہ آنکھ یوں چاہے کہ میں معدہ بن جاؤں، میرے اندر نجاست بھر دی جائے۔ تو اللہ نے اس کو لطافت دی اور اس کو کمال دیا، اور وہ چاہتی ہے کہ میرے اندر عیب بھر جائے، میرے اندر رقص بھر جائے.... تو اللہ نے پاکی بھری ہے اور وہ چاہتی ہے کہ میرے اندر گندگی بھر جائے۔ یہ تو عقل ودانش کے خلاف اور علم کے خلاف ہے۔ مودت کے خلاف ہے، اخلاقی طور پر بھی بری چیز ہے اور علمی طور پر تو ہے ہی......

بہر حال حق تعالیٰ شانہٗ نے اہل علم کو عزت اور عظمت بخشی ہے.... اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ''علم'' اللہ کی صفت ہے اور مال معدے کی صفت ہے تو اللہ کی ذات عالی اور صفات کمال..... ظاہر ہے کہ انسے بڑی کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ ساری بھلائیاں انہیں کے لیے ہیں اور مال ودولت یہ معدے کی صفات ہیں یہ روزانہ متغیر ہونے والی چیزیں ہیں۔ نہ ان کے لیے بقا ہے اور نہ ان کے لیے دوام ہے۔

عقل کا کھوٹ اور ناشکرہ پن

اگر اللہ کی صفت کسی بندے کے اندر آئے گویا اللہ تعالی اپنے اس بندے کو اپنا نمائندہ بناتے ہیں کہ تو میری صفت کا حامل ہے اس کو دنیا کے اندر پھیلا.... اور وہ

کہے کہ میں تو معدے کی صفت کا حامل بننا چاہتا ہوں میں تو گندگی حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اسے ہی پھیلانا چاہتا ہوں تو ظاہر بات ہے کہ یہ عقل کا کھوٹ ہوگا اور یہ گویا اس منصب کو بٹا لگانے کا باعث ہوگا کہ جس منصب کے لیے اللہ نے اسے دار العلوم میں جمع کیا کہ یہ طالب علم ہے اس کی سعادت اس کو کھینچ کر لائی ہے کہ ایک مرکز علم میں اس کو پہنچا دیا۔ کیا اس کے لیے یہ شکر کا مقام نہیں ہے کہ اسے کسی سینما کا ملازم نہیں بنایا کسی تھیٹر کا کارکن نہیں بنایا اپنی صفت اور اپنی اونچی صفات میں بھی جو اونچی صفت تھی یعنی علم کی صفت کا اس کو حامل بنا کر ایسی فیکٹری میں لا کر بٹھا دیا، جہاں علم کا چرچا ہوتا رہتا ہے۔ علم ہی کی نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری رہتا ہے.... کتنا بڑا شکر کا مقام ہے کہ اللہ نے آپ کو اپنے (علم کے) لیے منتخب کر لیا۔ اور ان کاموں کے لیے منتخب نہیں کیا جو گندگی کے کام ہیں۔ پاک کام کے لیے منتخب کیا۔ اس لیے اس شرف پر انسان جتنا بھی ناز کرے، شکر کرے اتنا ہی کم ہے۔

حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ طَالِبُ الْعِلْمِ وَطَالِبُ الدُّنْيَا اَمَّا طَالِبُ الْعِلْمِ فَيَزْدَادُ رِضَى الرَّحْمٰنِ وَاَمَّا طَالِبُ الدُّنْيَا فَيَتَمَادٰى فِي الطُّغْيَانِ

تو ایک علم ہے جو رضائے رحمن کی طرف لے جاتا ہے اور ایک مال ہے جو طغیان کی طرف لے جاتا ہے۔

دو چیزوں نے ایک چھاتی سے دودھ پیا ہے

حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اکثر ایک شعر پڑھا کرتے تھے (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ دو چیزیں ہیں جنہوں نے ایک چھاتی سے دودھ پیا ہے

کہ ایک سے دوسری جدا نہیں ہوسکتی۔اور وہ کون سی چیزیں ہیں ایک حکمت اور تقویٰ۔ اس لیے جب علم آئے گا تو خشیۃ اللہ بھی آئے گا۔خوف خداوندی بھی آئے گا، یہ ممکن نہیں کہ علم ہو اور اللہ کا خوف نہ ہو۔تو علم آیا اس کے ساتھ تقویٰ بھی آیا۔تقویٰ آیا تو اس کے ساتھ علم ہونا لازمی ہے۔اور فرمایا کہ مال و دولت اور طغیان یہ بھی ایک وطن کے دو باشندے ہیں۔جب دولت آئے گی تو سرکشی بھی بڑھے گی، بغاوت بھی بڑھے گی الا یہ کہ آدمی مال کو شرعی طریق پر کمائے۔حلال طریق پر کمائے اور حلال طریق پر خرچ کرے، اس کے اندر سے انفاق فی سبیل اللہ کرتا رہے تو وہ تمرد اور طغیانی سے بچ جائے گا اس طریق پر بچ جائے تو بچ جائے لیکن مال بتلا دیئے ہیں کہ عوارض کے طور پر اس میں پاکی پیدا ہوجاتی ہے۔وہ بھی جب کوئی پاک کرنا چاہے۔

طالب علم آلاتِ خداوندی ہیں

آج دنیا میں اس علم دین کے اوپر کوئی وعدہ نہیں نہ دولت کا نہ عزت کا نہ کسی مرتبہ اور عزت و جاہ کا۔اگر قرآن و حدیث کا بڑے سے بڑا عالم ہو تو کوئی وعدہ نہیں کہ اُسے ملک کا گورنر بنا دیا جائے گا یا پریزیڈنٹ بنا دیا جائے گا۔بل کہ لوگ اس کو عیب لگاتے ہیں کیوں کہ اُس علم کے پڑھے ہوئے نہ اس قابل ہیں کہ وہ منسٹر بنیں نہ ہی کسی اور دینوی صنعت و حرفت کا کام انہیں آئے۔یہ انہیں (بطور طعنہ) کہا جاتا ہے یہ غلط ہو یا صحیح ہو یہ تو بات الگ ہے مگر کہا جاتا ہے، تو اس علم کی تحصیل پر کوئی دینوی وعدہ نہیں.....بل کہ اگر وعدہ ہے تو اس کا ہے کہ عزت کی بجائے کچھ لوگ طعن کریں گے آپ کے اوپر مذاق کریں گے۔اگر وعدہ ہے تو اس کا تو ہے کہ آپ دولت مند ہونے کے بجائے کہیں مفلس نہ ہو جائیں، اس کا تھوڑا بہت خطرہ ہے تو کسی

دنیوی انعام کا خدائی وعدہ نہیں ہے۔

لیکن اس کے باوجود یہاں آئے تو کیوں تشریف لائے جب کہ کوئی وعدہ بھی نہیں۔تو یہ آپ کو حفاظتِ قرآن کی سعادت کھینچ کر لائی ہے۔جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ہم نے قرآن اتارا،اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، یہ حفاظت خداوندی ہے کہ دلوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ جاؤ اور جا کر پڑھو چاہے دنیا نہ ملے تو دنیا ملنا نہ ملنا اس کی طرف التفات نہیں ہے، ملنے کی چیز تو وہ ہے جس کی ذمہ داری حق تعالیٰ نے لی کہ ہم اس کی حفاظت کریں گے۔تو آپ لوگ (طلباءِ کرام) گویا جارحۂ حق ہیں۔اور حق تعالیٰ شانہٗ کے گویا آلات کار ہیں۔آپ کے واسطے سے ان کے کلام کی دنیا میں حفاظت ہو رہی ہے یہ بھی درحقیقت (قرآن کریم کا) معجزہ ہی ہے کہ کوئی وعدہ نہیں اور پھر بھی (بے لوث فوج درفوج) لوگ چلے آرہے ہیں۔تو قرآن بھی معجزہ ہے اور اس کی حفاظت کے طرق بھی (ہمہ پہلو) معجزہ ہیں۔

اشاعتِ قرآن بغیر وسائل زیادہ ہوتی ہے

بل کہ میں کہتا ہوں کہ اسلامی حکومتوں کا بعض اوقات ختم ہونا یہ قرآن حکیم کی حفاظت کی دلیل ہے۔اگر مسلسل اور مستمر اسلامی دولتیں قائم رہتیں اور قرآن حکیم محفوظ رہتا تو لوگ طعن کر سکتے تھے کہ یہ سلطنت کی وجہ سے قائم ہوا ہے یہ شوکت کی وجہ سے قائم ہوا ہے یہ تلواروں کے زور سے قائم ہوا ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے ہاتھ میں تلواریں نہیں ہوتیں تو اسلام زیادہ پھیلتا ہے اور جب تلوار آجاتی ہے تو کم پھیلنے لگتا ہے۔اس سے یہ بتلانا منظور ہے کہ اس کی اشاعت، اس

کی حفاظت نہ تلوار پر موقوف ہے نہ حکومت پر موقوف، نہ جاہ وعزت پر موقوف، یہ ہماری حفاظت پر موقوف ہے۔ چاہے عزت کے ذریعے حفاظت کرائیں چاہے دولت مندی کے ذریعے سے حفاظت کرائیں۔

دولت کا یہ خاصہ نہیں کہ وہ قرآن کی حفاظت کرے۔ یہ تو ہماری حفاظت کا اثر ہے۔ اس حفاظت کے لیے جس قوم کو ذریعہ بنادیا جائے وسیلہ بنادیا جائے (جس کے حصہ میں یہ سعادت بغیر زور بازو آئے تو) اُسے اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہیے۔ مگر ناز کے معنی فخر کے نہیں ناز کے معنی شکر کرنے کے ہیں کہ جتنا بھی شکر کرے کم ہے باقی فخر کی تو ممانعت کی گئی ہے اس لیے کہ فخر تو اپنی ذاتی چیز پر آدمی کرسکتا ہے۔ تو یہ ہماری ذاتی ملک تھوڑا ہی ہے ہم تو خادم اور غلام بنائے گئے ہیں، تو امین کے لیے فخر زیبا نہیں ہے نہ تکبر ان کے لیے سزاوار ہے، ہم تو امانت دار بنائے گئے ہیں۔ فقط مالک ہی کے لیے فخر زیبا ہے، اگر خزانچی کو کروڑوں اور لاکھوں روپیہ پر بٹھلا دیا جائے تو وہ کبھی فخر نہیں کرے گا۔ اسلام سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں، مگر تفاخر کی اس پر بھی اجازت نہیں۔

احسان ہمارا نہیں بل کہ اللہ کا ہم پر ہے

قرآن حکیم میں ہے کہ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (الحجرات: ۱۷) بہرحال اس کی اجازت نہیں کہ آپ اسلام وایمان پر فخر کریں۔ اللہ میاں پر احسان رکھیں کہ ہم آپ کے قرآن کی حفاظت کررہے ہیں۔ اللہ کا احسان مانیے کہ اس نے حفاظت کے لیے آپ کو ذریعہ بنادیا۔ اس کے پاس کروڑوں ذرائع موجود ہیں۔ ان میں آپ کو منتخب کیا تو شکر کا مقام ہے فخر کا موقع نہیں۔

تو بہرحال میں یہ اس لیے عرض کررہا ہوں کہ جس علم کو آپ حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں وہ علم فی نفسہ شرف کی چیز ہے۔لیکن میں ابھی تک جتنی بات عرض کرسکا ہوں کہ یہ علم آنکھ کا ہو، یا کان کا ہو، یا ناک کا ہو یا زبان کا ہو۔ یہ سب محسوسات کے علم ہیں اس کو بھی اللہ نے عزت دی ہے۔لیکن محسوسات کا علم پھر ہیچ ہے۔اس کے اوپر ایک اور علم ہے (جس کو علم الٰہی کہا جاتا ہے۔جس طرح قلب محسوسات کا ادراک کرتا ہے۔اسی طرح علوم الہیہ کا بھی ادراک کرتا ہے۔)

قلب: علم حسیہ اور غیبیہ دونوں کا مدرک ہے

تو قلب فی الحقیقت علوم الہیہ غیبیہ اور حسیہ دونوں کا حامل ہے۔آنکھ، ناک، کان یہ حسی علوم کے علماء ہیں۔اور قلب میں دونوں شانیں رکھی گئی ہیں۔محسوسات کو بھی جانتا ہے اور مغیبات کو بھی جانتا ہے۔

اس میں ایک دریچہ عالم غیب کی طرف کھلا ہوا ہے تو وہاں سے (علوم غیبیہ) اخذ کرتا ہے اور ایک دریچہ عالم شاہد کی طرف کھلا ہوا ہے تو وہاں سے بھی اخذ کرتا ہے۔تو قلب ایک جامع ترین چیز ہے محسوسات کا بھی عالم ہے۔اور مغیبات کا بھی۔

بل کہ اگر غور کیا جائے تو ان محسوسات کے علم میں بھی اصل قلب ہے۔یعنی آنکھ، ناک، کان حقیقتاً عالم نہیں ہیں، ان چیزوں کا عالم بھی قلب ہی ہے۔ یہ سب آلات کار ہیں۔

کبھی آپ نے دیکھا ہوگا۔آپ بازار میں چلے جارہے ہیں۔اور بڑے کھیل تماشے نکل رہے ہوں جب گھر آئے تو دوسرے شخص نے آپ سے کہا کہ آج تو بڑے بڑے تماشے بازار سے گزرے، آپ نے کہا کیسے تماشے؟

اس نے کہا میاں وہ ڈھول ڈھمکے بجتے جا رہے تھے جلوس نکل رہا تھا، آپ کہتے ہیں کہ مجھے تو کوئی خبر نہیں۔

اصل عالم اعضاء نہیں قلب ہے

آپ کہتے ہیں افو! میں اپنے فلاں دھیان میں مشغول تھا مجھے یہ پتہ ہی نہیں چلا کہ کیا تماشہ نکل رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آنکھ نہیں دیکھتی بل کہ دھیان دیکھتا ہے۔ اگر دھیان متوجہ نہیں ہے تو آنکھ کھلی ہوگی تب بھی کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اور دھیان یہ قوت خیالیہ ہے یہی متخیلہ وہ اندرونی قوت ہے جس کا حاصل یہ کہ اگر قلب دیکھنے کی طرف متوجہ ہو تو آنکھیں دیکھیں گی۔ وہ مسئلہ کے اندر مطالعہ میں منہمک رہتے ہیں اور گھنٹہ بج جائے گھنٹہ بھی گزر گیا آپ کو خبر ہی نہیں کہ گھنٹہ بجا۔ دوسرا طالب علم کہتا ہے کہ بھائی گھنٹہ بج گیا ہے۔ سبق کا وقت آ گیا ہے تو آپ جلدی سے اٹھتے ہیں کہ اچھا گھنٹہ بج گیا!!۔

اُفو! میں اس وقت اس مسئلہ میں منہمک تھا مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ گھنٹہ بجا بھی ہے یا نہیں۔ کوئی کان میں روئی تو نہیں دی ہوئی تھی مگر نہیں۔ آواز اس لیے نہیں آئی کہ قلب ادھر متوجہ نہیں تھا۔ تو سننے والی چیز کان نہیں ہے۔ بل کہ قلب ہے۔ دیکھنے والی چیز آنکھ نہیں بل کہ قلب ہے۔

اسی واسطے قرآن کریم میں کفار کی نسبت ایک جگہ فرمایا گیا ہے کہ **أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ** (سورۂ حج: ۴۶) ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں۔ بل کہ ان کے دل مسخ ہو چکے ہیں ان کے دلوں کے اندر بوجھنے کی طاقت نہیں رہی ہے۔ تو آنکھ تو کھلی ہوئی

ہے پھر نہیں دیکھتی ۔ کان کھلے ہیں پھر نہیں سنتے اس لیے کہ وہ قلب کو متوجہ ہی نہیں کرتے ۔تو محسوسات کا عالم بھی فی الحقیقت قلب ہے مگر شرف اس میں یہ ہے کہ جیسے وہ محسوسات کا عالم ہے ویسے ہی مغیبات کا بھی عالم ہے ویسے ہی الٰہیات کا بھی عالم ہے، جیسے وہ فرش کی چیزیں لیتا ہے ویسے ہی وہ عرش کی چیزیں بھی لیتا ہے جیسے وہ شہود سے اخذ کرتا ہے ویسے ہی وہ غیب سے بھی اخذ کرتا ہے۔

قلب ''صفتِ کن'' کا بھی حامل ہے

تو جامع ترین عالم انسان کے اندر قلب ہے۔اس کو اللہ نے ساری کائنات کا بادشاہ بنایا یہ ہاتھ اور پیر یہ سب اس کے خدام اور لشکر ہیں۔خدام کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے اگر ہے تو قلب کے اندر ہے۔اگر قلب یہ چاہتا ہے کہ میں فلاں جگہ چلوں ۔دل کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پیرو چلو! بس قلب میں آیا اور پیروں نے حرکت کرنی شروع کردی۔

قلب اگر چاہتا ہے کہ میں کسی چیز کو دیکھوں تو امر کرنے کی ضرورت نہیں قلب نے دیکھنے کا ارادہ کیا پلک اٹھ جاتی ہے اور آنکھ دیکھنا شروع کردیتی ہے تو آنکھ، کان، ناک اس درجہ تابع فرمان ہیں کہ قلب میں تخیل پیدا ہوا اور انہوں نے اپنا کام شروع کردیا۔

گویا قلب کے اندر کن فیکون کی طاقت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ ہوجا وہ ہوگئی کہنے کی ضرورت نہیں محض منشاء ہوا کہ ہوجا میں دیکھنے لگوں بس آنکھوں نے دیکھنا شروع کردیا تو اس درجہ تابع فرمان بنائے گئے ہیں۔

***

فساد کے سد باب کے لیے ضروری ہے کہ علمائے محسوسات تابع ہوں علمائے مغیبات کے

اس سے ایک نتیجہ نکل آیا کہ علماء محسوسات جب تک علماء مغیبات کے تابع ہوکر نہیں رہیں گے دنیا کا نظام نہیں چل سکتا۔ اگر محض کان آنکھ ناک کو حاکم مطلق بنادیا جائے اور قلب کو ان سے منقطع کرلیں تو دنیا تباہ و برباد ہوجائے گی۔ اس لیے آنکھ کان کا علم جب ہی صحیح اور برقرار رہے گا کہ قلب کا علم آگے ہو اور قلب کی حکومت ہو تو جو علماء غیبی علوم کے عالم ہیں۔ جو علماء الہامات ربانی کے عالم ہیں اور جو علماء شرائع خداوندی کے عالم ہیں ان کو علمائے محسوس کے اوپر حکومت کا مقام دیا جائے۔ تب ہی یہ علمائے محسوس صحیح طور پر چل سکتے ہیں اس واسطے کہ محسوسات اسی قلب کے تابع ہیں۔

تو حق تعالیٰ شانہٗ نے اگر آپ کو منتخب کیا تو مبصرات کے علم کے لیے نہیں کیا، مسموعات کے علم کے لیے منتخب نہیں کیا بل کہ علوم خداوندی اور قلبی علم کے لیے منتخب کیا جو تمام علوم کا حاکم ہے اور سب کے اوپر سربراہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اگر قلب یہ چاہنے لگے کہ میں آنکھ بن جاؤں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ حاکم یہ چاہتا ہے کہ میں محکوم بن جاؤں۔ مخدوم یہ چاہتا ہے کہ میں خادم بن جاؤں۔ یہ تو قلب موضوع ہے۔ معاملہ برعکس ہوگیا۔

علوم محسوسات کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا علم دین کو بٹا لگانا ہے

اس کو منصب تو اونچا دیا گیا اور وہ نیچا بننے لگا۔ اس کا کام یہ ہے کہ اونچائی کو برقرار رکھے تو اللہ نے آپ کو قلب بنایا ہے تو قلب کا جو مقام ہے اس کو جب تک آپ محفوظ نہیں رکھیں گے۔ کام نہیں چل سکتا۔ اگر آپ نے اس مقام کو محفوظ رکھا تو

کان ناک آنکھ سب آپ کے تابع ہو کر چلیں گے اور اگر آپ کے دل میں یہ لالچ ہوا کہ میں آنکھ بن جاؤں تو آنکھ فرمابرداری چھوڑ دے گی وہ کہے گی کہ میں خود مستقل ہوں کہ قلب میری طرف جھکنے لگا غلام ومحتاج بن کر میری طرف متوجہ ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ اصل میں ہوں۔ تو علمائے مغیبات اور علمائے شرائع اگر ان علوم اور ان علمائے کے سامنے جو محض محسوسات کے عالم ہیں جھکنے لگیں۔ خواہ وہ سائنس ہو یا فلسفہ خواہ مبصرات ہوں یا مسموعات ہوں۔ خواہ وہ نئی نئی ایجادات کی چیزیں ہوں مگر لالچ کی نگاہوں سے دیکھنے لگیں تو انہوں نے علم دین کو بٹا لگا دیا کہ اسی علم کا توفیض ہے کہ محسوسات سامنے آ رہی ہیں۔ اگر مغیبات کا علم منقطع ہو جائے تو محسوسات بھی دنیا سے منقطع ہو جائیں یہ باقی نہیں رہ سکتیں۔ اس لیے اہل علم کو ناز بھی کرنا چاہیے اور شکر بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں منتخب کیا، اور تو علم کے دائرے میں لے آئے مزدور نہیں بنایا۔ کہ ہم ٹوکری اٹھائیں، معدہ نہیں بنایا کہ نجاست جمع کریں بل کہ عالم بنایا کہ ہم دیکھیں۔ سنیں اور چکھیں اور محسوسات کے علم کو آگے بڑھائیں۔ اس سے بڑھ کر ہمیں ان علماء میں داخل کیا جو الٰہیات کے عالم ہیں۔ خود محسوسات کے اوپر حاکم ہیں تو جو انتہائی مقام ہے وہ آپ کو مل گیا۔

اہل علم کی اصلاح کے بغیر عوام الناس کی اصلاح ممکن نہیں

اس کائنات بدن میں انتہائی مقام قلب کا ہے اور اس کائنات آفاق میں اہل علم کا ہے۔ گویا وہ بہ منزلہ قلب کے ہیں۔ تو قلب اگر فاسد ہو جائے تو ساری کائنات فاسد ہو جاتی ہے حضور سرور کائنات کا ارشاد گرامی ہے کہ۔ اَلَا وَفِیْ الْجَسَدِ مُضْغَةٌ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّه وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَالْجَسَدُ کُلُّه

اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ ۔تو قلب اگر ٹھیک رہیں گے اگر قلب میں فساد آ گیا تو تمام اعضاء میں فساد آ جائے گا.....تو اہل علم کا کام یہ ہے کہ وہ فساد سے دور بھاگنے کی کوشش کریں۔ان کا کام صلح پھیلانا ہے۔اور پھیلا کر دنیا کو رشد و ہدایت اور بھلائی کی طرف اور بزرگی کی طرف لانا ہے۔اگر وہ بھی عوام الناس کی طرح چند چیزوں، چند ٹھیکروں یا چند محسوس چیزوں کے طالب بننے لگیں تو انہوں نے اپنے وقار کو کھو دیا اور (انہوں نے اپنے مقام کو پہچانا ہی نہیں) ان کا کام یہ کہ وہ قلب کے مقام کو باقی رکھیں اور سمجھیں کہ ہم کائنات کے قلب ہیں اس لیے اپنے کو فساد سے بچائیں اور اپنے کو صالح بنائیں۔ان کو دنیا کا امام بنایا گیا ہے۔اگر سارے مقتدی وضو کر آئیں اور امام کا وضو نہ ہو یا ٹوٹ جائے، کسی کی نماز نہ ہوگی۔سب کی نماز جبھی ہوگی جب امام بھی طاہر ہو۔امام پارسا اور پاک ہو۔جب اس کی پاکی ختم ہوگی تو دوسرے پاک بھی رہیں گے تو ناپاک بن جائیں گے۔ان کی پاکی نامقبول ہوگی۔

آپ اس کائنات کے قلب ہیں۔اگر اس میں طہارت ہے تو دنیا میں طہارت موجود ہے اگر اس میں خباثت آ گئی تو دنیا میں خباثت پھیل جائے گی۔دنیا میں نجاست عام ہو جائے گی۔

آپ گر گئے تو تو ساری قوم گر جائے گی

امام ابو حنیفہؒ نے ایک بچہ کو دیکھا کہ دوڑتا جا رہا ہے۔آپ نے فرمایا کہ میاں آہستہ چلو گر جاؤ گے۔تو اس لڑکے نے جواب دیا کہ آپ آہستہ (اور دیکھ کر) چلیں۔اس لیے کہ اگر آپ گر گئے تو ساری قوم گر جائے گی۔میرے گرنے سے تو صرف میں ہی گروں گا۔

تو یہاں عوام سے خوف نہیں خواص سے خوف ہے کہ ان کے فساد پر عوام کا فساد اوران کی اصلاح پر عوام کی اصلاح موقوف ہے، اس واسطے اگر یہ صالح اور ٹھیک ہیں تو عوام بھی ٹھیک ہیں، جب کبھی فتنہ پھیلا ہے عوام سے کبھی نہیں پھیلا۔ عوام تو بے چارے متبع ہیں۔ ان کے سامنے اللہ ورسول کا نام لوگے تو گردن جھکا دیں گے۔ اب نام لینے والا ہی خیانت کرے کہ اللہ ورسول کے نام سے اپنے ہی تخیلات پیش کرنے لگے۔ اس پردے میں اپنے دل کی اغراض پیش کرنے لگے تو یہ بے چارے عوام کا قصور نہیں۔ تو خواص کی اصلاح پر عوام کی اصلاح موقوف ہے اور خواص میں ناک کان آنکھ نہیں بل کہ قلب ہے۔ تو جب اللہ نے آپ کو قلب بنایا آپ کو عالم کی اصلاح وفساد کا مدار ٹھہرایا تو بڑی ہی ناقص بات ہوگی کہ آپ فساد کی طرف آنے لگیں۔ اور فساد کی طرف آنا یہی ہے کہ ایک عالی چیز کو چھوڑ کر سافل چیز کی طرف آپ کا ذہن جانے لگے کہ پیسہ کس طرح آئے، راحت کس طرح ملے۔ یہ تو خود بخود ملے گی وعدۂ خداوندی ہے، کچھ تو اپنے اللہ کے وعدے پر اعتماد کرو۔ اس مقام پر بھی آ کر اگر آپ جیسا آدمی اللہ کے وعدوں پر بھروسہ نہ کرے تو عوام الناس سے کیا امید رکھی جائے کہ وہ اللہ کی ذات عالی کے فرمودہ وعدوں پر بھروسہ کریں۔

توکل علی اللہ سے ہر چیز ملتی ہے

تو آپ کا سب سے بڑا کام توکل اور استغناء ہے۔ اسی میں سب کچھ ہے۔ آپ کے لیے دین بھی ہے اور دنیا بھی چاہے تھوڑی ملے مگر ضرور ملے گی، ممکن ہے کہ آپ لکھ پتی یا کروڑ پتی نہ ہوسکیں لیکن سینکڑوں کروڑ پتی آپ کے قدموں کے سامنے

سر جھکائیں گے اگر چہ آپ کروڑ پتی نہیں تو کروڑ پتی بن جانا کوئی کمال کی چیز بھی تو نہیں، کروڑ پتی کو اپنے سامنے جھکانا یہ کمال کی چیز ہے۔ اگر آپ کے پاس کار نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن ساری دنیا کی کاریں آپ کی کاریں ہیں جہاں گئے کار حاضر ہے پھر ہمیں کار کی مصیبت اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟

جب ساری دنیا کی کاریں ہماری، ساری دنیا کی دولت ہماری، جہاں ضرورت ہے اللہ خود پوری کرتے ہیں۔ اس واسطے اس مقام پر آ کے تو آدمی اللہ پر بھروسہ کرے، اس مقام پر آ کے بھی بھروسہ نہ کیا تو پھر اللہ پر بھروسہ کرنے کا مقام کون سا آئے گا؟!

علم مع العبدیت کا خاصہ ارتقاء ہے

تو علم بلند ہونے کے لیے ہے پست ہونے کے لیے نہیں۔ آدمی میں علم کی ہوا بھری ہوئی ہو پھر پست ہو جائے یہ ناممکن ہے۔ اگر لطیف چیز کثیف میں بھر دی جائے تو وہ پست نہیں ہوتی آپ گیند کے اندر ہوا بھر دیجیے پھر زمین پر دے ماریئے تو زمین سے کتنا زیادہ اوپر جائے گی۔ اور اگر ہوا نکال کر زمین پر ماریں گے تو وہ بے چاری پھس کر کے رہ جائے گی۔ اس کے اندر اٹھنے کی جرأت نہیں۔ معلوم ہوا لطیف چیز کی طاقت ہوتی ہے تو طاقت تو علم ہے یہ جب بھری ہوئی ہو اور پھر آدمی زمین کی طرف جائے اور پٹخا رہے۔ معلوم ہوتا ہے یا تو وہ علم نہیں ہے یا وہ علم کو سمجھا ہوا نہیں۔ اگر علم نہیں تو بے شک پٹخا جائے گا اور اگر علم ہے تو وہ اس کی قدر و قیمت کو نہیں جانتا نہ اس کے استعمال کو جانتا ہے نہ اس کی عزت و آبرو کی اس کو قدر و منزلت ہے۔۔۔۔ اگر یہ دونوں باتیں نہیں تو وہ علم پست ہونے کے لیے نہیں ہو سکتا۔

علم کا خاصہ ترقی ، اونچائی اور بڑائی ہے بل کہ اسی وجہ سے انسان کے لیے عبدیت لازم کی گئی ہے۔اس لیے کہ محض علم اسے متکبر بنادے گا علم نیچا دیکھنا نہیں چاہتا۔تو ہوسکتا ہے کہ ایک عالم میں غرور بھی آجائے ،تکبر بھی آجائے ، بڑائی بھی آجائے اس لیےاس کا علاج عبدیت میں رکھا گیا ہے۔اور عبدیت کسی مردِ کامل کے سامنے خود کو پامال کئے بغیر پیدا نہیں ہوتی۔

صاحب ہدایہ نے ایک موقع پر لکھا ہے کہ وہ عالم جس میں غرورِ نفس ہو متکبر ہو وہ عالم کے لیے فتنہ ہے اگر وہ اس علم سے جاہل رہتا تو بہتر رہتا۔لیکن علم آیا اور اس کے ساتھ کبر ہے تو اس نے علم کو بٹہ لگایا۔علم عالم میں فساد پھیلانے کا ذریعہ بن جائے گا،اور اگر وہ جاہل ہے عامل بے علم ہے وہ بدعات ومنکرات میں مبتلا ہوگا۔ وہ بھی فسادِ کبیر ہے ۔تو علم کے لیے بھی ایک فتنہ ہے اس کا علاج عبدیت میں ہے اور عبدیت کے لیے بھی ایک فتنہ ہے اس کا علاج علم ہے جب تک یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہوتیں کام نہیں چلتا۔

علم بلاعبدیت اور عبدیت بلاعلم کا نتیجہ

اس کی نظیر دو امتیں موجود ہیں، مسلمانوں سے پہلے اللہ نے دو امتیں پیدا کیں۔ایک یہود اور ایک نصاریٰ۔ یہود کو علم دیا گیا،علم بھی تفصیلی،تورات کی شان بیان فرمائی گئی ہے کہ تفصیلاً لکل شئ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے نہایت واضح شریعت ہے نہایت مفصل شریعت ہے تو تفصیلی شریعت دی گئی یعنی علم تفصیلی دیا گیا۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ لازم کیا گیا تھا کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی شخصیتوں کے آگے جھکتے رہنا ان سے تمسک کرتے رہنا، یہود نے کہا کہ نحن رجال یہ انبیاء بھی انسان

ہیں، پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم ان کی اتباع کریں ہم میں تورات بھی موجود ہے عقل بھی موجود ہے۔ اپنی عقل کے ذریعہ تورات سے اخذ کریں گے اتباع کی ضرورت نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ جب عبدیت نکل گئی تو خالص علم رہا تو اس سے کبر اور غرور پیدا ہو گیا، کبر اور غرور کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ظنون اور اوہام کا مجموعہ ہو کر رہ گئے علم قطعی باقی نہیں رہا۔ تو یہود علم کے فتنے میں گرفتار ہوئے، جن میں تکبر پیدا ہوا جس کو ایک موقع پر حق تعالیٰ نے فرمایا: سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِن يَرَوْاْ كُلَّ آيَةٍ لاَّ يُؤْمِنُواْ بِهَا (سورۂ اعراف:۱۴۶)

یہود علمی فتنے میں مبتلا ہوئے

تو یہود علمی فتنے میں مبتلا ہوئے تو شکوک وشبہات ان کا علم رہ گیا۔ ان کا فہم در حقیقت وہم ہے جس کا نام انہوں نے فہم رکھ دیا۔ اس جہل کا نام انہوں نے علم رکھ لیا۔ اس لیے کہ منافع علم جب ان سے منقطع ہو گئے تو علم کہاں سے آتا۔

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (عنکبوت:۴۹) علم تو اہل علم کے سینوں سے نکل کر ملتا ہے۔ کاغذوں اور اوراق میں تو رسوم اور دوال ہوتے ہیں ان رسوم اور دوال کے مدلولات اہل علم کے سینوں میں ہوتے ہیں جب وہ نفع بھی ان سے ختم ہو گیا تو علم کی صورت رہ گئی، اور محض صورت جس سے روح نکل جائے وہ لاشئ ہے چند دن کے بعد وہ گلتی ہے، پھٹتی ہے سڑتی ہے۔ نہ صورت رہتی ہے نہ حقیقت رہتی ہے تو یہود استکبار کے فتنے میں تباہ ہوئے ہیں وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْماً وَعُلُوّاً جحود اور استکبار ان کی شان رہ گئی...... لہٰذا تباہ وبرباد ہوئے۔ نصاریٰ عملی اُمت تھی۔ ان کو انجیل کے اندر عمل کی طرف متوجہ کیا گیا تھا۔ تصوف کے زیادہ تر احکام تھے لذت، زہد کامل وہ تصوف کی کتاب

ہے۔ وہ اس کتاب پر چلے، تو تصوف کی خاصیت یہ ہے کہ آدمی شخصیتوں کی طرف جھکتا ہے۔

نصاریٰ گویا بدعتی امت ہے

تو نصاریٰ؛ حضرت مسیح علیہ السلام، احبار اور رہبان کی طرف جھکے اور اتنا جھکے کہ انہوں نے انجیل سے قطع نظر کر کے کہا کہ کتاب ناطق تو یہ بزرگان دین ہیں۔ اس کتاب ساکت کی اب ہمیں کیا ضرورت ہے جو یہ کہیں وہ شریعت، جو یہ کریں وہ شریعت، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگوں کے افعال و اعمال ان کے حق میں گویا شریعت بن گئے کتابِ خداوندی سے منقطع ہو گئے اور ان لوگوں کے آگے اتنا جھکے کہ تواضع نہیں بل کہ ذلتِ نفس میں مبتلا ہو گئے اور جب ان لوگوں کے اعمال کو ہی شریعت سمجھا تو طرح طرح کی بدعات میں مبتلا ہو گئے، منکرات میں مبتلا ہو گئے کوئی مغلوب الحال ہو تو اس کے عمل کو بھی شریعت سمجھا جو مغلوب عن الحال ہو اس کو بھی شریعت سمجھا۔ تو ان کے لیے غیر شریعت شریعت بن گئی۔ اور منکر و بدعت کا حاصل غیر شریعت کو شریعت بنانا ہی ہے۔ تو نصاریٰ گویا بدعتی امت ہے۔ حق تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاء رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (الحدید: ۲۷) تو وہ رہبانیت کا شکار ہو کر بدعات میں مبتلا ہوئے اور یہود علمی فتنہ کا شکار ہو کر استکبار میں مبتلا ہوئے۔

اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إِلَهاً وَاحِداً ..تو یہ عملی فتنے میں گرفتار ہوئے اور وہ علمی فتنے میں مارے گئے۔

امت محمد یہ یہود کے نقش قدم پر

حدیث میں جناب نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ تم یہود ونصاریٰ کی ہوبہو پیروی کروگے چھوٹی بات میں اور بڑی سے بڑی بات میں، عقائد میں عمل میں، معاشرت میں معیشت میں حتیٰ کہ اگر وہ کوئی فعل منکر بھی کریں گے اور عبث کام کریں گے۔ اس میں بھی ان کا ساتھ دوگے۔ تو نصاریٰ اور یہود اہل کتاب کے یہ جو دو طبقے ہیں ان میں بھی فساد ہونا لازمی ہے۔ تو امت میں دو طبقے پیدا ہوگئے، ایک طبقہ ہمارے اندر وہ ہے جو غرور نفس اور غرور علم میں مبتلا ہے اس کو اپنے علم کے اوپر گھمنڈ ہے وہ کہتا ہے کہ سلف کا اتباع کریں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن وحدیث موجود ہے ہمارے اندر عقل بھی موجود ہے بل کہ ایک قدم اس سے بھی آگے کہ حدیث کی بھی ضرورت نہیں کہ بالآخر وہ ایک انسان کا ہی قول ہے بس خدا کا قول ہمارے سامنے ہو اور ہماری عقل سامنے ہو، ہدایت کے لیے کافی ہے، یہ طبقہ یہود کے نقش قدم پر چل پڑا تو جحود واستکبار اور غرور نفس میں مبتلا ہوا۔

امت محمد یہ نصاریٰ کے نقش قدم پر

اور ایک جماعت وہ ہے جو یہ کہتی ہے کہ یہ بزرگان دین شیخ جنیدؒ وشبلیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ بھی کتاب ناطق ہیں۔ اب کتاب ساکت کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں، جو یہ کہیں وہ شریعت، جو یہ کریں وہ شریعت، اس قسم کے لوگ اکثر وبیشتر بدعات میں مبتلا ہیں، اس لیے کہ اہل اللہ کے بہت سے اعمال غلبۂ حال میں سرزد ہوتے ہیں جو خلافِ شرع تو نہیں ہوتے لیکن وہ دقیق ہوتے ہیں جن کا رابطہ شریعت سے کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ وہ سطح کو دیکھ کر عمل کرتا ہے تو بدعات کا

شکار ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ: مَنْ فَسَدَ مِنْ عُلْمَائِنَا فَفِيْهِ شِبْهٌ مِنَ الْيَهُوْدِ وَمِنْ عِبَادِنَا فَفِيْهِ شِبْهٌ مِنَ النَّصَارٰی۔

علماء میں بگاڑ آتا ہے تو وہ یہود کے نقش قدم پر جاتے ہیں۔ جحود واستکبار میں مبتلا ہوتے ہیں اور عباد وزہاد میں بگاڑ آتا ہے تو وہ نصاریٰ کے نقش قدم پر چلتے ہیں تو وہ بدعات اور منکرات میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اہل حق کی پہچان

اہل حق کون ہیں؟ وہ ہیں جو نہ متکبر نہ ذلیل النفس ہیں۔ بل کہ وقور النفس اور متواضع النفس ہیں۔ وہ درمیان میں ہیں۔ جو کہ اہل سنت والجماعت ہیں جن کے ایک ہاتھ میں کتاب اللہ کا دامن ہے اور ایک ہاتھ میں اہل اللہ کا دامن ہے۔ نہ وہ کتاب اللہ کو تھام کر اہل اللہ سے مستغنی بنتے ہیں اور نہ اہل اللہ کا دامن سنبھال کر کتاب اللہ سے مستغنی بنتے ہیں علم وہاں سے حاصل کرتے ہیں، عمل اور عمل کے نمونے یہاں سے حاصل کرتے ہیں۔ تو وہ ٹھیک صراط مستقیم پر قائم ہیں نہ افراط میں مبتلا ہیں نہ تفریط میں۔

تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قلب سلیم وہ ہے جو نہ افراط میں ہو نہ تفریط میں قلب سلیم وہ ہے جس میں نہ غرور ہو نہ ذلت نفس ہو۔ وہ قلب صحیح معنوں میں بدن کے اوپر حکومت کرے گا اور تمام اعضاء کو سیدھا چلائے گا۔ تو آپ جب کہ پورے عالم کا قلب ہیں۔ اور حق تعالیٰ نے آپ کو علم بھی دیا ہے اور علم کے ساتھ تواضع بھی دی ہے نیک مزاج شخصیتیں بھی دیں کہ آپ ان کا دامن پکڑیں۔ اپنی پاک کتاب اور سنت رسول بھی کہ اس کا دامن سنبھالیں تو اس دولت عظیم کے

آ جانے کے بعد پھر غیر کی دولت کی طرف متوجہ ہوکر آپ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھیں کہ ہمارے پاس پیسہ نہیں ہمارے پاس یہ نہیں ہمارے پاس وہ نہیں، کل کو کیا کریں گے؟ یہ علم کی انتہائی توہین ہے، مقام علم کی بھی انتہائی توہین ہے، آپ کو اپنا مقام سمجھ لینا چاہیے اور یہ بھی کہ آپ کی حیثیت دنیا میں ہاتھ پیر کی نہیں اور نہ ہی آپ دنیا کے کان، ناک، آنکھ ہیں بل کہ پورے عالم کے قلب ہیں۔

تھوڑا علم ''عبدیت'' کے ساتھ دوگنا اور مقبول ہوجاتا ہے

اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ پورے وقار کے ساتھ پوری ریاضت کے ساتھ اور پوری محنت کے ساتھ اپنے علم کے اندر متوجہ رہیں۔ پورے ادب کے ساتھ اپنے علم کو سیکھیں۔ اس واسطے کہ بے ادب آدمی کو علم حاصل نہیں ہوتا طالب کو علم حاصل ہوتا ہے جو استاذ کی شان میں گستاخ ہوگا ہمیشہ علم سے محروم رہے گا جو متواضع ہوگا اگرچہ محنت بھی نہ کرے، محروم نہیں ہوسکتا، دارالعلوم میں بہت سی نظیریں ہمارے سامنے ہیں خود ہمارے ہم جماعت ہیں کوئی محنت نہیں کی ہمیشہ امتحانات میں فیل رہے مگر عقیدت و نیازمندی سے اساتذہ کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اچھے اچھے ذی استعداد طالب علم وہ کام نہیں کررہے جو وہ قلیل الاستعداد مخلوق کی اصلاح کررہے ہیں کچھ دعائیں ساتھ ہوجاتی ہیں کچھ برکتیں ساتھ ہوجاتی ہیں تھوڑا کم بھی بہت ہوجاتا ہے تو عبدیت کے ساتھ وہ دگنا نظر آتا ہے اس کا کام دگنا ہوجاتا ہے اس سے نفع زیادہ ہوجاتا ہے۔

اس لیے کہ دنیا میں کام قابلیت سے نہیں چلتا بل کہ مقبولیت سے چلتا ہے آپ اگر سرے سے قابلیت کے پیچھے لگ جائیں اور مقبولیت کے اسباب ترک کردیں گے

کبھی دنیا میں نتیجہ خیز کام نہیں کریں گے، قابلیت زیادہ سے زیادہ کتابیں دیکھنے سے آجائے گی اور مقبولیت اخلاق کی اصلاح اعمال کی اصلاح توجہ الی اللہ اور انابت الی اللہ سے پیدا ہوگی ۔ اور مقبول بن کر آدمی جو کام کرے گا وہ مقبول بنے گا جو نقل وحرکت کرے گا مقبول ہوگی ۔ خاصانِ حق کی سب چیزیں مقبول ہوتی ہیں اور وہ ہزاروں برکات کا ذریعہ بن جاتی ہیں ۔

مقرّبین کی لغزش بھی ہزاروں برکات کا پیش خیمہ ہوتی ہے

حضرت آدم علیہ السلام کو آپ کہتے ہیں کہ ذراسی لغزش ہوگئی مگر وہ لغزش اور وہی غلطی ہزاروں برکات کا پیش خیمہ بن گئی تو:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر	گرچہ ماند در نوشتن شیر وشیر

اہل اللہ کی غلطی اور لغزش بھی ہماری ہزاروں طاعات سے کہیں بہتر اور افضل ہوتی ہے جناب نبی کریم ﷺ کی لیلۃ التعریس میں آنکھ نہ کھلی اور نماز قضا ہوگئی تو بظاہر ادا کے مقابلہ میں لغزش معلوم ہوتی ہے لیکن اگر یہ نہ سرزد ہوتی تو قضا کے سینکڑوں علوم واحکام اور قضا کی برکات مخفی رہ جاتے ۔ ہمارے سامنے کوئی اسوہ نہ آتا تو بہر حال اہل اللہ کاملین مقبولین بارگاہ خداوندی ہیں ان کی اگر لغزش بھی ہو وہ بھی ہزاروں برکتوں کا پیش خیمہ ہے تو آدمی خود مقبول بن جائے ایک ایک فعل کو مقبول بنانے کی کوشش نہ کرے ۔ خود مقبول بننے کی کوشش کرے ۔

اسبابِ مقبولیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے

تو زیادہ تر طلبہ قابلیت کے پیدا کرنے میں مبتلا رہتے ہیں میں اس سے انکار نہیں کرتا میں یہ نہیں کہتا کہ آج سے آپ مطالعہ چھوڑ دیجیے، کتابیں نہ دیکھئے، تکرار ختم

کر دیجیے، یہ سب کچھ ہو مگر یہ اسباب ؛ قابلیت پیدا کرنے کے ہیں اس کے ساتھ وہ اسباب بھی پیدا کیجیے جن سے مقبولیت بھی پیدا ہو، ادب اور اپنے اخلاق کی درستگی، اپنے اساتذہ کی اطاعت اور ساتھ ساتھ اپنے قلب کے اندر غناء اور استغناء جو علم کا خاص وصف ہے وہ پیدا کرنا ہوگا۔ اس صورت کے پیدا ہو جانے کے بعد اگر من بھر علم ہوگا تو دس من ہو کے نمایا ہوگا۔

اور جناب نبی کریم ﷺ کی خاص شان استغناء ہے تبلیغ کے لیے جاتے ہیں تو فرماتے ہیں بل کہ عمل ہی نہیں حکم بھی ہے کہ آپ کہہ دیجیے۔ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ (سورۂ شعراء ۱۰۹)

آپ تو اس پر عمل کرتے ہی ہیں کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر پھر بھی کہلا یا گیا کہ اس مقام کا تقاضا یہ ہے اور اس مقام کی معرفت اور پہچان یہی ہے کہ اعلان کیا جائے کہ ہم تم سے پیسے کے طالب نہیں ہیں۔ ہم تم سے محنت اور خدمت کے طالب نہیں ہیں۔ تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیسہ بھی آتا ہے اور خدمت بھی ہو جاتی ہے تو اپنے اندر استغنا پیدا کیا جائے تأدب پیدا کیا جائے اور اطاعت کی خو ڈالی جائے سرکشی نہ پیدا کی جائے، سرنگونی پیدا کی جائے۔

ہم خاکی النسل ہیں تو خاک بن کر رہیں

اس لیے کہ جب ہم خاک ہیں..... سب خاکی النسل ہیں خاک کا کام یہ نہیں ہے کہ آسمان میں جا کے اڑے۔ وہ تو پامال رہے گی تب ہی اچھی رہے گی اگر خاک اڑ کے چلی تو جس پہ گرے گی لوگ دامن جھڑک دیں گے جس آنکھ پہ گرے گی لوگ لعنت بھیجیں گے لیکن اگر جوتوں میں پامال رہے گی تو اس کے اوپر تیمّم کریں گے۔

طاہر ہی نہیں بل کہ مطہر بھی سمجھیں گے تو خاک کا کام یہ ہے کہ وہ خاک بن کر رہے۔ اگر آتشی بن کر رہے گی تو اس نے اپنا نسب نامہ ابلیس سے ملا دیا ابلیس نے کہا تھا کہ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ...... تو ہم تو اولاد آدم ہیں، ابلیس کی اولاد نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ابلیس کے خصائل اختیار کریں آگ بن کے رہیں، خاک بن کے نہ رہیں اور جب خاک بن کے رہیں گے تو خاک وہ چیز ہے کہ پھول پھل اسی سے اُگتے ہیں دنیا میں باغ و بہار کی رونق اسی سے ہے۔ آج تک آگ نے کسی درخت کو نہیں اُگایا۔ آج تک کسی آگ کے اندر سے کوئی دریا نہیں نکلا یہ کام مٹی کا ہے کہ خشکی بھی پیدا کرتی ہے پھول پھل پیدا کرتی ہے سکون بھی پیدا کرتی ہے۔ ہاں آگ کو خادم کی حیثیت سے وقتاً فوقتاً استعمال کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر حدود سے گزرتی ہے تو لوگ اس کو بجھانے کی فکر کرتے ہیں کہ اس کم بخت کے اوپر پانی ڈالو ورنہ یہ تو جلا ڈالے گی۔ تو بہر حال جب ہم خاکی الاصل ہیں تو ہمارا کام خاک بن کے رہنا ہے اور خاک بن کر رہنے کے معنی تأدب اور ادب مع اللہ ہی ہیں۔

اہل علم اور ان کی ذمہ داریاں

تو یہ چند کلمات آپ کے سامنے جرأت کر کے میں نے اس لیے عرض کر دیے کہ آپ حضرات کا مقام بہت بلند و بالا اور بہت ہی اونچا ہے۔ آپ اللہ کا جتنا شکر کریں کم ہے کہ آپ کو ایسا رفیع مقام عطا کیا ہے۔

مگر یاد رہے کہ جتنا بڑا اور رفیع مقام ہوتا ہے اس کے حقوق بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں اس کے واجبات بھی اتنے ہی ہوتے، لیکن جب آ گئے ہیں تو حق ادا کرنا پڑے گا۔

حافظ ضامن شہیدؒ جو ہمارے اکابر میں سے ہیں اور شاملی کے میدان میں امیر جہاد تھے اور جھنڈا بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔ان سے کسی نے کہا کہ حضرت میں اپنے بچے کو قرآن حفظ کرانا چاہتا ہوں،تو ہنس کر فرمایا کہ کیوں.....؟ یعنی عمر بھر کی بیماری اس کو کیوں لگاتا ہے اس لیے کہ قرآن یاد کرائے گا تو عمر بھر لازم ہو جائے گا کہ یہ اس کو پڑھتا رہے یاد کرتا رہے۔بھولا تو آخرت میں اس پہ مصیبت آئے گی۔تو یہ مطلب نہیں تھا کہ قرآن حفظ نہ کرو۔بل کہ مطلب یہ تھا کہ جب قرآن حفظ کر کے میدان میں آوگے تو اس کے حقوق بھی لازم ہو جائیں گے۔اس کی تلاوت بھی لازمی ہوگی اور اس کا تحفظ بھی۔

خدارا آپ اپنے مقام کو پہچانیں

اس بنا پر یا تو آپ اس میدان میں نہ آئے ہوتے اور جب آ گئے تو پھر اخلاقی جرأت سے کام لے کر اس مقام کے حقوق ادا کیجیے۔

حضرت خذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ جب ایران فتح ہوا۔تو بغداد تشریف لائے تو کھانا کھا رہے تھے۔ایک فارسی غلام کھڑا ہوا کھانا کھلا رہا تھا،تو ہاتھ سے لقمہ زمین پر گر پڑا تو آپ نے لقمہ اُٹھا کے مٹی جھاڑی اور صاف کر کے تناول فرمالیا۔اس غلام نے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ یہ متمدن ملک ہے فارسیوں کا ملک ہے یہ ایک لقمہ جو کہ گندہ ہو چکا تھا اور آپ نے اس کو اُٹھا کر کھالیا.....؟ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی.....بل کہ فرمایا اَاَتْرُكُ سُنَّةَ حَبِيْبِيْ لِهٰؤُلَاءِ الْحُمَقَاءَ ؟ کیا میں اپنے حبیب پاک کی سنت کو ان احمقوں کی وجہ سے چھوڑ دوں؟.....تو اس ایک سنت کی وہ عظمت تھی کہ پورے

تمدن کی وہ عظمت ان کے ذہن میں نہیں تھی۔ اس سنت کا وہ وقار ذہن میں تھا کہ پورے ایران اور خراسان کے تمدن کی کوئی پرواہ نہیں کی یعنی ملامت کرنے والے ملامت کریں ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہمیں اپنے حبیب پاک کی سنت درکار ہے۔

اس مقام کا حق یہ ہے کہ علم کی عظمت اور یقین پیدا ہو

تو جب تک یہ طمانینت اور اتنا اعتماد اور اتنا اطمینان سنت نبوی کے اوپر نہ ہو اس وقت تک ایک عالم نے اپنے مقام کو پہچانا ہی نہیں۔ اور نہ ہی وہ اپنے مقام کو برقرار رکھ سکا اس کا فرض ہے کہ ایک ایک سنت کی اتنی عظمت کرے کہ پوری دنیا ومافیہا کی اس کے قلب کے اندر وہ عظمت نہ ہو۔ پھر جاکے اس مقام کا حق ادا ہوگا۔

تو آپ ماشاء اللہ ان حقوق کو خوب سمجھتے ہیں۔ سب سے زیادہ سمجھتے ہیں، اساتذہ سامنے ہیں کتب سامنے ہیں۔ میری یہ ضرورت نہ تھی کہ میں اہل علم میں کھڑے ہوکر کچھ کہوں، لیکن بہرحال کہنے سننے کے لیے کوئی بڑا ہونا ضروری نہیں چھوٹا اپنے بڑوں سے کہہ سکتا ہے۔ ایک ناقص بھی تو ایک کامل کے سامنے کہہ سکتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ سے بڑا تو عالم بشریت اور عالم کائنات میں کوئی نہیں لیکن آپ مشورہ اپنے چھوٹوں سے بھی فرماتے ہیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے، بعض دفعہ رائے قبول بھی فرمالیتے ہیں۔ بعض دفعہ اس رائے کی توقیر بھی فرماتے ہیں۔ حالاں کہ آپ ﷺ صاحب وحی ہیں۔ اگر کسی سے مشورہ بھی نہ فرماتے تو کوئی ادنیٰ نقص اور کمی نہ رہتی۔ کیوں کہ آپ ﷺ صاحب وحی ہیں اور ملہم من اللہ ہیں۔ مگر تعلیم اور اُسوۂ حسنہ کے طور پر آپ نے چھوٹوں کو بھی موقع دیا کہ وہ بات کریں۔ ایک ناقص الاستعداد کو بھی علم دیا ہے کہ وہ ایک کامل الاستعداد کے سامنے اپنا خیال ظاہر کرے، قابل قبول ہو تو قبول کیا جائے۔ ناقابل قبول ہو تو منہ پر مارا جائے۔

حضرت حکیم الاسلام اوران کے شیخ

علامہ کشمیری کی غایت درجہ تواضع اور کسر نفسی

لیکن اگر وہ ناقل ہوتو ناقل کی بات تو ماننا ہی پڑے گی، ہاں اگر اپنی رائے ظاہر کرے تو حق ہے کہ آپ دیوار پہ دے ماریں۔لیکن اگر وہ نقل کرے کہ اللہ کے رسول نے یہ فرمایا۔ پھر تو اگر دیوار بھی نقل کرے گی تو اس کی بھی توقیر کرنی پڑے گی اگر چہ دیوار جمادات میں سے ہے اور آپ ماشاءاللہ انسانات میں سے ہیں۔اشرف المخلوقات میں سے ہیں لیکن اگر دیوار پر بھی نصیحت لکھی ہوئی ہوتو قبول کرنی پڑے گی جب کہ وہ نصیحت حق ہو.... تو آپ مجھے ایک دیوار ہی سمجھ لیجیے اور دیوار کیا سمجھ لیجیے ہم سب ہی واقعہ میں دیوار ہیں کیا ہمارا علم؟ کیا ہمارا فہم؟ کیا ہمارا عرفان؟ کوئی کچھ نہیں ہے۔سوائے اس کے کہ اپنے بزرگوں کا نام لیتے ہیں ان کے کچھ مقولے یاد ہیں وہ نقل کر لیتے ہیں۔

علامہ کشمیری کا مقولہ

ایک دفعہ ہمارے شیخ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحبؒ دارالعلوم کی مسجد میں وعظ فرما رہے ہیں۔تو محبت پیار میں طلبہ کو اکثر جاہلین فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا کہ: جاہلین! ہمیں تو روٹیاں بھی اس لیے ملتی ہیں کہ پیغمبر کے چند نام ہم نے یاد کر لیے ہیں انہیں کہتے رہتے ہیں اس کے طفیل میں ہمیں بھی روٹی ملتی رہتی ہے.... تو کیا ہمارا علم؟ کیا ہمارا فہم؟ صرف یہ کہ بزرگوں کے سنے سنائے کچھ مقالات یاد کر لیے کچھ انہوں نے کتابوں میں پڑھا دیا۔تو کچھ کلمات یاد ہو گئے،تو ہم ناقل محض

ہیں۔لیکن اگر نقل کے ساتھ کلام آئے گا تو وہ قابل عظمت ہوگا۔اس لیے نصیحت کے قبول کرنے میں بڑے چھوٹے کا فرق نہیں سمجھنا چاہیے۔

حق تعالیٰ شانہٗ آپ کو اور ہمیں اپنی مرضیات پر چلائے اور مقبولیت کے راستے عنایت فرمائے اور انجام بخیر فرمائے۔آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰه رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان......(۳۱)

اب تلک شاہد ہے جس پر کوہ فاراں کا سکوت
اے تغافل پیشہ! مجھ کو یاد وہ پیماں بھی ہے

آزادیٔ ہند اور علماء دیوبند

(بیان)

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس

مسلمانوں کے عیش وعشرت اور تنعم پسندی نے اور نفس پروری نے یہ دن دکھلائے ہیں جو آج آپ کے سامنے ہیں، اگر آپ کو کسی قابل بننا ہے، تو سوکھی کھاؤ، زمین پر لیٹو، اینٹیں سر کے نیچے رکھو اور اس طرح زندگی گذارو کہ اگر تم کو کوئی دولت مند، کوئی حکومت، کوئی طاقت خریدنا چاہے تو لات مار دو اور بھوکی زندگی گذارو، تب تو کچھ کر سکو گے۔

ورنہ جناب! ایمان بیچنا پڑے گا، ضمیر فروش ہونا پڑے گا، اور کچھ نہیں کر سکو گے۔

پیراگراف

از بیان حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

بزرگ ومحترم علماء کرام، اساتذۂ عظام، طلباء عزیز اور برادران محترم! یہ دارالعلوم اسلامیہ کا اجتماع ہے۔ ابھی محسوس ہوا کہ اس میں ابھی مدرسہ کی اور کاروائی بھی ہونی ہے۔ اس لیے وقت میں وسعت نہیں نہ خود میرے ہی وقت میں وسعت ہے اور نہ اس جلسہ کے دوسرے کاموں کی وجہ سے وقت میں وسعت ہے، وہ بھی ہونے ہیں...... پھر بھی کچھ باتیں آپ حضرات کے سامنے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

شاہ ولی اللہ کی خدمات اور ان کا صلہ

میرے محترم بزرگو اور دوستو! آپ نے بار بار سنا ہوگا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آخری دور میں ــــ جب ''مغل سلطنت'' ظاہری طور پر اور ''مسلمان'' معنوی طور پر زوال پذیر تھے، رسوم، جہالت، اور عدم علم اور کتاب وسنت سے بے تعلقی عام ہو چکی تھی، کوئی ایک حلقۂ درس نہیں تھا جہاں کتاب وسنت کی تعلیم ہو ــــ حرمین شریفین کا سفر کیا، علوم کو حاصل کیا اور ہندوستان واپس آ کر کتاب وسنت کے درس کے حلقے قائم کئے، جو لوگ بڑے بڑے منصوبوں پر جا چکے تھے اور اور بڑے بڑے القاب ان کے نام کے ساتھ استعمال ہوتے تھے اور معنوی لحاظ سے بالکل جاہل تھے۔ انہوں نے مقابلہ کیا۔ اپنا زوال دیکھا اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر قرآن کریم کے ترجمہ کرنے کی وجہ سے تکفیر کے

فتوے لگائے گئے ۔اور یہ علت بتائی گئی کہ انہوں نے اللہ کے کلام کو اس بازاری زبان میں جس میں لوگ گالیاں بھی دیتے ہیں ترجمہ کر کے قرآن کریم کی اہانت کی ہے اور یہ کافر ہیں، ان کو قتل کر دو۔ مسجد گھیر لی گئی اور بہ مشکل تمام بچے ۔اسی طرح اور الزام دیئے جاتے تھے۔

آزادئ ہند کا سنگ بنیاد

ان کے بعد ان کے صاحب زادے اور ان کے جانشین شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی مشن پر قائم رہے۔اور کتاب وسنت کے علوم کو پھیلاتے رہے...... انہی کے زمانے میں لال قلعہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی سازش سے یہ اعلان کیا گیا کہ خلقت خدا کی، ملک بادشاہ کا، اور حکم کمپنی بہادر کا۔

اس وقت سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان کیا کہ ہندوستان دارالحرب ہو گیا مسافر پردیسی تجارت کے نام پر اپنے مکر اور تدبیروں سے ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس کو آزاد کرائیں۔

پہلا جہادِ آزادی

چنانچہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے سارے ملک کا دورہ کیا۔ مرکز قائم کئے، ہتھیار جمع کئے۔فنڈ اکٹھا کیا۔ رضا کار مہیا کئے اور سب سے پہلا جہادِ آزادی لڑ کر جام شہادت نوش کیا۔

دوسرا جہادِ آزادی

دوسرا جہادِ آزادی جو مذہبی طبقے اور علماء کی جدوجہد ہے وہ ۱۸۵۷ء کا جہادِ

آزادی ہے۔ سارے ملک نے اس میں شرکت کی، بیسیوں لاکھ مسلمانوں نے اس میں شرکت کی۔ لاکھوں مسلمان شہید ہوئے اور ہندوستان کی آزادی قریب تر تھی کہ پھر انگریز کا قبضہ ہو گیا...... ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ حکم جاری کر دیا کہ۔

کوئی مولوی جہاں ملے قتل کر دیا جائے..... اور مولوی کی پہچان یہ بتائی کہ جس کے منہ پر ڈاڑھی ہو، لانبا کرتہ ہو بس یہ کافی ہے، کوئی مقدمہ کوئی ثبوت کچھ ضرورت نہیں، پکڑو اور مار ڈالو۔

دو ہفتے تک پورے ہندوستان میں انگریزوں کا حملہ رہا کہ علماء کو پکڑ پکڑ کر پھانسیاں اور گولیاں لگاتا رہا۔ پچاسوں ہزار علماء مارے گئے، دہلی جیسے شہر میں تین تین دن تک گھومنے کے باوجود میراث کا مسئلہ بتانے والا کوئی نہیں ملتا تھا، دیہاتوں میں بیسیوں لوگ لاشیں لیے پھرتے تھے، کوئی جنازے کی نماز پڑھانے والا نہیں ملتا تھا، کوئی پڑھا دے پڑھا دے نہ پڑھا دے نہ پڑھا دے۔

قیام دارالعلوم کا پس منظر

اس طریقے سے اسلام بے سہارا اور مسلمان ضائع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدوں کے گروہ میں سے چند مجاہدین اور علماء کو اس فتنے سے محفوظ رکھا اور انہوں نے آقائے نامدار نبی کریم ﷺ کے حکم سے مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ اللہ کے دین کو زندہ رکھنے کے لیے مدارس کی چھاؤنیاں قائم کی جائیں اور دارالعلوم دیوبند اسی سلسلے کا مدرسہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بقا کا سامان کر دیا۔

چرچ تحریک اور اس کی ناکامی

اس وقت انگریزوں نے ان کو ناکام کرنے کی کوشش شروع کی، پادری بلائے

گئے یہاں ''چرچ تحریک'' شروع ہوئی، ملازمتیں روپیہ پیسہ، جائداد اور ہر قسم کا لالچ اور ہر قسم کی سختی بھی شروع کی۔

چنانچہ مولانا رحمت اللہ صاحب جو کیرانہ میں رہتے تھے، کیرانہ یوپی کا ایک قصبہ ہے،........ اور آگرہ یوپی کا دارالسلطنت تھا اور وہاں گورنر رہتا تھا وہاں ایک پادری پنڈت تین دن سے چیلنج کر رہا تھا جو اللہ، نبی کریم ﷺ اور قرآنِ کریم سب کے متعلق ہفوات بک رہا تھا، کسی کی ہمت نہیں تھی کہ مقابلے میں جائے، آخر مولانا سے برداشت نہیں ہوا، مولاناؒ آئے اور مناظرہ ہوا، اس کو شکست ہوئی اور وہ بھاگا، اور گورنر کے پاس گیا اور جا کر اس نے کہا کہ ایک مولوی ابھی زندہ ہے، اگر یہ رہے گا تو یہاں مسلمانوں کو عیسائی نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لیے جس قیمت پہ ہو اس کو پھانسی دے دی جائے۔

اس کے مطالبے پر گورنر نے حکم جاری کر دیا کہ مولانا رحمت اللہ صاحب کو پکڑ کر پھانسی دے دی جائے..... کوئی بغاوت نہیں تھی، کوئی جرم نہیں تھا، صرف یہ کہ انہوں نے اسلام، اللہ اور اس کے رسول کے متعلق بدتمیزی اور اتہامات کو برداشت نہ کر کے مدافعت کی۔

اتفاق سے..... مسلمان تھا۔ اس کو وہ حکم شام کو ملا، اس نے اسے دبا لیا، اس وقت اس کو جاری نہیں کیا، اور مسلمانوں سے کہا کہ دیکھو بھائی! کوئی مولانا رحمت اللہ یہاں آیا ہوا ہے، صبح اس کو پھانسی دے دی جائے گی، اگر اس کو بچانا چاہتے ہو تو راتوں رات غائب کرو..... چنانچہ اطلاع ملتے ہی مسلمانوں نے مولانا کو یہاں سے غائب کیا اور پھر مولانا ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ چلے گئے مدرسہ صولتیہ قائم کیا اور آج تک ان کا خاندان وہیں ہے۔

پنڈت راتوں رات بھاگ گیا

یہی پنڈت کسی طریقے سے استنبول پہنچا، وہاں علماء کو پریشانی ہوئی خلیفۂ وقت نے حرمین اطلاع دی اور وہاں مشورہ ہوا، مولانا نے کہا کہ اس پادری کے ساتھ میرا مناظرہ ہو چکا ہے، میں اس کو ہرا چکا ہوں، اگر کوئی انتظام ہو جائے تو میں تیار ہوں۔

چنانچہ مولانا وہاں سے روانہ ہوئے اور اس کو اطلاع ہوگئی اور یہ راتوں رات وہاں سے غائب ہوگیا..... لیکن وہاں دربار قائم ہوا، اور پھر مناظرہ کی تمام تفصیلات ،اعتراضات وجوہات وغیرہ جو سب علماء ترکی جمع ہوئے تھے ان کے سامنے آئیں اور اس کے بعد خلیفۂ وقت کی طرف سے اصرار ہوا کہ ان تمام تفصیلات کو مرتب کر دیا جائے ،تاکہ تمام دنیا عیسائیت کے رد میں ان سے کام لے۔

ردعیسائیت میں بے مثال کتاب

چنانچہ مولانا نے ''اظہار الحق'' کے نام سے رسالہ مرتب کیا، آپ کے کراچی ہی سے اس کو دوبارہ ''بائبل سے قرآن تک'' کے نام سے شائع کیا گیا..... غرض اللہ نے فضل کیا اور اس مکتبِ فکر دارالعلوم، مظاہر العلوم، مدرسہ شاہی اور امروہہ وغیرہ کو اللہ تعالی نے اس طرح قبول کیا کہ

آج سارے عالم میں جہاں بھی اسلامی کوئی بھی خدمت ہو رہی ہے، آپ کے دیوبند کے فیض یافتہ بلاواسطہ یا بالواسطہ اس میں ملیں گے، اور کوئی تحریک ایسی نہیں ہے جس میں دارالعلوم کا کوئی دخل یا اثر نہ ہو، اور اس میں دارالعلوم کے فیض یافتہ لوگ موجود نہ ہوں، اور یہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے۔

جہادِ آزادئ ہند کا تیسرا مرحلہ

تیسری تحریک ہندوستان کی آزادی کی، وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی تحریک تھی، جس کو انگریزوں نے ''ریشمی رومال'' کے نام سے مشہور کیا...... حضرت شیخ الہندؒ نے سارے ہندوستان مراکز قائم کئے تھے اور اپنے بعض معتمد حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ مولانا منصور انصاری رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کو ملک سے باہر بھیجا۔

حضرت شیخ الہند کا سفر حجاز

سب سے پہلی آزاد حکومت کابل میں ان حضرات نے قائم کی۔ اور اس نے افغانستان، ترکی، جرمنی اور روس وغیرہ سے تعلقات قائم کئے تا کہ ہتھیار باہر سے منگوائے جائیں، آزاد قبائل کے نوجوانوں کو تربیت دی جائے اور باہر سے حملہ کر کے اور اندر بغاوت کر کے ملک کو آزاد کرایا جائے۔

اسی لیے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حرم مدینہ (زادھا اللہ شرفاً وکرامۃً) میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ جہاں سبق پڑھاتے تھے۔ کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کا حلقۂ درس اس وقت سب سے بڑا تھا چنانچہ انہوں نے استقبال کیا اور ان کے ساتھ مدینہ طیبہ کے چالیس ہزار باشندوں نے باہر نکل کر حضرت شیخ الہندؒ کا استقبال کیا کہ ''ہندی شیخ کے شیخ آئے''

وہیں قیام رہا اور تمام علماء روزانہ آتے اور علمی استفادہ کرتے، انہی کے ذریعہ سے امیر مدینہ جمال پاشا اور انور پاشا وغیرہ سے ملاقاتیں ہوئیں اور تفصیلی بحث ہوئی۔ وثیقے وغیرہ لیے گئے اور اس طرح طے ہوا کہ حج کے بعد ترکی جائیں گے اور

وہاں سے افغانستان پہنچنے کی کوشش کریں گے، اور پھر آئندہ اقدام کیا جائے گا۔
لیکن اس سے پہلے ہی شریف حسین (مکہ مکرمہ کے گورنر) نے بغاوت کردی اور ترکوں کا قبضہ ختم ہوگیا۔ انگریز کی مدد سے شریف حسین کی حکومت قائم ہوئی اور انگریز نے اس سے فوراً مطالبہ کیا کہ

حضرت شیخ الہند کی گرفتاری

ہمارے باغی یہاں آئے ہوئے ہیں۔ انہیں گرفتار کر کے ہمیں دو۔ یہاں کوئی بات نہیں تھی۔ کیسے گرفتار کرے؟ تو شریف حسین نے یہ بہانہ کیا کہ ایک استفتاء پیش کیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ ترکی باغی ہے، ان کا قتل جائز ہے۔
حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ فتویٰ بالکل جھوٹا ہے..... اس قسم کے علماء (غیر معتبر) ہمیشہ الٹے سیدھے فتوے بدقسمتی سے دیتے رہے۔ دین و استفتاء کی توہین کرتے رہے..... چنانچہ اس کو بھیج دیا اور کہا کہ ترکی مسلمان ہے، مخلص ہے دیندار ہے، اور ان کے خلاف کسی قسم کا حرف لکھنا جائز نہیں حرام ہے۔

حضرت مدنی کی اپنے شیخ پر فدائیت

اسی الزام میں ”بہانہ بنا کر“ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اور جو لوگ ان کے مطلوب تھے۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا.... حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا نام اس فہرست میں نہیں تھا۔ ہندوستان سے ان کا تعلق نہیں تھا۔ وہ مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ اس لیے گورنمنٹ برطانیہ کو ان کی ضرورت نہیں تھی.... لیکن حضرتؒ کو یہ بات شاق تھی کہ ایسے وقت میں جب کہ یقینی ہے کہ حضرت رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں کو پھانسیاں دی جائیں گی۔ انگریز مانگ رہا ہے اور انہیں لے جا رہا ہے گرفتار ہو چکے ہیں۔

میں بچ جاؤں، زندہ رہوں اور میرے شیخ کو پھانسی دے دی جائے، یہ کیسے برداشت ہو.....؟

شیخ الاسلام حضرت مدنی کی گرفتاری

چنانچہ کوئی صورت نہیں تھی تو مکہ کے بااثر لوگوں کے وفود ''خوشامد'' کر کے تیار کئے کہ آپ لوگ جائیے اور جا کر سمجھائیے کہ اتنی بڑی عالمی شخصیت کو گرفتار کرنا اور اس کے حجاز میں بااثر شاگرد کو جس کا حرم میں سب سے بڑا حلقۂ درس ہے، اس کو چھوڑ دینا یہ انگریز کے لیے اور حکومت شریف حسین کے لیے موت کا پیغام ہوگا۔ اس کا رہنا یہاں ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے اگر استاذ کو گرفتار کیا تو شاگرد کو بھی گرفتار کرو، اگر ان کو چھوڑ دو گے تو تمہاری خیریت نہیں ہے..... لوگ تیار نہیں ہوتے تھے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، آپ کیوں زبردستی جانا چاہتے ہیں، اور وہ تمام آیات واحادیث کہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے وغیرہ ساری نصیحتیں یاد کرائیں..... مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کسی چیز کو نہیں سنا، فرمایا نہیں آپ جائیے، میں یہ بات برداشت نہیں کرسکتا۔ مجھ کو ساتھ رہنا ہے، جو بھی کچھ ہو ساتھ ہو چنانچہ جدہ میں جا کر بڑی کوششوں کے بعد بمشکل گرفتار لوگوں میں شامل ہوئے اور جیزہ میں یہ حضرات لے جائے گئے۔

مالٹا کی نظر بندی

چنانچہ فوجی عدالت میں قاہرہ کے قریب جیزہ میں کیس ہوا۔ ایک مہینہ تک ٹرائل ہوتی رہی۔ مگر وہ فائل جو برٹش انکوائر نے پھانسیاں دینے کے لیے تیار کر کے بھیجے تھے۔ خدا جانے کیسے ہوا کوئی اقرار یا ثبوت جرائم کا نہیں کرا سکے۔ آخر مجبور ہوئے۔ اور ان حضرات کو مالٹا میں نظر بند کر دیا گیا۔

مالٹا میں تمام دنیا کے انگریزوں کے بڑے بڑے سیاسی اور فوجی مخالفین نظر بند تھے اور یہ سب جمع ہوا کرتے تھے۔ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس کا مرکز بن چکے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے۔

ہندی شیخ! ایک ہندوستان کی غلامی کی وجہ سے کروڑوں انسان و مسلمان اور پچاسوں ملک آج غلامی کی زندگی پر مجبور ہیں اور انگریز کا طوطی پورے عالم میں بول رہا ہے۔ اگر ایک ہندوستان آزاد ہو جائے تو کروڑوں انسان آزاد ہوں، مسلمان آزاد ہوں، پچاسوں اسلامی مملکتیں وجود میں آجائیں اور آزاد ہوں اس لیے کسی طرح ہندوستان آزاد کراؤ۔

بڑے مشورے اور غور وفکر کے بعد یہ طے ہوا کہ:

اگر ہندوستان آزاد کرانا ہے جس کی آزادی پر سارے عالمِ اسلام کی آزادی منحصر ہے، تو پھر ہندوستان کے سارے باشندوں کو آزادی کے لیے کھڑا ہونا پڑے گا اور تیار کرنا ہوگا جب تک سارا ملک یہ نہ کہے کہ "نکل جاؤ! کالا منہ کرو" تب تک انگریز نہیں جائے گا۔

ہندوستان روانگی اور انگریز کا دامِ فریب

چنانچہ ساڑھے چار سال کے بعد جب حضرت مولانا شیخ الہندؒ اور ان کے ساتھیوں کی رہائی ہوئی اور اسٹیمر سے بمبئی کے لیے روانگی ہوئی اور ہندوستان خبر پہنچی تو سارا ملک بمبئی اُمنڈ آیا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے جہاز کو سمندر میں روکا گیا اور وائسرائے کی طرف سے بھاولپور کے وزیر ملاقات کے لیے سمندر میں جہاز پر گئے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ محبت، عقیدت اور تعلق جو تھا۔ اس کا اظہار کیا۔ اس کے

بعد درخواست کی کہ:

حضور! آپ ضعیف ہوگئے، مریض ہیں قویٰ میں طاقت نہیں، مصائب کے پہاڑ ٹوٹے، اور اس وقت ہندوستان کے تمام حلقے، اسلامی ذہن رکھنے والے سارے لوگ سب کا مرجع آپ ہیں سلوک وتصوف میں خانقاہوں والے سب کچھ چھوڑ کر آپ سے استفادہ کے لیے آنا چاہتے ہیں۔ حدیث میں محدثین اپنا حلقۂ درس چھوڑ کر آپ کے درس میں آنا چاہتے ہیں۔ خدام موجود ہیں۔ سارے انتظامات کریں گے۔ آپ یکسوئی کے ساتھ مسلمانوں کو ان دونوں لائنوں میں فائدہ پہنچائیں اور ایک جگہ آرام سے تشریف رکھیں۔

یہ ایک مخصوص تقریر مدلل، مرصع، مسجع اور ہمدردی سے بھری ہوئی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کی گئی..... حضرت شیخ الہندؒ نے ساری بات سنی اور کہا۔

بھاولپور کے وزیر کی ہمدردی اور شیخ الہند کا جواب

سرصاحب! جو غم میری ہڈیوں کو پگھلا رہا ہے اور جو عزم مجھے اس حالت میں ہندوستان لے کر جا رہا ہے۔ وہ صرف ایک ہے کہ ہندوستان کی سرزمین میں پہنچ کر ہر ہندوستانی سے کہوں کہ انگریز کا نکالو انگریز کو نکالو..... اگر میں چلنے کی طاقت نہیں رکھوں گا تو اپنے مریدوں اور شاگردوں سے کہوں گا کہ میری چارپائی کندھوں پر اُٹھاؤ اور گاؤں گاؤں لے چلو۔ اور ہندوستان کے گاؤں گاؤں پہنچ کر کہوں گا کہ انگریز کو نکالو انگریز کو نکالو...... یہی میرا ایک کام ہے، جس کے لیے میں آخری سانس تک کام کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ حرمین شریفین آزاد ہوں۔ یہ اسلام کا نمبر اول دشمن، ساری دنیا میں اس کا منہ کالا ہو جائے۔ اس کے لیے میں جا رہا ہوں۔ آپ کی بہت مہربانی اور شکریہ میں بہت شکر گذار ہوں لیکن کوئی دوسرا کام نہیں۔ میں اسی کام کے لیے جا رہا ہوں۔

خلافت ہاؤس میں آئندہ لائحہ عمل کے لیے مشورہ

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اترے، اور تمام ہندوستان کے لوگ وہاں جمع تھے۔اس زمانے کے اعتبار سے بے مثال استقبال تھا۔خلافت کمیٹی کے خلافت ہاؤس میں جمع ہوئے اور مشورہ شروع ہوا۔ بے مثال استقبال تھا۔خلافت کمیٹی کے خلافت ہاؤس میں جمع ہوئے اور مشورہ شروع ہوا۔کہ یہ سب کچھ ہوا۔اب کیا کرنا ہے؟

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے مہینوں غور وفکر کے بعد یہ طے کیا ہے کہ ہندو ہمارے ملک کی اکثریت ہے۔انگریز کی گود میں بیٹھی ہے۔وہ کھا جائے گا۔ہمیں باقی رکھو۔اور ہمارے باقی رہنے کے نتیجے میں تمہاری حفاظت اور تمہارا وجود باقی رہے گا۔اس لیے وہ انہیں ''مائی باپ'' کہتے تھے۔اور سمجھتے تھے کہ انگریز رہے تو ہم رہیں گے۔ورنہ ہم ختم ہوجائیں گے.....اس لیے کسی طرح یہ غلط فہمی دور ہو۔مشترک پلیٹ فارم بنے۔مشترک لیڈرشپ ہو جس کے اوپر یہ لوگ بھروسہ کریں اور ملک کی آزادی کی تحریک میں شریک ہوں تنہا مسلمان قربانیاں دیتے رہے اور آج تک کامیاب نہ ہوئے۔سارے ملک والے شریک ہوں، ملک کی اکثریت غلامی سے نکلے اور ملک کی آزادی کا بیڑہ اُٹھایا جائے اور کامیابی ہو۔

چنانچہ اسی پر فیصلہ ہوا۔اور یہ بات ہونے لگی کہ ''کس کو بنایا جائے؟'' کسی غیر مسلم کو اس تحریک کے لیے لیڈر بنانا ہے تو وہ کون ہو؟ حاضرین نے بڑے بڑے برہمنوں کے نام لیے۔

حضرت شیخ الہند کی رائے

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سارے نام برہمن ہیں اور

برہمنوں کو اپنی قیادت اور سیادت کا دعویٰ ہے۔ اگر ان کو فائز کرو گے اور لیڈر مانو گے تو کام تو ہو گا۔ لیکن وہ کبھی تمہارے احسان مند نہیں ہوں گے ہم تو تھے ہی، تم نے بنایا تو کیا ہو گیا؟

لیکن اگر کسی غیر برہمن کو لیڈر بناؤ تو اس کو ہندو سماج میں کوئی برا وقت آیا تو اس کے ذہن میں یہ احسان رہے گا کہ مسلمان اگر نہ بناتے تو میں نہ بنتا، اس قوم کے احسان سے مجھے عہدہ برآ ہونا چاہئے، اور اس کو بھولنا نہیں چاہیے کچھ نہ کچھ پاس لحاظ ضرور باقی رہے گا۔

چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ نے کہا کہ یہ نوجوان بیرسٹر مسٹر موہن داد گاندھی جو پڑھ کر آیا اور افریقہ سے نکالا گیا وہ بنیا ہے، اگر اس کو بنادو اور آپ لوگ پسند کرو تو کچھ نہ کچھ احساسِ احسان اس کے ذہن میں رہے گا۔ چنانچہ حضرتؒ کے نام پیش کرنے پر ''گاندھی جی'' کا نام طے ہوا، اور ان کو لیڈر شپ کے لیے کہہ دیا۔

آزادی ہند کے لیے مسلمانوں کے فنڈ کا خرچ

سوال یہ پیدا ہوا کہ ہندوؤں میں جہاں ملک کا دورہ کریں پیسہ کہاں سے آئے؟ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ:

بے شک یہ فنڈ مسلمانوں کا ہے لیکن ہندوستان کی آزادی جس طرح تمام ہندوستانی باشندوں کی ضرورت ہے اور ملک کی ضرورت ہے اسی طرح عالم اسلام کی ضرورت ہے، عالم اسلام میں جو تباہی و بربادی ہے اور اسلام دشمنوں کو جو خطرہ ہے اور ان کی جو سازشیں ہیں۔ یہ اس وقت تک ٹوٹ نہیں سکتیں جب تک ہندوستان آزاد نہ ہو۔ اور برطانیہ کا منہ کالا نہ ہو۔ اس لیے مسلمانوں کا فنڈ خرچ کرو تاکہ آزادی کا قافلہ بنے اور ملک کی آزادی سے عالم اسلام آزاد ہو..... چنانچہ برسہا

برس تک خالص مسلمانوں کے فنڈ سے خرچ کیا گیا۔

کانگریس پر قبضہ اور اس کی تطہیر

کانگریس ملک کی ایک ٹوڈی جماعت تھی جس کا کام انگریزوں کی خوشامد کرنا تھا اور اس کے گانے گانا تھا۔اس کے جلسے ہوتے تھے تو وائسرائے اور گورنر بلائے جاتے تھے۔ دو دو گھنٹے تک انتظار کرتے رہتے تھے۔ جب آتے تو ان کا ویلکم ہوتا تھا اور اس کے بعد وہ جھولی میں کچھ بھیک ڈال کر چلے جاتے تھے اور پھر شکریئے کے ریزولیشن پاس ہوتے تھے.....اس جماعت پر قبضہ کیا گیا۔ٹوڈی لوگوں کو نکالا گیا اور انقلابی بنایا گیا.....پھر برسہابرس تک ہندوستان میں ایک جماعت ہے ’’جمعیت علماء ہند‘‘ کبھی آپ نے نام سنا ہوگا۔ اس کے دفتر میں تجاویز مرتب ہوتی تھیں۔ مسودے لکھے جاتے تھے اور اس کے دفتر سے ڈاکٹر انصاری مرحوم اور حکیم اجمل خاں مرحوم ان مسودوں کو لے کر جاتے تھے اور جا کر کانگریس کے اجلاس میں ان کو منظور کرواتے تھے۔ برسہا برس تک ایک مقام ایک میدان ایک تاریخ میں ایک طرف کانگریس کا اجلاس ایک طرف جمعیت علماء کا اجلاس ایک طرف خلافت کمیٹی کا اجلاس .....اس طرح ہوا.....اس لیے نہیں کہ جمعیت علماء کو ضرورت تھی۔ بالکل غلط ہے۔

جمعیت علما کی حیثیت

جمعیت علماء اس وقت ایک لیڈر، ایک رہنما ایک قائد اور ایک ذہن ساز جماعت تھی۔ جو ملک بھر میں موجود تھی....اور ہر طبقۂ خیال کے مسلمان اسی نوئے فیصدی جمعیت علماء کے ساتھ تھے۔ان کا ایک بہت بڑا کردار تھا.....جمعیت علماء کو نہیں۔ کانگریس کو جو ٹوڈی سے انقلابی بن رہی تھی۔ جس کی جھولی میں کچھ نہیں تھا۔

بل کہ وزن ڈالا جارہا تھا۔ وہ اس کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔

گیارہ میں اجلاس ہوا۔ سوال یہ تھا کہ انگریزوں نے مجبور ہوکر کونسلری کا حق دیا ہے۔ کیوں کہ کونسلری میں ہندوستانی نہیں جاسکتے تھے۔ اس میں شرکت کی جائے یا نہ کی جائے۔ اس وقت جو کانگریس کے صدر تھے۔ انہوں نے یہ اعلان کیا کہ:

سب سے پہلے اس مسئلہ کا فیصلہ جمعیت علماء کرے گی اور جب جمعیت علماء فیصلہ کردے گی تب اے آئی سی سی کوئی فیصلہ کرے گی۔

آٹھ گھنٹے تک جمعیت علماء کی منتظمہ میں اس مسئلہ پر بحث ہوتی رہی اور پوری اے آئی سی سی ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھی رہی، تب انہوں نے فیصلہ کیا۔ میرا مقصد اور کچھ نہیں میں آپ کو کانگریس کے متعلق کوئی لفظ نہیں کہنا چاہتا۔ میرا کوئی منشا نہیں میں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ علماء حق اور علماء دین نے ہندوستان کو لیڈرشپ دی۔ بوریہ نشینوں نے تحریک آزادی پیدا کی مسلمانوں نے پیسہ دیا۔ مسلمانوں نے جان دی مسلمانوں نے خون دیا۔ اور اتنا خون دیا ہے کہ سارے ملک نے اتنا خون آزادی کے لیے نہیں دیا۔

آج کے ہندوستان میں مسلمان کی پوزیشن

اور الحمد للہ! اللہ کا فضل ہے کہ اسلام شاید ساری دنیا میں سب سے بہتر حالت میں ہندوستان میں ہے، میں اس کی تفصیل میں جاؤں تو بہت کچھ کہہ سکتا ہوں..... لیکن اس کا وقت نہیں۔ بہر حال اللہ کا یہ فضل ہے اور مسلمان برابر کا باعزت مقام رکھتا، غلام نہیں ہے۔ دستِ نگر نہیں ہے۔ اور الحمد للہ! ہندوستان میں مسلمان اس پوزیشن میں ہیں کہ فوج اور پولیس ہٹالی جائے، گھنٹوں لگیں گے اور ملک کا نقشہ بدل جائے گا..... اللہ کا فضل ہے۔

بے شک ہمارے پاس ایسے وسائل نہیں ہیں کہ ہم فوج اور پولیس سے ٹکر لے کر ملک میں انقلاب برپا کریں۔اس پوزیشن میں ہم نہیں ہیں۔لیکن الحمد للہ! اس پوزیشن میں ہیں اور اس بات کا اعتراف حکومت کے ہر فرد کو نیچے سے اوپر تک کو ہے کہ:

اگر مسلمان کسی وقت کھڑا ہو گیا اور فوج و پولیس کی مداخلت نہ ہوئی تو ملک بدل جائے گا، اور ملک اس حالت پر نہیں رہے گا جس پر ہے۔

اور اللہ کے فضل و کرم سے کوئی مقام؛ ملک کے اندر ایسا نہیں ہے کہ اگر پولیس کسی وقت ذرا سی بھی ڈھیل دے دے تو نقشہ نہ بدل جائے۔

کبھی کبھی کہیں کہیں پولیس تنگ آ جاتی ہے اور کوئی افسر اچھا ہوتا ہے تو وہ یہ کہہ دیتا ہے کہ تم اور مسلمان نمٹتے رہو تو سارے وہ ہاتھی جو اسلام اور مسلمان کے خلاف بکواس کرتے رہتے ہیں۔ بالکل گرد کی طرح نو دو گیارہ ہو جاتے ہیں۔کوئی سامنے نظر نہیں آتا۔

آزادی مسلمان کی مرہونِ منت ہے

بہر حال یہ میرا موضوع نہیں ہے...... لیکن میں آپ سے عرض کر رہا ہوں کہ اللہ کا فضل ہے کہ مسلمان ہیں اور بحمد للہ کوئی شخص ملک کے اندر یا کوئی جماعت ملک کے اندر ایسی نہیں ہے جس کا گریبان مسلمانوں کے ہاتھ سے اونچا ہو.... اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اتنا دراز ہاتھ دیا ہے کہ کوئی شخص کسی طرح .... اپوزیشن کا ہو یا حکومت کا ہو.... جب سامنے بیٹھتے ہیں تو ہم آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہیں اور ان کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ:

آزادی تمہاری مرہون منت ہے ہماری نہیں ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔

تحفظ اسلام کے سلسلہ میں جمعیت علماء کا کردار

میرے محترم بزرگو! میں شیخی بگھارنے نہیں کھڑا ہوا ہوں اور بہت سی باتیں ہیں، مرتدہ عورتیں، نیز دینی تعلیمی وغیرہ کہ سنہ ۴۸ء جیسے خونیں دور میں جمعیت علماء کے اکابر جمع ہوئے اور انہوں نے کہا کہ: اگر اگلی نسل کو مسلمان باقی رکھنا ہے، تو پھر مسلمانوں کا یہ بوجھ اٹھانا پڑے گا کہ چاہے بھوکے رہیں۔ لیکن اپنے بچوں کو اسلام سکھائیں۔ اسلام کی تعلیم ہر ہر مسلمان کو دینے کی کوشش کرنی ہوگی۔

چنانچہ اس تحریک کو قبولیت حاصل ہوئی۔ جمعیۃ علماء نے کورس بنایا۔ اساتذہ کی ٹریننگ کا کورس بنایا اور تنظیم قائم کی۔ سارے ملک میں بھرپور دورے اور بھرپور کوششیں ہوئیں۔ آج اللہ کا فضل ہے۔ ہندوستان میں گاؤں گاؤں پچاسوں ہزار مکتب قائم ہیں پچاسوں لاکھ بچے جو تقسیم سے پہلے تعلیم وعلم اور دین سے بالکل ناواقف تھے، گاؤں گاؤں دین کا علم حاصل کررہے ہیں۔ اگر کہیں چلتے چلتے جنگل اور پہاڑ میں اتفاق سے گاڑی روکی اور کسی مسجد میں یا کسی جگہ نماز کے لیے جانا ہوتا ہے تو اس گاؤں میں مسلمان دس بھی ہیں۔ میں تو خود دیکھتا ہوں اور جو چاہے جا کر دیکھ لے دس بیس، پانچ سات بچے مسجد میں مکتب میں چوپال میں درخت کے نیچے قرآن کریم، قاعدہ، سپارہ اور دین وعقائد پڑھتے ملیں گے۔ اللہ کا شکر ہے اور کوئی جماعت اس کے مقابلہ میں نہیں ہے۔

اسی طرح ابھی وقاف کے سلسلہ میں قانون بنا اور اس میں ترمیم ہوئی اور اس سے بھی مطمئن نہیں ہیں۔ ابھی اور مطالبہ کررہے ہیں..... اسی طرح فسادات میں اور دوسرے معاملات میں مسلمان اپنے مطالبات منواتے ہیں۔ ابھی بمبئی میں جمعیۃ

علماء کی ریلیف کمیٹی نے اجڑے ہوئے لوگوں کے لیے ایک سو تہتر چھوٹے چھوٹے پکے کمرے بنائے۔ اسی طرح اور جگہ بھی ہے۔

سرکاری زکوٰۃ مدارس کے لیے آگ کا کھیل

میرے محترم بزرگو! اسی طریقے سے بحمد اللہ کام ہو رہا ہے، اللہ کا یہ فضل ہے کہ ہمارے یہاں کے مدارس الگ ہیں۔ اور ان کی تعداد تقسیم سے پہلے کے مقابلہ میں کم سے کم دس بیس گنا ہوگئی ہے اور ہم لوگ سرکاری زکوٰۃ نہیں لیتے.... بل کہ سو فیصدی ''اللہ کا فضل ہے'' مسلمانوں کی امداد سے مدارس ہیں، بن رہے ہیں، چل رہے ہیں۔ اور ترقی کر رہے ہیں..... اور ابھی تک ہمارا رجحان یہی ہے کہ ڈگریوں کی منظوری کی ریل پیل اور دوڑ بھاگ میں مدارس کو شریک نہیں ہونا چاہیے۔

ہمارے ہاں کشمکش ہے اور ہم ان سے کہا کرتے ہیں کہ یہ میل کچیل اور یہ سود اور گندگی جب اپنے بچوں کے پیٹ میں اور مدرسین اپنے پیٹ میں بھریں گے۔ تو اس سے خیر نہیں ہوگی۔ اس سے دین نہیں ہوگا، بد دینی ہوگی۔ حق نہیں ہوگا ضمیر فروشی ہوگی اور اس ملک میں.... بل کہ ہم تو ساری دنیا کے لیے کہتے ہیں مگر ہندوستان جو ایک جمہوری ملک ہے اور آج تک جمہوریت قائم ہے خدا جانے کونسی پارٹی اور کون سا ذہن اقتدار پر آجائے۔ خدانخواستہ کمیونسٹ آجائیں۔ جن سنگھی آجائیں جو اسلام اور مسلمانوں کے زبردست دشمن ہیں۔ تو پھر کہاں تک ضمیر بیچتے جاؤ گے۔ کوئی حد نہیں ہے۔ چار ہوں اور حق کے علمبردار ہوں وہ بڑی دولت ہیں اور ہزار نہیں بل کہ ایک لاکھ ہوں۔ مگر ضمیر فروش ہیں تو گھاس ہیں اور مٹی ہیں۔ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس لیے یہ خطرناک کھیل نہ کھیلو، اگر (سرکاری زکوٰۃ) آئے تو واپس کر دو۔

وزیر تعلیم سے معاونت قبول کرنے سے معذرت

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ ہمارے وزیر تعلیم تھے۔ دیوبند تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ: اب تو اپنی حکومت ہے، ملک کا معاملہ ہے، اگر دارالعلوم دیوبند قبول کرے تو حکومت مالی امداد دینے کے لیے تیار ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ، اور مولانا سید صاحب مرحوم یہ سب لوگ تھے.... انہوں نے فرمایا: ہمارے اکابر کی یہ وصیت ہے۔ آپ ذاتی طور پر دینا چاہیں ہم قبول کریں گے مگر حکومت سے ہم ایک پیسہ نہیں لیں گے۔ ہم اس معاملے میں اس طریقے کو چھوڑ کر آگے نہیں بڑھیں گے۔ جو کچھ ہم سے ہوسکا اللہ توفیق دیں گے۔ مگر ہم مسلمانوں کے اور غریبوں کے ایک ایک پیسے کو جوڑ کر کام کریں گے اور اگر نہیں ہے تو نہیں کریں گے۔

صدر ہند سے مالی معاونت قبول کرنے سے معذرت

ہندوستان کے صدر جمہوریہ راجندر پرشات تھے۔ اتفاق سے سہارن پور آئے، سب لوگوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ وہاں چلنا چاہیے.... حضرت رحمۃ اللہ علیہ وہاں چلے گئے..... انہوں نے دیکھا تو کھڑے ہو گئے، اور بڑا اعزاز واستقبال کیا اور کہنے لگے مولانا! کیا دیوبند یہاں سے قریب ہے.....؟ حضرت نے فرمایا: ہاں! آپ تو اُسے راستے میں چھوڑ کر آئے۔

تو انہوں نے کہا میں ابھی دیوبند چلتا ہوں۔

صدر ایک صدر ہے۔ اس کا ایک ضابطہ اور قانون ہوتا ہے۔ اور اس کا نظام الاوقات ہوتا ہے۔ اب ساری مشینری (سرکاری اور فوجی) کہے کہ آپ نہیں

جا سکتے...اس نے کہا: مولانا مدنی یہاں ہیں اور دیو بند یہاں ہے اور مجھے تم روکتے ہو؟ بالکل نہیں، کوئی قانون نہیں، میں یہاں سے پہلے دیو بند جاؤں گا۔ پھر دہلی جاؤں گا۔

آخر سب مجبور ہو گئے۔ اور کوئی شکل روکنے کی نہ ہوئی تو سب افسر حضرتؒ کے پاس آئے کہ آپ چل کر یہ کہہ دیں کہ اس وقت وہاں تیاری نہیں ہے۔

اور واقعی تیاری نہیں تھی..... کسی کے خیال میں بھی نہیں تھا کہ یہاں تشریف لائیں گے.... اس لیے اس وقت آپ نہ جائیں۔ دوسرا کوئی پروگرام بنا کر آئیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ گئے فرمایا کہ ہم نے تو وہاں کوئی تیاری نہیں کی اور خبر بھی نہیں کہ دیو بند آسکیں گے۔ اس لیے اس وقت جانا مناسب نہیں ہے۔ دوسرا آپ پروگرام بنالیں۔ تو انہوں نے کہا: مولانا! اب آپ فرمارہے ہیں تو میں مجبور ہوں، ورنہ میرا یہ بالکل فیصلہ تھا..... اور یہ کیسے ہوا کہ یہاں کا پروگرام بنا۔ دیو بند یہاں سے قریب ہے اور مجھے کسی نے نہیں بتایا۔

بہر حال وہ پھر دیو بند آئے۔ اور انہوں نے بڑی لمبی تقریر کی اور یہ بتایا کہ میں نے ایک مولانا سے اپنے بچپن میں اردو و فارسی کی تعلیم پڑھی ہے ان کے بھائی اسلام بھی لائے تھے۔ بل کہ ان کے بھائی کا سارا خاندان مسلمان ہے بہار میں رہتے ہیں.... اس کا ذکر انہوں نے کیا، اور کہا کہ:

ہم سب لوگوں نے پہلے ایک عالم دین سے فارسی اُردو وغیرہ پڑھا ہے۔ اس کے بعد اسکول گئے ہیں۔ کالج گئے ہیں اور ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ:

اصل تو اخلاق اور انسانیت ان مدرسوں میں ہوتی ہے۔ سرکاری اسکولوں میں کہاں.....؟

اور یہ کہا کہ: میں چاہتا ہوں کہ آپ گورنمنٹ کی طرف سے کچھ قبول کریں۔

دارالعلوم کے سب ذمہ داروں نے کہا کہ ہم اس معاملے میں مجبور ہیں ہم کوئی بھی حکومت کی امداد قبول کرنے کے لیے تیار نہیں.... پھر انہوں نے کہا.... اچھا... میں اپنی طرف سے اتنی رقم دیتا ہوں۔ اس کو لے لیا گیا۔ وہ شخصی چیز تھی۔

بہر حال میرا مقصد یہ ہے کہ کبھی بھی علماء نے نکیل کو قبول نہیں کیا۔ آزادی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس کو برقرار رکھا۔ کوئی حکومت ہو کسی کی بھی ہو۔ اس طرح کا تصور علماء کی شایان شان نہیں ہے

فیملی پلاننگ پر اندرا سے اختلاف

اندرا ہماری سیاسی لیڈر تھیں، سیاسیات میں ہم ان کو مناسب سمجھتے تھے ان کا ساتھ دیتے تھے۔ دین کا کوئی معاملہ ان سے نہیں تھا۔

جب کبھی دینی مسئلہ پر گفتگو ہوئی ہے۔ ڈٹ کر ان کے سامنے مقابلہ کیا ہے۔ مسلمانوں کا مسئلہ آیا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ فیملی پلاننگ کا نمبر آیا۔ میں کانگریس کا ممبر تھا۔ اس وقت بھی تھا۔ الحمدللہ آج بھی ہوں۔ کوئی فخر نہیں میرے لیے اور میں نے کسی کمیٹی میں کہیں پارلیمنٹ میں اجلاس میں، تقریب میں تحریر وتقریر میں فیملی پلاننگ کی کبھی تائید نہیں کی، ہمیشہ برملا تنہائیوں میں مجلسوں میں کھل کر کہا کہ ہم اس کے ساتھ نہیں ہیں، حکومت چاہتی ہے کرے، بن جائے۔ وہ جانے .... لیکن جو قانون جبراً ہوگا تو زبردست مقابلہ کریں گے۔

چنانچہ ایک دن پوری جمعیت علماء کی مرکزی کمیٹی گئی اور پرائم منسٹر اندرا سے

پینتیس منٹ بحث ہوئی۔ ہم نے مخالفت میں اور اس نے اپنی مجبوری اور تائید میں دلائل دیتے رہے۔ انہوں نے ہماری نہیں مانی ہم نے ان کی نہیں مانی ....ہم نے فیملی پلاننگ کی مخالفت کی۔ اس کی مخالفت میں تجویزیں اور ریزولیشن پاس کئے۔ اسی طرح اور بہت سے واقعات ہیں۔ کبھی ہم نے جھک کر اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اپنے ضمیر کے خلاف کوئی لفظ کہنا گوارا نہیں کیا۔ آج بھی اللہ کا فضل وکرم ہے۔ اور جیل ویل تو ہمارے لیے ہنسی مذاق ہے۔

سوسال سے ہے پیشۂ آباء سپہ گری	باپ دادا سے جیل دیکھتے چلے آئے

ہمارا نقطہ نظر

اس لیے ہم کو تو یہ کہا ہی جاتا ہے .....لیکن ہمارا ایک نقطہ نظر ہے کہ اللہ تعالی جو توفیق عطا فرمائے اپنے لیے فرمائے

میرے محترم بزگو! دنیا، مال، دولت، عزت سب غیر اللہ ہیں۔ ان کا طالب غیر اللہ کا طالب ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی چیز دنیا میں رہنے والی نہیں ہے۔ سب نجس رذیل اور شرک کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اللہ کی رضا کے طالب بنو!

فراق ووصل چہ خواہی رضا دوست طلب	کہ حیف باشد از وغیر ازیں تمنائے

اللہ تعالیٰ کے لیے جیو، مرو سیکھو، کرو، تو غیر سے آزاد ہو گئے اور اگر غیر کی کسی قسم کی پرواہ اور فکر کرو گے تو غلامی کا طوق گردن میں ڈالنا پڑے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھو، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھو، اور جو اکابر امت گذرے ہیں۔ ان سب کو دیکھو، اور ان کے اسوے کو اپناؤ، وہ جذبہ پیدا کرو۔

مجاہدانہ زندگی اختیار کرنے کی ضروت

اور آپ اس زندگی میں، بے شک علم حاصل کرنے آئے ہو، اس کے لیے جو بھی جدو جہد کرو، کرنا چاہیے، تمام عمر مشغول رہو..... لیکن مجاہدے کی زندگی اختیار کرو، اگر آپ آج آرام طلب ہو گئے، مقصد فوت ہو گیا، دنیا مقصد بن گئی، عزت مقصد بن گئی..... تو یاد رکھو ایمان سالم نہیں رکھ سکو گے، روکھی کھاؤ۔

دہلی فتح ہوئی اور محمد شاہ رنگیلے نے مصالحت کی مجلس لگائی۔ دو سو قسم کے کھانے تھے..... جب وہ فاتح داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے غلام سے کہا: طعام ما بیار (ہمارا کھانا لاؤ) ایک چمڑہ کا تھیلا دستر خوان کے اوپر کھولا تو سوکھی روٹیاں کھڑ کھڑا کر گریں۔ تو محمد شاہ رنگیلے نے کہا کہ: حضور! یہ آپ کے اعزاز میں تو اتنے کھانے پکا کے رکھے ہوئے ہیں تو اس (فاتح) نے کہا کہ یہ دو سو قسم کے جو کھانے ہیں اس نے تجھے دہلی سے نہیں نکلنے دیا اور یہ سوکھی روٹیاں مجھے ایران سے یہاں لے آئی ہیں۔

تعیش و تنعم نے یہ دن دکھائے ہیں

مسلمانوں کے عیش وعشرت اور تنعم پسندی نے اور نفس پروری نے یہ دن دکھلائے ہیں جو آج آپ کے سامنے ہیں، اگر آپ کو کسی قابل بننا ہے تو سوکھی کھاؤ، زمین پر لیٹو اینٹیں سر کے نیچے رکھو۔ اور اس طرح زندگی گذارو کہ:

اگر تم کو کوئی دولت مند کوئی حکومت کوئی طاقت خریدنا چاہے تو لات مار دو۔ اور بھوکی زندگی گذارو۔ تب تو کچھ کر سکو گے۔ ورنہ جناب! ایمان بیچنا پڑے گا۔ ضمیر فروش ہونا پڑے گا اور کچھ نہیں کر سکو گے۔

اس لیے آپ حضرات تنعم کو چھوڑیں۔ سخت اور مجاہدانہ زندگی کے عادی بنیں۔

آپ کے لیے دو ہی کام ہیں۔ایک تعلیم حاصل کرنا دوسرے مجاہدے کا عادی بننا۔

بِقَدْرِ الْکَدِّ تُکْتَسَبُ الْمَعَالِیْ	مَنْ طَلَبَ الْعُلَا سَحِرَ اللَّیَالِیْ

آرام طلب کچھ نہیں کیا کرتا۔آرام طلبی کو چھوڑو، بڑھیا کھانے کھانے کی اور ایرکنڈیشنوں میں رہنے کی خواہشات آدمی کو غلام بناتی ہیں۔ضمیر فروش بناتی ہیں۔آدمی کوئی کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔وہی کرسکتا ہے جو ہر چیز کو نظرانداز کرسکے،اور خدا کو راضی رکھنے کے لیے کھڑا ہوجائے اور میدان میں کود جائے۔

اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اپنی مرضیات سے نوازے اور دارین کی بھلائیاں عطا فرمائے۔

وَآخِرُدَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان.......(۳۲)

پڑگئی جن پر کبھی بھی تیری نظر کیمیا
ہوگئے اوج ثریا سے وہ ذرے ہم کنار

منصب نبوت کی ذمہ داریاں

(بیان)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب نور اللہ مرقدہ

حضرت علامہ اجمیریؒ کا یہ بیان جامعہ زکریا جوگواڑ ضلع بلساڑ (گجرات) کے افتتاحی اجلاس کے موقع پر ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

چین میں صحابہ کا قافلہ اسی روشنی کو لے کر پہنچتا ہے وہاں کوئی تقریر نہیں کرتے بل کہ تجارت کرتے ہیں کاروبار کرتے ہیں لیکن چوں کہ ایمان کا چراغ دل میں روشن ہے، تجارت میں نور ایمان کو ملحوظ رکھتے ہیں لوگ ان کے تجارتی اصول اور ان کے اعلیٰ اخلاق دیکھ کر ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں کہ تم کون سی مخلوق ہو؟ تمہارا دین کیا؟ تمہارا مذہب کیا ہے؟ تمہاری تہذیب کیا ہے؟ ہم کو سکھاؤ، خود گویا اسلام میں داخل ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔

پیراگراف

از بیان حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب نور اللہ مرقدہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى... اَمَّا بَعْدُ!

اہل اللہ کے قدموں کے اثرات

محترم حضرات! یہ جو گواڑ کے باشندوں کے لیے بہت ہی مبارک موقع ہے اور یہاں کے باشندے مبارک بادی کے قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج یہاں کی سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے قدم پڑے ہیں اور ان نیک قدموں کے اثرات ضرور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ظاہر ہوں گے، جہاں پر اہل اللہ کے قدم پہنچتے ہیں وہاں دین اور ایمان کے چشمے پھوٹ جاتے ہیں۔

نوے لاکھ افراد مشرف باسلام

آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں آج سے قریباً آٹھ سو سال پہلے کی بات ہے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور دو تین رفقاء ان کے ساتھ اجمیر پہنچ جاتے ہیں، پہلے تو اجمیر ہی تھا بعد میں اجمیر شریف بنا ہے، وہاں اس وقت بھی ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کا نام اولیاء مسجد ہے، ویسے تو درگاہ کے احاطہ میں تین مسجد، اور ایک اور چھوٹی سی مسجد عالمگیری مسجد کے سامنے ہے جس کا نام اولیاء مسجد ہے، اور اس کو اولیاء مسجد اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں کے لوگ بتلاتے ہیں اور تاریخ میں بھی ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ دو تین ساتھیوں کے ساتھ یہاں تشریف لائے اور یہیں قیام فرمایا تھا، اس وقت وہاں کوئی آبادی نہیں تھی، ویران جنگل تھا، آبادی

دوسرے علاقہ میں تھی، وہاں ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ پرتھوی کی حکومت تھی، اس جگہ ایک تالاب تھا، وہاں انہوں نے قیام فرمایا اور اللہ تعالی کے ذکر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مصروف رہے، ان کے قدم وہاں پڑے اور بہت ہی تھوڑے عرصہ کے اندر ان قدموں کی برکت یہ ہوئی کہ وہ پورا علاقہ اسلام کے نور سے منور ہوگیا، بڑے بڑے کافر خود آتے اور اسلام قبول کرتے، آپ کو دیکھتے، آپ انہیں کچھ نہیں کہتے، کچھ نہیں بولتے، مگر ایمان کا چراغ جو اندر روشن تھا اس کی برکات اور فیوض ایسے تھے کہ سب کو کھینچتے تھے، ایک انگریز لکھتا ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے نوے لاکھ لوگ مشرف باسلام ہوئے، اب اس سے بڑا فیض اور کیا ہوسکتا ہے؟

اہل اللہ کی آمد خیر و برکت کا سبب بنے گی

یہ کیا چیز ہے میرے بھائیو! یہی تو ہے کہ اہل اللہ کے قدم جہاں پہنچ گئے وہاں سے اسلام اور ایمان کے سرچشمے پھوٹ جاتے ہیں، تو یہاں بھی ہمیں قوی امید رکھنا چاہیے کہ ان بزرگان دین اور علماء کرام کی تشریف آوری ہمارے لیے خیر و برکت کا سبب بنے گی اور ہماری یہ قربانی اور محنت ان شاء اللہ العزیز ضرور رنگ لائے گی، کوئی محروم نہیں جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے نوازیں گے۔

آپ نے قرآن پاک کی آیتیں سنیں اور پھر حضور پاک ﷺ کی نعت اور پھر مولانا سید ابرار احمد صاحب کا بیان دل پذیر، اس کے بعد مجھ ناچیز کو ایسے بزرگوں کے سامنے اور بولنے والوں کے سامنے کچھ بولنے کا کیا حق ہے، چوں کہ فرمائش کی گئی ہے۔

سرکار ﷺ کی زندگی کا اجمالی نقشہ

اس لیے حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ (متوفی ۱۴۱۸ھ) سے گستاخی کی معافی چاہتے ہوئے میں نے یہ آیت کریمہ پیش کی جس میں جناب سرکار دو عالم ﷺ کی پوری زندگی کا اجمالی نقشہ موجود ہے اور تئیس برس میں آپ ﷺ نے عمل کر کے ان آیتوں کی تشریح فرمائی۔

حضور اقدس ﷺ کی ۲۳ سالہ زندگی کا خلاصہ قرآن پاک میں ذکر کیا، آپ کا کیا کام تھا اس کو خود قرآن کریم بتلا رہا ہے (**هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ**) ایک تو امیین میں رسول بنا کر بھیجا، اور رسول بھی کیسے؟ سردارِ رسل، سید الاولین والآخرین اور پھر ایک ایسی قوم کو نوازا جو بالکل امی ان پڑھ تعلیم سے کوری، جس میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں جس کو اس وقت عرض کرنے کا موقع نہیں ہے۔

اپنے چراغ کو روشن کرلو

ایک امی قوم کو منتخب کر کے ان میں ایک ایسی ہستی کو اس طریقہ سے منتخب فرمایا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے آگے بڑھ گئے، اور پھر قیامت تک کے لیے دنیا میں ایسی روشنی چھوڑی کہ جو بھی روشنی تلاش کرنے والے ہوں گے وہ اس سے اپنے چراغ کو روشن کر سکتے ہیں، کسی دوسری جگہ وہ روشنی نہیں ہے جو روشنی جناب سرکار دو عالم محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ دنیا کو ملی، مسلمانوں کی زندگی دیکھ لیجیے، تاریخ کی روشنی میں ہم اس کو دیکھ سکتے ہیں کہ جہاں بھی پہنچے اس روشنی کا اثر اپنے ساتھ لے گئے، یہ روشنی ان کے ساتھ رہی اور اس کا اثر ہوتا رہا۔

ملک چین میں ایمان کی روشنی

چین میں صحابہ کا قافلہ اسی روشنی کو لے کر پہنچتا ہے، وہاں کوئی تقریر نہیں کرتے بل کہ تجارت کرتے ہیں کاروبار کرتے ہیں لیکن چوں کہ ایمان کا چراغ دل میں روشن ہے، تجارت میں نور ایمان کو ملحوظ رکھتے ہیں لوگ ان کی تجارتی اصول اور ان کے اعلیٰ اخلاق دیکھ کر ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں کہ تم کون سی مخلوق ہو؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارا مذہب کیا ہے؟ تمہاری تہذیب کیا ہے؟ ہم کو سکھاؤ، خود گویا اسلام میں داخل ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔

ہر ایک کی ذمہ داری

جناب سرکار دوعالم ﷺ کا ارشاد پاک تھا: ’’فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ‘‘ یعنی جو یہاں موجود ہیں وہ غیر موجود کو پہنچا دیں، اور یہ اسی کی برکت ہے کہ کہاں یہ ہندوستان! کہاں یہ جوگواڑ! اور کہاں جناب سرکار مدینہ کی باتیں! آپ سنتے ہیں اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں، یہ تو اسی کی برکت ہے، تو آپ کا دین اور آپ کا مذہب تبلیغ ہے، میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی برکتیں رکھی ہیں۔

ایک واقعہ

ایک صاحب ہمارے اور جناب مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری مدت فیوضہم (جن کی آج کل ذرا طبیعت خراب چل رہی ہے ان کی صحت کے لیے دُعا فرمائیں جو ہمارے علاقہ بل کہ پورے ہندوستان کے چراغ ہیں) سے ملنے کے لیے آیا کرتے تھے، اب بھی آتے ہیں اچھے آدمی ہیں حج کی دو تین مرتبہ سعادت بھی نصیب ہوئی، ان کی ڈاڑھی بالکل نہیں تھی، شروع میں آتے رہے اور ہم اچھی طرح ملتے رہے، سب سے ہی ملتے ہیں یہ نہیں کہ یہ شریعت کے خلاف ہے تو اس سے نہیں ملے۔

بہر حال وہ صاحب آتے رہے اور بات چیت ہوتی رہی ایک روز انہوں نے خود کہا کہ مولوی صاحب آپ نے تو کبھی مجھے ڈاڑھی کے لیے کچھ کہا ہی نہیں کہ ڈاڑھی رکھ لو، اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ بات اس کے دل میں کس نے ڈالی؟

ظاہر بات ہے کہ ہم نے تو ان صاحب سے کچھ کہا نہیں، بل کہ خود اسی نے سوال کیا کہ آپ لوگ مجھے اس سلسلہ میں کچھ کہتے نہیں۔

یہ بھی تو ایک تبلیغ ہے

تو میں نے کہا کہ بھائی! آپ نے مفتی صاحب کے چہرے کو دیکھا ہے یا نہیں؟ ان کا لباس آپ کے سامنے ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں یہ تو ہے۔

میں نے کہا یہ بھی تو ایک تبلیغ ہے، اپنی شکل سے اپنی صورت سے اپنے کردار سے اپنی گفتار سے مسلمانی ظاہر ہونی چاہیے اسی کا نام تبلیغ ہے، آپ پکے سچے اور ظاہر وباطن کے اعتبار سے مسلمان ہو جاؤ اور پھر دیکھو دنیا کیسے مسلمان ہوتی ہے، اور پھر دیکھئے دنیا کا کیا حال ہوتا ہے؟

چنانچہ وہ شخص بہت متاثر ہوئے اور ڈاڑھی رکھ لی، آج کل اگر آپ انہیں دیکھ لیں تو بڑے عالم فاضل معلوم ہوتے ہیں، اگر چہ باقاعدہ مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی۔

نبی کریم ﷺ کے خلق عظیم

ایک موقع پر حضور پاک ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما تھے اور ایک شخص کو اپنے پاس آتے دیکھا جو آپ ﷺ کے پاس ہی آنا چاہتے تھے، تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ بڑا شریر آدمی ہے، حضور اقدس ﷺ نے اس کی حقیقت ظاہر فرمائی۔

بہرحال وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ ﷺ نے اس سے بہت ہی بہترین شیریں گفتگو کی، وہ اٹھ کر چلا گیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اشکال پیش آیا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ بڑا خراب آدمی ہے اور جب یہاں آیا تو آپ نے بڑی بہترین اور شیریں گفتگو فرمائی ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے کب دیکھا ہے کہ میں نے بدخلقی سے کام لیا ہے؟ کبھی دیکھا ہے؟ دشمن کے ساتھ بھی اچھے اخلاق اور اچھے طریقے سے پیش آنا چاہیے (ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (فصلت : ۳۴) یہ کس لیے نازل ہوئی ؟ مسلمان کے اخلاق بلند ہونے چاہیے، اخلاق کے ذریعہ بھی آپ تبلیغ کر سکتے ہیں۔

منصب نبوت کی چار ذمہ داریاں

تو میرے بھائیو! (اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللهِ الْاِسْلَامُ) اس اسلام کو سر پر چڑھاؤ ظاہر اور باطن میں اس کا احترام رکھو، پھر دیکھو دنیا کا کیا حال ہوتا ہے؟ کیا صورت ہوتی ہے؟

حضور پاک ﷺ نے ۲۳ برس تک چار چیزیں دنیا کو بتلائیں اور وہ چار چیزیں وہی ہیں جن کا میں نے اوپر آیت کریمہ میں ذکر کیا(هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ) (الجمعۃ: ۲) آیات کی تلاوت ہو، نفس کا تزکیہ ہو اور کتاب وحکمت کی تعلیم ہو، ادھر علم ہو اور اس کے ساتھ عمل اور اخلاص بھی ہو اور تزکیہ بھی ہو تو علم کا نور پھیلے گا اور اندر سے دل روشن ہوتا جائے گا اور گندی سے پاک ہو جائے گا، تو یہ جناب نبیٔ کریم ﷺ

کی تعلیم ہے اور یہ پورا قرآن آپ ﷺ ہی کی زندگی کی تفصیل ہے، پوری شریعت اس کی تفصیل ہے۔

اہل جوگواڑ کو مبارکبادی

تو بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ کی اس مبارک بستی میں آپ حضرات نے اور جس کسی نے اس مدرسہ کے متعلق سوچا یہ اللہ تعالیٰ آپ سے کام لے رہے ہیں، آپ کیا سوچ سکتے ہیں؟ انسان کیا سوچ سکتا ہے؟ (وَمَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ) (الانسان: ۳۰) اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہم کو یہ موقع دیا اور ہمت بخشی اور ایک ایسے کام میں ہم کو دلچسپی دی، کیوں کہ دین وایمان کا کام ہے اور جناب سرکار دو عالم ﷺ کا اصلی مقصد ہے اور اسلام کا خلاصہ ہے، اور تعلیم ہی سے کام ہوتا ہے، تعلیم کے بعد تزکیہ بھی حاصل ہوتا ہے، اخلاص ہوتا ہے۔

علم کا درجہ مقدم ہے

امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے " اَلْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ " اس سے معلوم ہوا کہ علم کا درجہ مقدم ہے، خیر اس پر بحث نہیں کرنی ہے، صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جب علم آئے گا تو وہ خود اپنے اثرات کو ظاہر کرے گا۔

میں نے آپ کا کافی وقت لیا، بس یہی عرض کرنا ہے کہ ہماری اس بستی میں حضرت مولانا کی تشریف آوری اور اس علاقہ میں آپ کا قدم رکھنا خیر وبرکت کے لیے ایک بہت بڑا خزانہ ہے ان شاء اللہ یہ علاقہ اس خیر وبرکت سے مستفیض ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے قدموں سے ہم سب کو فیض یاب فرمائیں اور ان کا سایہ تادیر

قائم رکھیں اور آپ کی بستی کو بھی اللہ تعالی خوب انوار سے نوازیں اور خوب دین وایمان سے نوازیں اور آس پاس کی بستیوں کو بھی اس نعمت سے مالا مال فرمائیں۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❊❊❊　❊❊❊

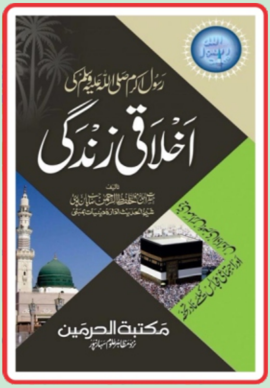

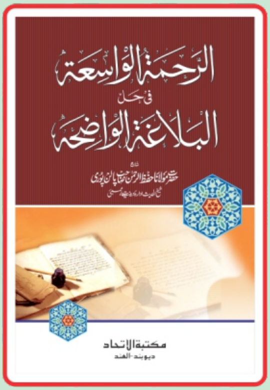

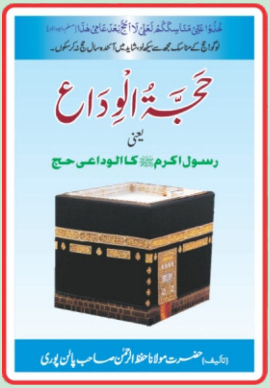

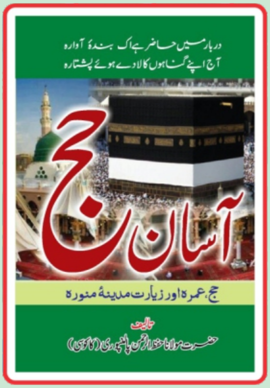

MAKTABA IBN-E-ABBAS

Mumbai

Mob. 9967300274, 7021684650